فمنهم من قضی نحبه و منهم من ینتظر

تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے

(جلد ششم)

تالیف:

محمد طاہر جمال ندوی

ناشر:

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلادیش۔

کتاب	:	تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے (جلد ششم)۔
مؤلف	:	محمد طاہر جمال ندوی، فاضل دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ، انڈیا۔
سن تصنیف	:	۱۹۹۹ء
سن کتابت	:	۱۱/نومبر/۲۰۲۳ء
باراول	:	دسمبر/۲۰۲۳ء
باردوم	:	۱۰ / ۰٦ / ۴۲۰۲٦
تعداد	:	۱۰۰۰ (ایک ہزار)
قیمت	:	۵۰۰/ ٹاکا، بنگلہ دیشی۔ ۳۰/ریال سعودی
کمپوز	:	محمود العالم (اندرقلعہ، چاٹگام، بنگلادیش)
ناشر	:	دار البحوث والمناصرة الاسلامية چاٹگام، بنگلادیش
ملنے کے پتے	:	0088-01533091784
Email	:	tahernadwi@gmail.com

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب
لطمۂ موج کم از سیلیٔ استاد نہیں

انتساب

فمنهم من قضى نحبه و منهم من ينتظر

(الاحزاب: ۱۳)

اس لہو کے نام جو ملت اسلامیہ ارکان کے لئے بہا مگر خود ارکان میں اجنبی ٹھہرا

بلوح تربت من یافتند از غیب تحریری
کہ این مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیری



محمد طاہر جمال ندوی

۱۲/ دسمبر/ ۲۰۲۳ء

عرض ناشر

برادر محترم مولانا محمد طاہر جمال ندوی (فاضل جامعہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، ہند، وتلمیذ خاص مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کی شخصیت ہمارے دینی وروحانی، علمی وثقافتی، فکری وسیاسی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، آپ ایک قابل القدر عالم دین، معروف ادیب و قلم کار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک نامور مفکر مورخ بھی ہیں، جن کی چند تصانیف ماشاء اللہ چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں، اور بہت ساری تصانیف اب تک زیرِ طبع وزیرِ نظر بھی ہیں۔

مولانا محمد طاہر جمال ندوی بن الحاج مولانا حافظ جمال الدین احمد کی ولادت ۵/۵/۱۹۶۶ء میں بستی باغکونہ علی چنگ ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے پا کر جامعہ اسلامیہ عالیہ بوسیدنگ میں داخلہ لیا، یہاں سے آپ نے ثانویہ تک کی تعلیم پا کر دار المعارف الاسلامیہ چاٹگام میں ایک سال حضرت مولانا محمد سلطان ذوقؔ ندوی اور حضرت مولانا فرقان اللہ خلیل صاحب سے پڑھا، اس کے بعد جامعہ اسلامیہ پٹیہ میں پڑھ کر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا، یہاں سے کلیۃ الادب العربی سے ماجستر کر کے ۱۹۹۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔

مولانا محترم فراغت تعلیم کے معا بعد بنگلا دیش آئے اور یہاں کے مختلف مدارس میں پڑھاتے رہے تھے، جن میں دار الانصار چاٹگام قابل ذکر اور ناقابل فراموش درسگاہ ہے، پھر چند سال پڑھانے بعد آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا، جہاں آپ نے چند سال گزارے، اس کے بعد دوبارہ بنگلا دیش آئے ہوئے ہیں، حالیا تصنیف وتالیف میں مصروف اور سرگرم عمل ہیں، الحمد للہ مولانا کی چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ گرانمایہ تصانیف ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں۔
☆ سازش کا طوفان عقلیت ومادیت کے روپ میں۔
☆ روہنگیا مسلمانوں کے جانگسل المیے۔

☆ تذکرۂ علامہ سید الامینؒ۔
☆ تذکرۂ حضرت مولانا شاہ عبد السلام ارکانیؒ۔
☆ روہنگیا مسلمان اور ان کی ہجرت کے اسباب۔
☆ ارکان کے عظیم شاعر علاول/ الاول، حیات وکارنامے۔
☆ ارکان روہنگیا یونین، ماضی اور حال کے تناظر میں۔
☆ روہنگیا چیخ وپکار اور مطالبات (ترجمہ)۔
☆ وادئ پرخار کے گمنام مسافر۔
☆ سالارِ کارواں محمد جعفر حبیبؒ۔
☆ سرخیل کارواں۔
☆ علماء اور جمعیۃ علمائے اسلام ارکان۔
☆ روہنگیا رسم الخط کا ایک علمی اور فکری جائزہ۔
☆ روداد سخن۔
☆ نقوش خیال۔
☆ حیاتِ نور۔
☆ حیاتِ ڈاکٹر محمد یونس۔
☆ برما میں خانہ جنگی کا دور دورہ۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۲)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۳)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۴)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۵)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۶)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۷)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۸)۔
☆ سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۹)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۰)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۱)۔

☆سرزمین ارکان کے درخشان ستارے (جلد ۱۲)۔

مولانا کی ان تمام تصانیف میں سے سب سے مقبول ترین تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریکِ آزادی تاریخی پس منظر میں'' جو دسمبر ۱۹۹۹ء میں پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی، اور دوسرا ایڈیشن زیرطبع ہے، جس کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے لکھا ہے کہ: ''فاضلِ عزیز مولوی محمد طاہر جمال ندوی شکر وسپاس کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت ولیاقت کے ساتھ اس فرض کو انجام دیا، اپنے وطن کا حق ادا کیا، اور تاریخ کے خلا کو پر کیا، جو عرصہ سے پایا جاتا تھا''۔

مولانا کی زیرنظر تصنیف ''تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے جلد ششم'' بھی ہمارے نزدیک ایک شاہکار تصنیف ہے، جسے آپ نے بڑی محنت، لیاقت اور عرق ریزی سے کام لیتے ہوئے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس میں کسی قسم کی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آپ نے اپنی دیگر تصانیف کی طرح اس سوانحی تصنیف کو بھی ایک ملی فریضہ اور قومی خدمت کے بطور اور بقول آپ کے ایک سعادت سمجھ کر لکھا ہے، اور اس کی تکمیل کی راہ میں آپ نے جو تکلیفیں، صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں ان کے اجر ومعاوضے صرف اور صرف ذاتِ خداوندی کی طرف سے ممکن اور امید ہیں۔

تاہم اس قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ہم اپنی قوم کی طرف سے عصر حاضر کے ہمارے اس عظیم مصنف وقلم کار کو خراجِ تحسین وگل دستۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنی خاص رحمت اور فضل وعنایات سے مصنف کی زندگی اور قلمی کاوشوں کو مزید شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین یارب العالمین

محمد طارق جمال

سکریٹری برائے نشر واشاعت

دار البحوث والمناصرة الاسلامية

چاٹگام، بنگلا دیش۔

فہرست

تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے

(جلد ششم)

حرف آغاز

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی اشرف الانبیاء وسید الاولین والآخرین، وعلی آلہ و صحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، ولا عدوان الا علی الظالمین، امابعد:

تاریخ کاروان حیات کا حافظہ ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو قوم یا افراد اپنے حافظہ کھو بیٹھتے ہیں، وہ اپنے مستقبل تاریک بنا لیتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کسی بھی قوم کا حال ماضی کا آئینہ اور کسی بھی قوم کا مستقبل حال کا نتیجہ ہوتا ہے، اور تاریخ انسانی زندگی کا وہ آئینہ ہے، جس میں قوم اپنی حیات کا ہر اہم پہلو بڑی سچائی اور گہرائی کے ساتھ دیکھ پاتی ہے، چاہے اس کا تعلق انسانی سماج، طبقات، سیاست، معیشت معاشرت غرض انفرادی ہو یا اجتماعی، ذہنی ہو یا اخلاقی، تہذیبی ہو یا تمدنی کہ تاریخ ان کے ہر اہم پہلو کو بڑی گہرائی سے سامنے لاکر سورج کی طرح عیاں کر دیتی ہے۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جو قوم اپنے ماضی اور اپنے اسلاف کے کارنامے بھلا دیتی ہے، اس کا وجود بحیثیت ایک قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے، کیوں کہ اس کے امتیازات، خصوصیات، کمالات، غیرت وخودداری کے جذبات اور عظمت وشرافت کے جو سرچشمے تھے کہ جہالت نے انہیں ان سے محروم کر دیا تو اس کا رشتہ اپنے اسلاف سے ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جاتا ہے، اب اس حالت میں ان کی رگوں میں وہ خون گرم کہاں سے آئے گا، جو اس کے جسم میں زندگی کی حقیقی توانائی اور اپنی عزت وآبرو، عصمت وناموس اور عظمت واقتدار پر کٹ مرنے کا حوصلہ اور جذبہ پیدا کرسکتا تھا؟ اس لئے ہر زندہ اور حوصلہ مند قوم اپنی قومی تاریخ اور اپنے ماضی کی عظمتِ رفتہ اور اپنے اسلاف کے روشن کارناموں کو حرزِ جان بنائے رکھتی ہے۔

مسلمانان ارکان اپنے وطن عزیز میں حکمران رہ چکے تھے، ۱۷۸۴ءکوان پر برمیوں کا زبردست حملہ ہواتو ان کے روشن حالات نے انگڑائیاں لیں، ان پر ناموافق سیاسی حالات کا تسلط ہوگیا، ان کی سیاسی، معاشی، سماجی، معاشرتی، ثقافتی غرض سبھی شعبوں کو زوال وانحطاط نے دیمک کی طرح چھاٹ گیا تھا، ان کے علم وفن، مال ودولت، عزت وآبرو، نخوت وغیرت، ناموس ووقار سب پر آنچ آنے لگی، برطانوی دورحکومت میں بھی ان کی یہی حالت بدلی نہ تھی، پھر ۱۹۴۸ء میں برمیوں کا ارکان پر دوبارہ قبضہ ہوگیا تو انہوں نے ارکانی مسلمانوں پر وہ سارے مظالم ڈھائے، جن کی یاد وتذکار سے ہٹلر اور چنگیز بھی شرمائے بغیر نہیں رہ سکتے۔

پوری دنیا کی اسلامی اور اسلامیوں کی تاریخ کی طرح ارکان کی تاریخ میں بھی زوال وانحطاط کا کرشمہ دیکھا گیا ہے، مسلمانان ارکان جب یہاں حکمران تھے تو اس زمین نے ہر شعبہ ہائے زندگی میں بڑے بڑے اعیان پیدا کئے، اورتو اوران میں ادباء، شعراء، انشاپرداز اور علماء وصلحا کی کوئی کمی نہیں تھی، اس میں شک کی گنجائش نہیں ہے کہ ہمارے اسلاف علم وادب، تہذیب وثقافت، اخوت ومساوات انسانی کے سرمایہ کار تھے، انہوں نے اپنے سرمایہ کو یہاں کے مسلمانوں کے علی الرغم دوسرے انسانوں، وحشی اور غیر متمدن قوموں پر پوری فیاضی کے ساتھ لٹایا تھا، ہمارے اسلاف نے یہاں کے ذرے ذرے سے محبت کی، اور یہاں کے چپے چپے کو اپنے جذبۂ عشق ووارفتگی کی سجدہ گاہ بنائی، یوں یہاں کی محبت بھری سرزمین نے ان کے دلوں کو جیت لیا تو انہوں نے اپنے سینے کو مزید کھول دیا تھا، ماضی کی اسکرین پر ان تمام مناظر کی تصاویر مرتسم ہیں، جو ہمارے سنہرے ماضی کی یاد دلاتی ہیں، اب انہیں بھول جانا ہماری قومی زندگی کا کوئی چھوٹا نہیں بلکہ سب سے بڑا حادثہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا؟

ہماری قومی تاریخ کے سنہرے صفحات شاہد ہیں کہ ارکان میں جو دعاۃ ومرشدین اسلام کے پیام جاودانی لے کر آئے تھے، انہوں نے عزم وہمت کو ہم رکاب کر کے یہاں کے انسانیت کش حالات کو سازگار بنایا، اور اپنی عزت وشرافت، اصول پرستی اور عدل گستری، مساوات اور انسانیت نوازی کے کارناموں سے یہاں کی غیر متمدن، وحشی اور بربر قوموں کو اسلام سے روشناس کر دیا، انہوں نے اپنی اخلاقی بلندی اور رواداری کے مخلصانہ جذبات کے ذریعے یہاں والوں کو اتنا متاثر کیا کہ نہ صرف ان قوموں نے بلکہ یہاں کی سرزمین نے بھی ان کے لئے اپنے آغوش محبت وا کر دیا، اور انہیں عزت و

احترام کے بلند مقامات پر بٹھایا، تاریخ کی ایک لمبی مسافت ہے، جسے ہم نے اس سرزمین میں عظمت و سربلندی کے لہراتے ہوئے پرچم تلے طے کی ہے، یوں یہاں کی گلریز وادیوں نے ہمارے اسلاف کے پاؤں چومے، سنگلاخ پہاڑیوں نے ان کے قدموں کو بوسا دیا، کبھی کبھار ضرورت کی بنیاد پر ہمارے اسلاف نے اپنا قدم آگے بڑھایا، اور وہ خون کے متلاطم سمندروں کو پار کیا، اور اپنے اپنے مقصد ومنزل کو پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔

مگر اب طرفہ یہ ہے کہ ہم بڑے ناخلف، بزدل اور بادہ مست بن گئے ہیں، ہمارے ان دعاۃ و مرشدین، شہیدوں اور غازیوں نے عزیمت ودعوت کا روشن باب رقم کیا تو ہم نے ان کی آرزوؤں اور امنگوں سے غدر کرنا شروع کر دیا ہے، وہ اوران کے تمام کارنامے آنے والی نسل کے لئے روشنی کے مینار تھے، مگر اب ہمارے ہاتھوں ان کی شناخت اور تاریخی کارنامے مسخ ہونے لگے ہیں، اس طرح روشنی کے ان میناروں کی بنیادیں بھی ہمارے ہاتھوں متزلزل ہونے لگی ہیں۔

انسانی تاریخ کا یہ ایک بڑا المیہ ہے کہ اس نے بعض موقع پر اپنے اسلاف اور ان کے کارناموں کو یا تو بھلا دیا ہے یا بگاڑ دیا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جنوبی ایشیا میں اسلام کا دروازہ کھولنے والا ملت اسلامیہ کے عظیم سرخرو نوجوان حضرت محمد بن قاسم کے حالات بڑے دردناک ہیں، جو خود مسلمانوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، اور ایک طویل مدت تک مطلق العنان حکمرانوں نے انہیں مسلم تاریخ میں جائز مقام تک دینا گوارا نہ کیا، مگر اسلامیان ارکان کے اسلاف کی طرح ان کے متعلق بھی وقت نے جب اپنے چہرے سے ناانصافی کی گرد وغبار ہٹائی تو اسلام کے اس عظیم المرتبت خادم کے روشن چہرے پر پڑی ہوئی گرد وغبار صاف ہو کے چہرہ مزید تابناک ہوا، تو تاریخ نے انہیں اپنے سینے سے لگایا، غیرت مندوں نے اپنی حمیت وغیرت کی علامت بنائی۔

ادھر اور ایک طویل مدت گزر جانے کے بعد یہاں کی تاریخ نے حضرت سید احمد بن عرفان الشہید اور حضرت اسماعیل شہید پیدا کئے، جنہوں نے وادی بالاکوٹ میں جہاد کا علم بلند کیا، باوجودیکہ ان مجاہدین اسلام کی پشت میں کچھ غدار خوانین نے چھرا گھونپا، سکھوں اور انگریزوں کی امیدیں اور مرادیں بھر لائیں، مگر دریائے کنہار کے شوریدہ سرلہروں کے ساتھ اس تحریک کا مقدس لہول کر تاریخ کا رخ پھیر دیا، یوں یہ حضرات جنوبی ایشیا میں حقیقی اسلامی جہاد کے سب سے بڑی اور سب

سے پہلی تحریک کے نقیب بن کر ابھرے، نہ صرف وہ حضرات بلکہ ان کے رفقاء، ہم نوا وشرکاء سبھی کو تاریخ نے بلند مقام عطا کیا ہے۔

بعض مورخین شاید وطن مقدس ارکان کے دور اخیر کے مجاہدین کو ناکام دیکھ رہے ہوں گے، جس طرح بعض حضرات مورخین حضرت سید احمد بن عرفان الشہید کی تحریک جہاد کو ایک ناکام تحریک کی نظر سے دیکھتے ہیں، مگر یاد رہے کہ بعض موقع پر شکست بڑا تلخ تجربہ ہوتا ہے، لیکن زندہ قوموں کی تاریخ میں بارہا ایسا بھی ہوا کہ ایک شکست ان کے لئے بڑی فتح کا پیش خیمہ بن گئی، اور وہ قومیں پہلے سے بڑھ کر معزز اور مضبوط بن کر ابھریں، تو راقم الحروف کی امید نہیں بلکہ یقین ہے کہ اور تو اور سرزمین ارکان کے دور آخر کی تاریخ بھی اس انداز سے ابھر آئے گی۔

بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ مجاہدین سید احمد بن عرفان الشہید کے برعکس سرزمین ارکان کے دور آخر کے مجاہدین کی نامرادی کی تلخی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ اہل وطن اپنے جان نثاروں کو بھی بھول گئے ہیں، ان لوگوں کو بھول گئے ہیں جنہوں نے اپنی کڑیل اور بے داغ جوانیاں اور عمریں غاصبوں، خون خواروں اور طاغوتوں کے مقابلے میں دفاع دین و وطن کی خاطر قربان کر دیں، اب تو حسرت و یاس کا یہ عالم ہے کہ ان شہیدوں اور غازیوں کے نام تک نہیں لئے جا رہے ہیں، لیکن یاد رہے کہ آخر وہ لوگ ہمارے ہی تھے، جنہوں نے دریائے مایو اور کلاڈان سے وضو کیا، اور اپنے لہو کے سوغات دے کر ہماری تاریخ کو سرخرو کیا، وہ قائدین ملت، وہ جوانان قوم ہمارے جسد ملی ہی کا اٹوٹ حصہ تو تھے، جنہوں نے غلامی کی زنجیروں کو کاٹ پھینکنے کی کوششیں کیں، اور اپنی اپنی زندگیوں کو اس حوالے سے وقف کر دیا، مگر آج ہمارے اندر شعور و احساس کی چنگاری ایسی بجھی کہ ہم ان شہیدوں اور غازیوں کے نام تک بھولنے لگے ہیں۔

جی ہاں! ان محسنوں کو یاد کرنا ہمارا فرض اولین ہے، جنہوں نے ظلمت و اندھیاری کے اس مہیب طوفان میں حق و صداقت کی قندیلیں روشن کیں، جنہوں نے حق کی آوازیں بلند کرنے کے صلے میں طعنوں، ملامتوں کے تیر سہے، اور اپنی زندگی، اپنے مستقبل کو ملت و قوم کی راہ پر نثار کیا، ملک و قوم کی آزادی اور اگلی نسل کے مستقبل کی حفاظت کی بھرپور کوشش کی، اس مقصد کے لئے قید خانے کی اندھیاری کے نذر ہو گئے، شہید ہوئے، غازی بنے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ اب ان کی اکثریت ہمارے مابین نہیں رہے، مگر ان غزاۃ و شہداء کی پاک روحیں دیکھ رہی ہیں کہ ان کی قربانیوں سے کون کون مستفید اور کون کون فیضیاب ہو رہے ہیں، اگر ہم فراموش کرنے والے نہیں ہیں تو ہم ان شہیدوں اور غازیوں کو کبھی بھی نہیں بھول سکتے، ہر چند کہ وہ لوگ اپنے اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، لیکن ان کا ملت و ملک پر نچھاور کیا ہوا لہو، جانے والوں کا قرض اور آنے والوں کی امانت ہے، اگر ہماری قوم ان کی جان نثاری، جرات و عزیمت کو نظر انداز کرتی ہے تو بجا طور پر یہ شک پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری قوم زندہ بھی ہے یا نہیں؟

ہمارے اسلاف ہمت و حوصلہ، غیرت و شجاعت، عزم و استقلال، حب دینی اور حب الوطنی، حق و صداقت، انصاف و عدل گستری، رواداری و فیاضی غرض اخلاق عالیہ کے مجموعی طور پر مجسم تھے، اسی روشنی میں انہوں نے یہاں سے جہالت کو دور کیا، اور علم و عمل کی روشنی پھیلائی، آزادی کی یاد دلائی، حریت کا سبق پڑھایا، تہذیب و شائستگی کے چراغیں روشن کر کے فکر و تدبر اور علم و عمل کی روایات قائم کیں، وہ سب حقیقت میں اسلام کی تعلیمات سے سرشار تھے، انہوں نے ملک و ملت کی فتح مندی اور کامرانی کے لئے جان کے نذرانے پیش کئے تھے، اسلامی جہاد پر ان کا یقین تھا، مگر اب ہم کیا ہو گئے ہیں کہ ان کے کارناموں کو بھی بھول جانے لگے ہیں، ہمارے منہ ان سے پھیر نے لگے، انہوں نے حصول آزادی اور انسداد غلامی کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا رکھی تھی، مگر ہم نے غلامی کو اپنا شیوۂ زندگی بنا لیا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ ارکان کے روہنگیا مسلمان بحیثیت قوم ایک زندہ دل اور معزز قوم ہے، جس طرح پچھلی سطور میں عرض کی گئی ہے کہ اس قوم کے اسلاف نے اپنے وطن میں ایمان و عقیدہ مسلک و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لئے قندیل نورانی اور چراغ روحانی جلایا تھا، یہاں انہوں نے وہی کچھ کیا، جو اسلام نے ان سے مطالبہ کیا تھا، انہوں نے یہاں کی اجڈ اور غیر مہذب قوموں کو اسلام کی روشن تہذیب و ثقافت سے روشناس کرایا، اور ایک دنیا کو ظلمت و اندھیاری کے مہیب طوفان سے نکال کر ہدایت و روشنی کی طرف لے آیا تھا، ان کی وجہ سے یہاں کی اجڈ قوموں کو وہ زندگی ملی، جس کے حصول کے بعد انسان تمام مخلوقات خداوندی سے برتر ہو کر اعلی سے اعلی مقام اور بلند سے بلند ترین مراتب پر فائز ہو جاتا ہے۔

ہمارے ان بزرگوں کی دعوت وعزیمت کے واقعات اور کارناموں کی دھندلی سی نشانیاں اور جھلکیاں جو تاریخ کے صفحات میں ملتی ہیں، ان سے یہ اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ انہوں نے اشاعت دین اور تبلیغ ملت اسلامیہ کے لئے زمانے کی چاہت وطلب کے مطابق مختلف حکمت عملیوں کو اپنایا تھا، ان میں سے ایسے بھی پائے جاتے ہیں، جو اس راہ دعوت وعزیمت میں اپنی اخلاقی بلندیوں، ذاتی خوبیوں اور کرداری رعنائیوں سے لوگوں کو متوالے بنائے اور اجڈ لوگوں کو اسلام کے حلقہ بگوش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، ان میں سے بعض عبقری شخصیات ایسی بھی پائے جاتی ہیں، جنہوں نے اپنے تطبیقی فیصلوں سے جہاد فی سبیل اللہ کے میدان کا انتخاب کیا، اور تیر وتفنگ، تلواروں اور نیزوں کے سائے تلے پل کر اسلام اور مسلمانوں کی آبرو بچائی، اور جبھی موقع ملا تو یہاں اسلام کا نظام بھی قائم کیا، اور امن وآشتی، عدل مساوات کے ذریعے امن وطمانیت کی فضا قائم کر دی تھی۔

ہم اپنے ان بزرگوں میں عالی مشرب صوفیاء ودرویش، عالی ہمت علماء وصلحاء، روشن خیال شعراء وادباء، اور عالی مقام مولفین ومصنفین، دل دردمند دعاۃ ومصلحین، فکر ارجمند کے مالک دانشوران وسیاست دان، جان سوز رہنما ومرشدین، کوہ ہالہ سے ٹکر لینے والے قائدین وشہسواران، عرض سب کچھ پاتے ہیں، انہوں نے ہر دور میں بدلتی ہوئی صورت حال سے فائدہ اٹھایا اور وقت کی فضاء اور ماحول کو خوب خوب سمجھا تھا، اور اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق دینی اور قومی ذمے داریاں خوب خوب نبھائی تھیں۔

پہلی صدی ہجری سے لے کر اب تک ہم اپنے بزرگوں کو اسلام اور انسانیت، ملک اور قوم کی خدمات انجام دینے والے پاتے ہیں۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر آج تک چلنے والا جو سلسلۂ دعوت وجہاد نظر آرہا ہے، یہ دراصل ہمارے ان ماضی کے بزرگوں کی خدمات کی ایک روشن کڑی ہے، جس طرح ماضی میں ہمارے بزرگوں نے زمانے کی پرکٹھن پگڈنڈیوں کی چکر کاٹتے ہوئے اس سلسلہ کو باقی رکھا تھا، ٹھیک آج بھی ان کے نہج پر یہ سلسلہ منزل کی طرف رواں دواں نظر آتا ہے۔

۱۹۴۲ء میں ہمارے بزرگوں نے ایک مرتبہ علم جہاد بلند کیا تھا، یہاں مسلمانوں کی جان ومال، عزت وناموس کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دی تھی، اس حوالے سے بہتوں نے اپنی اپنی جان کے نذرانے پیش کئے تھے۔ ٹھیک اسی طرح ۱۹۴۷ء میں حضرت محمد جعفر حسین قوال شہید نے ہمارے

بزرگوں کے اس جہادی سلسلہ کو مرید نکھارا اور آگے بڑھایا تھا، بعد میں ان کے متبعین اور خوشہ چینوں نے ان پر چھائی ہوئی خزاں کو بہار کی شبنم سے آبیاری کرنے کی کوشش کی ہے، کیا ہم ان تمام حضرات کی خدمات وکارناموں کو یکسر بھلا سکتے ہیں؟ کیا وہ عقیدت ومحبت کے کم سے کم گلدستے پانے کے لائق بھی نہیں ہیں؟ جی ہاں حق تو یہ ہے کہ ان پر عقیدت ومحبت کے جتنے بھی گلدستے نچھاور کئے جائیں تو بھی کم ہیں، ہم ان کے عقیدے ومسلک، فکر وجذبات، اولوالعزمی وعالی مشربی، قربانی وجان نثاری، اخوت ومحبت، پیار اور ہمدردی، عبادت وخدا ترسی، صبر وحق پسندی، فدائیت وللّٰہیت کو تہ دل سے سراہتے ہیں، اور ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی بلندیوں اور کرداری روشنیوں کو موجودہ لوگوں اور آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ اور معالم الطریق بھی سمجھتے ہیں۔

۱۹۴۲ء سے لے کر آج تک اس راہِ دعوت وعزیمت میں ہزاروں فدایان ملت وقوم نے اپنے بزرگوں کی طرح جان کے نذرانے پیش کئے، جن کی تفصیلات کے لئے ایک اکیڈیمی کے زیر سائے مرتب ہونے والا ایک موسوعہ کی ضرورت ہوگی، تحریکِ آزادی ارکان کے زیر سائے کام کرنے والے تمام مجاہدین وقائدین باشعور، زندہ دل اور مستقبل سے باخبر تھے، حقیقت میں یہ لوگ گفتار کے غازی نہ تھے، بلکہ کردار وعمل ان کی زندگی کا شیوہ بن چکا تھا، قربانی اور ایثار ان کی زندگی کا مقصد اصلی تھا، انہوں نے اپنے اسلاف کے کارناموں سے درس عبرت حاصل کیا، دعوت وجہاد اسلامی کو شیوۂ حیات بنایا، انہوں نے طاغوت کی غلامی اختیار کرنے کے بجائے خون کا متلاطم سمندر پار کرنے کو مناسب سمجھا تھا، ان لوگوں نے کسی بھی قسم کی غلامی کو قبول نہیں کیا، اسلام کی بقاء اور اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے لئے دل کو دہلا دینے والے طوفان سے مقابلے پر مقابلہ کیا تھا۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں سے بعض کوربین اور نادان افراد آج اپنے ان بزرگوں کے جمیع مثبت کارناموں کو منفی نظروں سے دیکھ رہے ہیں، حتی کہ چند افراد ایسے بھی نکلے ہیں کہ وہ نہ صرف جہاد وکفاح سے جی چراتے ہیں بلکہ انہیں برمیوں کی غلامی سے دلچسپی اور دل لگی اور طلب آزادی کی جدو جہد سے نفرت اور چھیڑ ہے، ان کے دل وضمیر کو اداسی اور نامرادی کی لت کھائی جا رہی ہے، انہوں نے قوم کی جائز چاہت وطلب کو جھانسہ دے کر دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرنے کو پسند کر لیا ہے۔

یہ بات جس بزرگ کی زبان یا قلم سے نکلی ہے بڑی سچی نکلی ہے کہ ایک قوم کی مذلت کو دو چار افراد کی

کوشش دور نہیں کر سکتی، اسے دور کرنے کے لئے پوری قوم کو پوری تیاری، مستعدی اور دل سوزی کے ساتھ اجتماعی انداز میں کوشش کرنی ہوگی، ایک قوم کی سب سے بڑی خطا یہ ہوتی ہے کہ وہ ظلم واستبداد، جبر وتشدد کے خلاف لڑنے اور حق کی آواز بلند کرنے سے دست بردار ہوجائے، چند افراد کے خون کے آنسو ایک قوم کی مظلومیت کے مقابل نہیں ہوسکتے، بلکہ مقابلہ کے لئے پوری قوم کی اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے، آج ارکان کے روہنگیا مسلمانوں کو اپنے بجھتے ہوئے چراغ کو بچانے کے لئے شعلوں سے ٹکر لینے والے جان سوز پروانوں کے خونِ جگر کی ضرورت ہے، جس کے بغیر خزاں کا مارا ہوا یہ گلستان شبنم بہار سے کبھی بھی آشنا نہیں ہوسکتا۔

ہمارے پچھلے بزرگوں کی خدمات وکارناموں کے حوالے سے راقم الحروف کا اتنا یقین ہے کہ ہماری قومی وملی زندگی میں جتنے دھارے بہہ گئے اور آج بھی ایک حیرت انگیز انداز میں بہہ رہے ہیں، سیاست وقیادت کے جتنے چشمے ابل پڑے، اور میدان کارزار میں جتنی پاک روحوں کے عزائم بیدار، جوں، اور دار ورسن کی کشاکش سے غیر متزلزل رہے، یہ بس ان بزرگوں کی قربانی، جاں سوزی، اخلاص وللّٰہیت اور فدائیت کا فیضان ہے۔

یاد رہے کہ غیرت مندوں اور غازیوں کے روشن کارناموں اور ان کے اثرات ونتائج کا صحیح صحیح اندازہ مقبوضات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، جشن وجلوس کی ہما ہمی، عیش وعشرت کا طرب ونشاط، تختوں اور تاجوں کی چمک دمک، تیر وتفنگ، نیزوں اور تلواروں کی جھنکار سے نہیں کیا جاسکتا، اس کا صحیح صحیح اندازہ ٹوٹی ہوئی تلواروں، بکھرے ہوئے خیموں، دہکتی ہوئی روحوں، دمکتے ہوئے چہروں اور بہتے ہوئے خون کے دریاؤں سے کیا جاسکتا ہے۔

اور یہ بھی اچھی طرح یاد رہے کہ ظالم کے ظلم وجبر، استبداد وستم رانیاں جتنی بھی تپاں کیوں نہ ہوں، مگر ہر طلوع کے پردے میں راز ہائے زوال مضمر ہوتے ہیں، دنیا میں آج تک صبح کو بلند ہونے والا تپاں سورج اپنے غروب کے دھیما پن سے عہدہ برآ نہیں ہوسکا، یہی حال ارکان کے مسلمانوں پر مظالم ڈھانے والوں کا ہوگا، انشاء اللہ۔

آج ہم ارکان کے روہنگیا مسلمان جن حالات کے شکار ہیں، اور ہماری قومی تحریک نے پچھلے چند سالوں سے جس قسم کی چھلانگ لگا رکھی ہے، اس میں امید کی کرنی بڑی دھیمی نظر آرہی ہے، جہاں تک

سیاست وقیادت کی دنیا میں قدم رکھ کر اندازہ کیا، اس کے پیش نظر ہمارے لئے یہ سوال بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ پچھلے چند سالوں سے روہنگیا مسلمانوں کی سیاست وقیادت کا قدم آیا منزل کی طرف بڑھ رہا ہے یا یہ میدان تیہ کی چکر کاٹنے میں مصروف؟ آیا روہنگیا مسلمانوں کی کہنے میں بڑی بڑی جماعتیں سیاست وانقلاب کے میدان میں اپنا واضح نصب العین جو غیر متزلزل ہو، متعین کرسکیں یا آئے دن اس حوالے سے غلطی پر غلطی کا مظاہرہ کررہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ جو قوم سیاست کے میدان میں ایک قدم بھی غلط اٹھا دیتی ہے، تو اس کی تقدیر کا قدم صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے، جس کا خمیازہ اس قوم کو نسلاً بعد نسل بھگتنا پڑتا ہے، اگر ہمارا اس طرح کا حال مزید باقی رہے گا تو آگے چل کر تباہیوں اور بربادیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا، اس لئے عرض ہے کہ ہمیں اپنے اگلے قدم کو جوش کے بجائے ہوش سے ڈالنا ہوگا، اللہ تعالی ہمیں توفیق سے نوازے۔

بہر حال ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ مایوسی ایک ایسی بیماری ہے جو قوموں کے جسم سے عزم و عمل کی ساری توانائیوں کو سلب کرلیتی ہے، مایوسی کی وجہ سے انسان کے جذبات حالات کی برفیلی پگڈنڈیوں میں ٹھٹھر کر رہ جاتے ہیں، ان کے اندر سے زندگی کی ساری امنگیں رخصت ہوجاتی ہیں، اور وہ مسلسل احساس کمتری میں مبتلا ہوکر بتدریج قعر مذلت میں گرجاتا ہے، اور جو قوم اپنی ذلت ونکبت پر راضی ہوکر جدوجہد کا دامن چھوڑ دیتی ہے، وہ قدرت کے تعاون سے محروم ہوجاتی ہے۔

اس لئے حالات جتنے بھی مایوس کن کیوں نہ ہوں، مگر اللہ تعالی کی ذات پر بھروسہ کرنا ہمارا فرض ہے، توکل اور صبر کے دامن تھامے ہمیں اپنے اندر از سر نو قوت مدافعت اور عزم وعمل کی توانائیاں لانی ضروری ہیں، اگر ہم نے اپنی رہی سہی صلاحیت واستعداد کو مستحکم کیا، تو یقین ہے کہ راستے کا کہرا ہمارے سروں سے جلد چھٹ جائے گا، جس سے ہمارے مستقبل کی راہیں روشن ہوجائیں گی، ہماری ترقی کا راستہ بڑی تیزی سے صاف ہوجائے گا۔

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ روہنگیا قوم ایک سعادت مند قوم ہے، جس کی تقدیر میں جہاد کا فریضہ لکھا گیا ہے، اور یاد رہے کہ سرزمین ارکان ایک ایسی سرزمین ہے کہ جو جنوب مشرق ایشیا کے لئے باب الاسلام کا درجہ رکھتی ہے، یہ زمین مستقبل میں ایک مضبوط اور غیر مسخر اسلامی گھاٹی میں تبدیل ہوسکتی ہے، اگر چاہے خدا کرے۔

بہر حال زیر نظر مجموعہ (تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے) ہماری آنے والی نسلوں کے لئے سعادت کی زندگی کا ایک پیغام ہے، جسے یادوں اور تذکاروں کا گل دستہ، آنسوؤں کا مالا، جان نثاروں کی روداد جان سپاری اور فدایانِ قوم وملت کی داستان الفت ومحبت کہا جا سکتا ہے، یہ مجموعہ ایک تاریخ تو نہیں، لیکن تاریخ کا احتجاج ضرور ہے، یہ مجموعہ فکری نظر بندوں کی کم نگاہی، مورخین یا تذکرہ نگاروں کا ماتم، سیاسی وانقلابی مجبوریوں کا نوحہ، پس ماندگان تحریک کا مرثیہ اور اسلامیاں ارکان کے جذبوں کا امین بھی ہے، اس مجموعہ میں جتنے بھی تذکرے ہیں تقریباً ہر ایک مختصر تجزیے پر مشتمل ہیں، مگر ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی درسگاہوں سے درس خود فراموشی کرنے والے جوانوں کو یہ علم ہو کہ ہم کیا تھے اور اب کیا ہو گئے، اور یہ سوچے کہ ہماری حالت ایسی کیوں کر ہو گئی ہے۔

اس مجموعہ میں شامل بیشتر ستاروں کے حالات و واقعات کو جمع کرنے میں بڑی بڑی مصیبتیں اٹھانی پڑیں، کوشش تو کی گئی، مگر غلطی کے امکانات بہت ہیں، پھر ممکن ہے کہ قارئینِ کرام کو اس میں کہیں کہیں جذبات کا عنصر بھی نظر آئے گا، تاہم اس حوالے سے ہم کسی بھی معذرت کو اس لئے ضروری نہیں سمجھتے کہ اس قسم کے موضوع پر قلم اٹھانا ہے تو جذبات سے بالکل برتر ہو کر اٹھانا امکانات سے نہیں ہے، لیکن یہ بھی وضاحت کی ضرورت ہے کہ یہ جذبات صرف اسلوب نگارش اور بیان احوال کی حد تک ہے، حقائق و واقعات کی استنادی حیثیت پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے، **ھذا و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد و آله و صحبه و سلم۔**

بیادِ رفتگاں دو چار آنسو
یہی اپنا یہ فریضہ رہ گیا ہے

خاکسار/

محمد طاہر جمال ندوی

۰۳/ دسمبر/ ۲۰۲۲ء

ابوالباصر صاحب، چوہدری، تمنگ چنگی

شمالی مغربی بوسیدنگ کے نامور زمیندار اور مدرسہ معین الاسلام تمنگ چنگ کی تاسیس کے دوران مالی تعاون و امداد کرنے والی شخصیت ومجاہد جناب ابوالباصر صاحب چوہدری ۱۹۰۷ء میں بستی تمنگ چنگ بوسیدنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے خاندان کو قدیم زمانے سے ایک زمیندار خاندان مانا جاتا ہے، چنانچہ وہ بھی اپنے زمانے میں ایک زمیندار کی حیثیت سے ملک بھر میں معروف تھے۔

چوہدری صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، بعد میں تعلیم کے سلسلے میں بنگال پھرا کیاب گئے تھے، لیکن درجۂ متوسطہ تک کی تعلیم پاکر اپنی خاندانی زمینداری میں مشغول ہو گئے، ساتھ ساتھ قومی سیاست سے بھی دلچسپی لینے لگے تھے۔

چوہدری صاحب نے ۱۹۴۲ء کے معرکہ/ قتالِ مگھ ومسلمان کے دوران مجاہدین اسلام کی قابل قدر جانی اور مالی امداد کی تھیں، آپ نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے اپنے علاقے سے مجاہدین کو مگھوں اور برمیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اکٹھا کیا، اور بنفس نفیس ان مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے جنرل میر احمد صاحب بانگونوی بوسیدنگی کی بڑی مدد کی تھی۔

شہر بوسیدنگ کی فتح کے بعد چوہدری صاحب پیس کمیٹی کے ممبر بنے، اگر چہ آپ کی تعلیم کم تھی، لیکن بڑے زیرک، ہشیار اور بہادر انسان تھے، کہتے ہیں کہ آپ کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی نے نہ صرف مجاہدین اسلام بلکہ فتح کے بعد شانتی کمیٹی کو بھی بڑا فائدہ پہنچایا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال صاحب کی قیادت میں جہاد کونسل کا اعلان ہوا تو چوہدری صاحب اس میں خفیہ طور پر شامل ہو گئے تھے، آپ نے جہاد کونسل کی وہ مدد کی جسے کبھی بھولے سے بھلایا نہیں جا سکتا، اس زمانے کے ایک سے زیادہ مجاہدین سے میں نے چوہدری صاحب کے متعلق پوچھا تو جواب ملا کہ وہ بظاہر حکومت وقت کے طرف دار تھے، گاہے گاہے زبانی حد تک برمی حکمرانوں کے گن بھی گا دیا کرتے تھے، لیکن بباطن وہ مجاہدین اسلام سے نہ صرف ملے ہوئے تھے بلکہ مجاہدین اسلام کے معاون اور مددگار بھی تھے۔

چوہدری صاحب بڑے نیک، مخلص اور علماء دوست انسان تھے، آپ نے اپنی زندگی کو قوم وملت کی خدمات میں گزار کر اپنے آبائی گاؤں میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ابوالحسین صاحب، کمانڈ، خائندہ فاروی، منگڈوی

جناب ابوالحسین صاحب ۱۹۱۷ء میں مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک عظیم درویش، عالم باعمل، مرشد برحق اور داعی الی اللہ تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں ارکانی قوم اور ملت اسلامیہ کی کافی خدمات کی تھیں۔

جناب ابوالحسین صاحب کا ایک خوش حال گھرانے کے نومولود ہونے کی وجہ سے بچپن بہت اچھی طرح گزرا، اور وقت آیا تو گاؤں کے مکتب میں مکتب نشینی ہوئی، یوں قرآن کریم اور دینیات کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پائی، کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو سرکاری اسکول میں داخلہ کرایا گیا، جہاں سے ایک اطلاع کے مطابق متوسطہ تک برمیز اور انگریزی میں تعلیم پائی تھی۔

جناب ابوالحسین صاحب طالب علمی کے زمانے سے کچھ انقلابی ذہنیت کے آدمی تھے، ہر وقت اپنے ہم نشینوں کے ساتھ ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نجات کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے، بعض احباب آپ کی تڑپ کو دیکھ کر کہتے کہ بھائی صاحب! آپ جو بات ہم سے کرتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ آپ آنے والے دنوں میں ارکانی مسلم انقلابیوں کے ساتھ جا ملیں گے۔

کافی ہوش سنبھالنے کے بعد موصوف مگھ برمیوں کی درندگی سے تڑپ کر رہ گئے، آخر کار غیرت دینی میں آ کر محمد قاسم بن عطاء الدین راجا سے رابطہ کیا اور ۱۹۴۸ء میں باضابطہ طور پر مجاہد پارٹی میں شامل ہو گئے تھے۔

مجاہد پارٹی میں شامل ہونے کے بعد آپ نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد کفار ومشرکین اور دشمنان قوم وملت کے خلاف لڑے جانے والے بڑے بڑے معرکوں میں شرکت کی، بہتوں درندوں کو سبق سکھایا اور بہتوں کو جہنم واصل کر دیا تھا، چنانچہ آپ کی ذہانت، معاملہ فہمی اور بہادری کو دیکھتے ہوئے قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک سیکشن مجاہدین کا کمانڈر بنایا تھا۔

جناب کمانڈر ابوالحسین صاحب نہایت حق پسند، صاف گو اور خوش طبع انسان تھے، ہمیشہ اپنے ساتھی مجاہدین کو خوش رکھنے کی کوشش کرتے تھے، ساتھ ساتھ بڑے غیور اور خوددار بھی تھے، کسی کے سامنے ناروا جھکنا آپ کو پسند ہی نہیں تھا، بیباکی اور سچائی آپ کی ذات میں بھری ہوئی تھی، ہمیشہ لوگوں کو سچائی کی تاکید کیا کرتے تھے، آخر کار آپ نے اپنے وطن میں وفات پا کر خاکِ وطن کو سینے سے لگا لیا ہے۔

ابوبکر صاحب، خائندہ فاروی، منگڈوی

جناب ابوبکر صاحب ۱۹۰۵ء میں بستی خائندہ فارہ منگڈو میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد جناب مرحوم اشرف علی صاحب ایک دین دار اور علماء دوست انسان تھے، اور والدہ بھی نہایت عابدہ خاتون تھی۔

جناب ابوبکر صاحب کی ابتدائی تعلیم آبائی بستی میں اور متوسطہ کی تعلیم منگڈو میں ہوئی، اس کے بعد اگرچہ مزید تعلیم کے لئے اکیاب گئے ہوئے تھے لیکن آپ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ملی تھی، آپ کی تعلیمی زندگی کے متعلق جہاں تک معلوم ہوا کہ آپ کی تعلیمی زندگی ایک طرف مجاہدانہ تھی تو دوسری طرف منصفانہ اور قائدانہ بھی، تعلیمی زمانے میں بھی آپ جہاں بھی ہوتے اپنے ہم نشینوں کو جہاد اسلامی کی طرف توجہ دلایا کرتے تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے وزارت مواصلات میں پوسٹ مین کی نوکری لی، اس منصب پر رہتے ہوئے آپ نے مختلف النوع قومی اور ملی خدمات انجام دی تھیں۔

جناب ابوبکر صاحب نے ۱۹۴۲ء کی لڑائی میں بھر پور حصہ لیا، منگڈو سے تیار ہونے والے بڑی تعداد کے مجاہدین کی قیادت کی اور اپنے مال اور جان کو داؤ پر لگا کر دشمنان اسلام مگھ برمیوں پر تابڑتوڑ حملہ کیا، کہتے ہیں کہ اس معرکہ میں آپ نے جو کارنامہ دکھایا اس سے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ آپ ایک جانباز، نڈر اور جری مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔

بوسیدنگ کی فتح کے بعد شمالی مغربی ارکان میں پیش کمیٹی نامی انجمن کا قیام ہوا تو جناب ابوبکر صاحب اس میں بحیثیت رکن شامل ہوئے، علاوہ ازیں آپ جمعیت علمائے شمالی ارکان کے بھی رکن رکین تھے۔

۱۹۵۰ میں برمی وزیر اعظم مسٹر اونو نے شمالی ارکان کا دورہ کیا تو جناب ابوبکر صاحب وزیر اعظم سے ملاقات کرنے والے وفد میں شامل ہوئے، اس وفد نے وزیر اعظم سے ملاقات کی اور ان کے سامنے ایک میمورنڈم بھی پیش کیا، جس میں بطور خاص برمی ٹریٹوریل فورسس (BTF) کی شکایات کیں، مگھ اور برمی درندوں کے ظلم وستم کے بارے میں وزیر اعظم کو فریاد کی شکل میں آگاہ کیا، ساتھ ہی ساتھ ۱۹۵۰ء کے دوران بی ٹی ایف کے مظالم کی وجہ سے ہجرت کر جانے والے روہنگیا مہاجرین کی واپسی کا پرزور مطالبہ بھی کیا تھا۔ بالآخر جناب ابوبکر صاحب نے اپنی زندگی میں ملت وقوم کی بھر پور خدمات کرتے ہوئے انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ابوالقاسم صاحب، فندوفرانگی، بوسیدنگی

جناب ابوالقاسم صاحب ۱۹۰۷ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی فندوفرانگ میں پیدا ہوئے، آپ ایک متمول گھرانے کے چشم و چراغ تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب خدمت خلق کے حوالے سے علاقے بھر میں مشہور و معروف تھے، علمائے کرام سے خاص لگاؤ رکھتے تھے۔

مکتب نشینی کے بعد ابوالقاسم صاحب نے ایک عالم دین سے ناظرۂ قرآن کریم اور دیگر ضروری اسلامی علوم سیکھے، اس کے بعد علاقے کے مدرسے سے متوسطہ تک کی تعلیم پائی، اعلیٰ تعلیم کا آپ کو بہت شوق تھا، لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر اعلیٰ تعلیم کا حصول ممکن نہیں ہوسکا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ابوالقاسم صاحب گھر کے کام کاج میں مصروف ہوگئے، ساتھ ہی ساتھ بستی کے انتظامی امور اور سماجی کاموں میں بھی دلچسپی لینے لگے، کہتے ہیں کہ آپ طبیعتاً سماجی انسان تھے، ویسے لوگ آپ کو بہت پسند کرتے تھے، آپ کے مزاج میں گرمی کا شائبہ تک نہیں تھا، لوگوں سے محبت کرنا گویا آپ کی فطرت تھی، جھوٹ اور فریب سے بڑے متنفر تھے۔

جناب ابوالقاسم صاحب ایک مرد مجاہد بھی تھی، ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا کے دوران آپ نے شمالی بوسیدنگ سے تیار ہونے والے مجاہدین میں شامل ہوکر کفار و مشرکین کے خلاف جہاد میں بھرپور حصہ لیا، ویسے آپ نے مجاہدین کے ساتھ مل کر ہزاروں روہنگیا مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو بچائی تھی، جناب مرحوم عبدالمجید چوہدری صاحب معروف بہ لنگڑا راجا بوری چنگی (جوان مجاہدین کے قائد تھے) آپ کی دیانت اور وفاداری کے ہمیشہ گن گایا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء کے ہنگامے کے اختتام پر پیس کمیٹی کی بنیاد پڑی تو جناب ابوالقاسم صاحب انجمن بوسیدنگ کے رکن چن لئے گئے، اس انجمن میں رہ کر آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۴۵ء کے دوران برطانوی حکومت نے دوبارہ ارکان پر قبضہ کیا تو آپ بظاہر برطانوی حکومت کے طرف دار رہے، آپ کے مطابق وہ اس لئے بھی ہے کہ مگھ وحشی اور برمی درندوں کے مقابلے میں برطانوی حکومت بہتر ہے۔

جناب ابوالقاسم صاحب ہمیشہ تعلیم پر زور دیا کرتے تھے، چنانچہ اس حوالے سے بھی علاقے میں آپ کی نمایاں خدمات تھیں، بالآخر آپ نے اپنے وطن میں انتقال کیا، اپنی بستی کی قبرستان میں مدفون ہیں۔

ابوجمال صاحب، وکیل فاروی

جناب ابوجمال صاحب ۱۹۵۲ء میں وکیل فارومنگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب یوں تو بالوخالی شمالی منگڈو کا باشندہ تھے، لیکن بعد میں منگڈو شہر میں منتقل ہوکے زندگی وہیں گزار دی تھی، جو نہایت متقی اور خدمت خلق کے حوالے سے یکتائے روزگار انسان تھے۔

جناب ابوجمال صاحب کی ابتدائی تعلیم وکیل فارہ میں ہوئی، اس کے بعد منگڈو کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، متوسطہ وہیں پڑھ کر منگڈو ہائی اسکول سے میٹرک پاس کیا، بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے رنگون گئے، اور پسین ڈگری کالج سے ۱۹۷۴ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کی، تعلیم کے دوران آپ روہنگیا یوتھ آرگنائزیشن (RYO) کے کارکن رہے، اور ہر حالت میں ارکانی مسلمانوں اور روہنگیا طلباء کی بہبودی کی کوشش میں مگن رہے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۷۵ء میں ابوجمال صاحب زیر زمین چلے گئے، ارکان بنگلا دیش کے سرحد میں زیر زمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوکر مگھ برمی درندوں کے خلاف ہتھیار بند ہوگئے، ایک طویل مدت تک اس میں رہتے ہوئے ملت عزیز پر ہونے والے مظالم کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔

۱۹۷۸ء کے دوران روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں پھوٹ پڑی تو ابوجمال صاحب نے اس میں یک جہتی پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کی، بالآخر آر پی ایف سے بعض لوگوں نے منہ پھیر لیا تو آپ پریشان ہوکر متحدہ عرب امارات چلے گئے، جہاں آپ نے زندگی کا آخری دم لیا۔

باوجودیکہ آپ متحدہ عرب امارات چلے گئے تھے، لیکن زندگی کے آخری سانس تک ملت عزیز ارکان کی نجات اور بہبودی کے لئے مرمٹتے رہے تھے، ۱۹۹۱ء میں روہنگیا مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد نے ترک وطن کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی تو آپ دوبارہ گرج اٹھے، دراں حالیکہ برما بنگلا دیش کے مابین ان مہاجرین کے حوالے سے ایک معاہدہ ہونے جارہا تو جناب ابوجمال صاحب نے متحدہ عرب امارات پریس میں نامہ نگاروں کے سامنے ایک زوردار بیان دیا، جس میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ ۱۹۸۸ء میں حکومت بنگلا دیش نے روہنگیا مسلمانوں سے ایک مرتبہ بے وفائی کی تھی، اور اب ۱۹۹۲ء میں یہی بے وفائی دوبارہ کی جارہی ہے، اس بیان کے بعد عرب امارات میں متعین بنگلا دیشی کونسل

خانہ نے آپ کو پکڑوانا چاہا،لیکن اللہ تعالی نے آپ کومحفوظ رکھا تھا۔

۱۹۹۸ء کے اواخر میں ارکان کے حوالے سے میدان عمل و تطبیق میں کام کرنے والی تمام جماعتوں نے متحد ہوکر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) بنیاد رکھی تو آپ بڑے خوش ہوئے،اوراس تنظیم کی حمایت کرتے ہوئے اس جماعت کے پرچم تلے کام کرنے کا عندیہ دیا تو ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کے لیڈروں نے آپ سے ملاقات کی،جس کے نتیجے میں آپ باضابطہ طور پر اس میں شامل ہوگئے تھے۔

۱۹۹۹ء میں ابو جمال صاحب ARNO کی مرکزی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے،آپ کو تنظیم کی طرف سے متحدہ عرب امارات کا سفیر چنا گیا تھا،لیکن قدرت کو اور کچھ منظور تھا کہ آپ کو ۲۰۰۰ء میں دل کا دورہ پڑا،جس کی وجہ سے آپ ہسپتال میں طویل مدت تک اکسیجن میں رہتے ہوئے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے،اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو جاننے والے تمام لوگوں کا کہنا ہے کہ جناب ابو جمال صاحب بڑے زیرک، ہشیار، جری اور دوراندیش لیڈر تھے،ارکانی مسلمانوں کی نجات اور ملت عزیز ارکان کی بہبودی کے لئے مرمٹنے والے ایک مخلص انسان بھی،اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے،آمین۔

ابوسعید صاحب،کونسلر، ماسٹر،مصنف،صاحب بازاری

جناب ماسٹر ابوسعید صاحب کی ولادت ۱۹۱۹ء میں صاحب بازار، بوسیدنگ میں ہوئی،آپ کے والد صاحب ایک اطلاع کے مطابق نہایت دین دار اور خداترس بزرگ تھے،اور والدہ ماجدہ بھی ایک پاکباز خاتون تھی۔

جناب ماسٹر ابوسعید صاحب کا ایک دیندار گھرانے کے نومولود ہونے کی حیثیت سے بچپن بڑے آن بان سے گزرا،مکتب نشینی کے بعد گاؤں کے مکتب میں ناظرۂ قرآن کریم اور کچھ دینیات کی تعلیم حاصل کی، کچھ بڑے ہوئے تو تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں داخلہ کرایا گیا، جہاں سے موصوف نے اردو میں ساتویں جماعت تک کی تعلیم پائی تھی۔

آپ فراغت تعلیم کے بعد چند سال تک ایک طرف گھر کے کام کاج میں مشغول رہے تو دوسری طرف اسکول میں استاد بھی رہے تھے، بعد میں حضرت مولانا محمد جعفر حسین قوال کی قیادت والے جہاد کی دعوت کان پڑی تو جہاد کے لئے تیار ہوکر جہاد کونسل میں شامل ہوگئے،آپ نہایت ذہین اور معاملہ فہم تھے، چنانچہ چند دن گزرتے نہ گزرتے آپ کو جہاد کونسل میں کونسلر بنایا گیا تھا۔

آپ نے جہاد کونسل میں بحیثیت کونسلر بڑی بڑی خدمات انجام دیں، چونکہ آپ ایک پاکباز اور حق گو اور عابد انسان تھے تو لوگ آپ پر خاصے اعتماد کرتے تھے، جہاں بھی دعوت کے کام کے لے گئے تھے وہاں آپ کی دعوت کو لوگوں نے لبیک کہا تھا،اور ہر ایک نے آپ کی عرض وگزارش سے اپنی جان ومال راہ خدا میں قربان کردیئے تھے۔

ماسٹر ابوسعید صاحب نے جہادی موومنٹ کے حالات اور واقعات پر کوئی دیڑھ سو صفحات پر مشتمل ایک قابل قدر رسالہ بھی لکھا ہے، جسے آپ نے اپنی زندگی میں چھپوانے کی تگ ودو تو کی لیکن ہر ممکن کوششوں کے باوجود طبع نہیں ہوسکا، یہ رسالہ اب میرے پاس موجود ہے،اس رسالہ کو میں نے ازسرنو ترتیب دے کر ایک تعارف اور ایک مقدمہ کے ساتھ طباعت کے لئے تیار کیا، انشاء اللہ کسی بھی فرصت پر زیور طباعت سے آراستہ ہوجائے گی۔

جناب ماسٹر ابوسعید صاحب ایک مرد مجاہد ہونے کے ساتھ نہایت خلیق اور متقی انسان تھے، جہاد کونسل کی بربادی کے بعد آپ مدتوں روپوش رہ کر ایک روایت کے مطابق ۱۹۸۸ء میں انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالی مغفرت فرمائے۔

ابوصدیق صاحب، کمانڈر، کیانگ بنگی، منگڈوی

ہماری تحریک آزادیٔ ارکان کے معروف کمانڈر جناب ابوصدیق صاحب ۱۹۱۷ء میں شمالی منگڈو کی بستی کیانگ بنگ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک عابد اور نیک انسان تھے، اور والدہ ماجدہ بھی ایک اطلاع کے مطابق بڑی عابدہ و پارسا خاتون تھی۔

ابوصدیق صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، متوسطہ تک کی تعلیم سرکاری اسکول میں پائی تھی، کافی ہوش سنبھالا تو دیکھا کہ برمی غاصب حکومت مگھوں کی شمولیت میں مسلمانوں کو ارکان سے نکال باہر کرنے کی کوششیں کررہی ہے، تو غیرت میں آکر آپ جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہوگئے تھے۔

ابوصدیق صاحب ۱۹۵۰ء میں محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی قیادت میں چلنے والی جہادی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے، عسکری تربیت کے بعد آپ نے مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں کہیں بھی آپ نے محاذ آرائی کی، فتح وکامرانی نے آپ کا قدم چوما، چنانچہ چند مہینے کے بعد جناب راجا صاحب نے آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنایا، یہاں سے آپ کمانڈر ابوصدیق مشہور ہوگئے تھے۔

جہاد اسلامی کے حوالے سے جناب کمانڈر ابوصدیق صاحب کی بڑی بڑی خدمات کی روایات ملتی ہیں، آپ بڑے ذہین وفطین ہونے کے ساتھ بڑے غیور، نڈر اور بہادر تھے، علاوہ ازیں جہاد کے متعلق معاملہ فہمی میں بھی یکتائے روزگار مانے جاتے تھے۔

بالآخر جہاد کونسل اور مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد جناب ابوصدیق صاحب نے ایک علیحدہ گروپ کی قیادت کی، ۱۹۶۶ء میں آپ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ابھرنے والی تنظیم روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) سے معاہدہ کرکے اس موخرالذکر تنظیم میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے تھے۔

محمد جعفر ثانی اور ان کی تنظیم کی تباہی کے بعد جناب ابوصدیق صاحب نے اور ایک الگ دھڑا کی قیادت سنبھالی، اور میدان کارزار میں کام کرتے رہے، ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میدان کار زار میں از سرنو اتری تو جناب ابوصدیق صاحب نے اپنے پاس کے تمام ہتھیار اس کا حوالہ کردیا تھا۔

آپ بڑے بہادر، دل جلے، دانا، بینا، ہشیار مجاہد فی سبیل اللہ تھے، آپ نے اپنی زندگی میں بہادری اور ہشیاری کا داغ کم سے کم مجاہدین کے دل ودماغ میں چھوڑا، آج بھی لوگ آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، آپ نے بنگلا دیش میں وفات پائی، اللہ تعالی آپ کو رحم کرے۔

ابن امین صاحب، ماسٹر، کھاری فاروی، منگڈوی

جناب ابن امین صاحب موضع کھاری فارہ، منگڈو میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک درویش صفت انسان تھے، وہ عالم تو نہیں تھے، لیکن ان کا وضع قطع عالموں جیسا تھا، ہر وقت علمائے کرام سے لولگائے رہتے تھے، علاوہ ازیں طلباء سے نہایت شفقت کرتے تھے۔

مکتب نشینی کے بعد جناب ابن امین صاحب نے عصری علوم کی تعلیم منگڈو میں پائی، موصوف نے برمی زبان کے علاوہ اردو اور انگریزی زبانیں بھی اچھی طرح سیکھیں، فراغت تعلیم کے بعد آپ برمیز اسکول کے استاد مقرر ہوئے، خاص طور پر جغرافیہ پر آپ کی خاص نظر تھی، اس فن میں آپ استاد زمان مانے جاتے تھے، طلباء آپ پر جان چھڑکتے تھے۔

آپ ان حضرات میں سے ایک تھے کہ جنہوں نے اس علاقے میں سب سے پہلے برمیز تعلیم کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی تھی، ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ یہاں کے لوگ برمی زبان سے بڑی نفرت کرتے تھے، جس طرح ہندوستان میں انگریزوں کے دور اول میں مسلمان انگریزی سے نفرت کرتے تھے، جس طرح علی گڑھ یونیورسٹی کے قیام سے پہلے مسلمانوں میں یہ نفرت برقرار تھی، ٹھیک اسی طرح ارکان میں بھی شاید علمائے کرام کی چھاپ سے ہو کہ یہاں کے لوگ برمی زبان سے نفرت کرتے تھے، خود میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ خدا کے ایک بندہ نے مسجد کے اندر برمی زبان میں بات کی تو مسجد کے خطیب صاحب نے چلا کر بولا کہ مسجد ناپاک ہوگئی ہے، اسے دھوڈالو!۔

عالم شباب میں ابن امین صاحب پر تصوف کا غلبہ ہوگیا تھا، آپ نے حضرت مولانا عبدالجبار صاحب معروف بہ فقیر مولوی صاحب سعداللہ سری سے نسبت قائم کی، آپ نے حضرت مولانا کے مبارک ہاتھ پر بیعت کی، فقیر مولوی صاحب آپ کو بہت محبت کرتے تھے، جبھی آپ منگڈو تشریف لاتے تو آپ کے گھر میں قیام کرتے تھے، ایک روایت کے مطابق حضرت نے آپ کو زبانی خلافت بھی دی تھی۔

ماسٹر ابن امین صاحب اپنے والد بزرگوار کی طرح بڑے دیندار اور پرہیزگار انسان تھے، علماء سے رشتہ جڑے رکھتے تھے، باوجودیکہ آپ ایک ضابطے کے عالم نہ تھے، لیکن علماء کو اتنی محبت کرتے تھے کہ گویا وہ سب آپ کے مرشد ہیں، اللہ تعالی نے آپ کی عمر میں برکت دی، طویل عمر پانے کے بعد آپ نے ۱۹۹۲ء میں وفات پائی، خاک وطن میں مدفون ہیں۔

ابوطالب، ڈاکٹر، منگنما فاروی، بوسیدنگی

جناب ابوطالب بن فضل احمد کی ولادت ۱۹۴۰ء میں منگنما فارہ بوسیدنگ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم مکتب میں پائی، ۱۹۵۰ء میں بوسیدنگ ٹاؤن کے ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے اور اسی ہائی اسکول سے ۱۹۵۴ء میں چوتھی جماعت پاس کر کے اسکالر شپ حاصل کی، پھر اسی اسکول سے ۱۹۵۷ء میں ساتویں جماعت پاس کر کے پھر اسکالرشپ حاصل کی، ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۰ء تک دوسال پری میڈیکل اسکول آف چوکپرو میں تعلیم حاصل کرتے رہے (یادرہے کہ چوکپرو کا یہ میڈیکل اسکول اس وقت اسی موضوع پر واحد اسکول تھا، دوسالوں کے اختتام پر جب امتحان لیا گیا تو اس پورے اسکول سے صرف آپ نے پاس کیا تھا) اس کے بعد ۱۹۶۱ء میں آپ اکیاب کے اسکول میں بھرتی ہوئے، وہاں سے ۱۹۶۲ء میں مٹرک پاس کیا، ۱۹۶۲ء کے اواخر میں آپ دوبارہ چوکپرو جاکر وہاں کے کالج میں بھرتی ہوگئے تھے۔

جناب ابوطالب صاحب چوکپرو کالج میں ''مسلم اسٹوڈنٹ لیگ'' کے نائب صدر رہے، ۱۹۶۲ء میں جب جنرل نیون نے تخت حکومت پر قبضہ کر کے تمام جماعتوں کو کالعدم قرار دیا تو آپ کے لئے ارکان کی زمین تنگ ہوگئی، چنانچہ آپ وہاں سے فرار ہوکر رنگون پہنچے، مگر حکومت کے غنڈے وہاں بھی آپ کو تلاش کرتے رہے تو آپ نے جان بچا کر تونجی سے ہوتے ہوئے مگو کے مقام پر پہنچے، جہاں آپ نے دوسال تک قیام کیا تھا۔

آپ ۱۹۶۴ء کے اواخر میں رنگون آکے وہاں ورکرز کالج میں بھرتی تو ہوگئے، لیکن پڑھنا نصیب نہیں ہوا تھا، اس کے بعد ۱۹۶۵ء میں ارکان آکے زیر زمین کام کرنے والی روہنگیا تنظیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہوگئے تھے۔

جناب ابوطالب صاحب ایک طرف خفیہ طریقے سے ریف کے کام کرتے رہے تو دوسری طرف ذریعۂ معاش کے بطور حکومت کے کام میں بھی مشغول ہوگئے تھے، قومی سطح پر جب ریف کی سرگرمی بڑھ گئی تو آپ نے اپنی تنظیم کے لئے جان و مال اور زندگی کو وقف کر دیا تھا، حتی کہ تنظیم کے حکم سے آپ ارکان آزاد فوج (روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی) میں شامل ہوگئے، جس میں آپ نے مختلف جہادی سرگرمی میں حصہ لیا، اور جتنا بھی حصہ لیا بہت خوب حصہ لیا تھا۔

۱۹۷۰ء میں جناب ابوطالب صاحب مشرقی پاکستان آکے چاٹگام میں قیام کیا، ۱۹۷۳ء میں جب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل ہوئی تو آپ اس جہادی قافلے میں شامل ہوگئے، جہاں آپ مدتوں تک کام کرتے رہے، اس تنظیم میں آپ نے اپنے فن طب سے مجاہدین کی زبردست خدمات انجام دی تھیں، آپ محمد جعفر حبیب کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے۔

۱۹۸۴ء میں جناب ابوطالب صاحب حج کی نیت سے حجاز مقدس پہنچے، یادرہے کہ حجاز میں رہتے ہوئے محمد جعفر حبیب کے انتقال ۱۹۸۷ء تک روہنگیا فدائین محاذ سے وابستہ رہے، وہاں بھی آپ نے اپنے طریقے سے قومی خدمات انجام دیں، آپ ۱۹۸۴ء کے دوران لجنۃ برماویۃ کے ممبر بھی رہ چکے تھے۔

جناب ابوطالب صاحب سے مکہ مکرمہ میں میری متعدد بار ملاقاتیں رہیں، بڑے مدبر، با اخلاق اور سنجیدہ انسان نظر آئے، آپ نے ۲۰۰۸ء میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا اور جنت المعلی میں آسودۂ خاک ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احمد حسین، سرپرست مجاہدین، گولونگی، منگڈو

سرپرست مجاہدین اور مشہور سخی زمیندار جناب احمد حسین صاحب ۱۹۰۸ء میں موضع گولونگی شمالی منگڈو میں ایک کاشتکار اور زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد گرامی بھی اس علاقے میں ایک زمیندار ہونے کے ساتھ مشہور سخی انسان تھے، وہ دین دار ہونے کے ساتھ خدمت خلق کے حوالے سے یکتائے روزگار مانے جاتے تھے۔

جناب احمد حسین صاحب کی مکتب نشینی اپنے آبائی گاؤں کے ایک خدا ترس مولوی صاحب کے پاس ہوئی، اس کے بعد آپ نے ابتدائی تعلیم علاقے کے ایک مدرسہ میں پائی، آپ کو اعلی تعلیم کا نہایت شوق تھا، لیکن ملک کے ناسازگار حالات کی وجہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا آپ کے لئے ممکن نہیں ہوسکا، کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے سے آپ ایک ذہین وفطین طالب علم کی حیثیت سے مشہور تھے۔

۱۹۴۷ء کے اواخر میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی سرکردگی میں جہاد کونسل کا اعلان ہوا تو جناب احمد حسین صاحب کے کان جہاد کے لئے کھڑے ہوگئے، ۱۹۴۸ء میں مجاہدین کے ایک قافلے کے ساتھ محمد جعفر حسین قوال گولنگی پہنچے تو جناب احمد حسین صاحب دعوت جہاد کو لبیک کہتے ہوئے اس قافلۂ جہاد میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے تھے۔

جناب احمد حسین صاحب نہایت ذہین اور خاصے معاملہ فہم مشہور تھے، جہاد کونسل کے بڑے بڑے قائدین اور اراکین آپ کی معاملہ فہمی پر ششدر ہوجاتے تھے، جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب آپ کو بہت ہی عزت اور توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، وہ کسی بھی مشکل امور میں آپ کی ذہانت اور تجربات سے کونسل کے حق میں فائدے اٹھاتے تھے، علاوہ ازیں آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح نہایت سخی منش تھے، آپ نے بہتوں رقوم اور اپنی ذاتی املاک سے جہاد کونسل کی مدد کی، چنانچہ ایک طویل مدت تک آپ کونسل کے سامان رسد کے ذمہ دار بھی رہ چکے تھے۔

۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت کے بعد آپ کو جہاد کونسل کی مجلس سرپرستگان کا ممبر چنا گیا تھا، آپ ہر حال میں جہاد کونسل کی بھلائی اور کامیابی کے خواستگار رہتے، ہمیشہ اپنے اموال و املاک کو راہِ خدا میں لٹاتے رہے تھے، آپ جہاد کونسل کی تباہی تک اس میں مسلسل خدمات انجام دیتے رہے، کونسل کی تباہی کے بعد روپوشی کی حالت میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، اور اپنے وطن میں آسودۂ خاک ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

احمد کبیر، حاجی، نلبنیہ وی، منگڈوی

الحاج جناب احمد کبیر صاحب بن الحاج بدیع الرحمن صاحب جنوبی منگڈو کی بستی نلبنیہ میں ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک زمیندار اور صاحب ثروت آدمی تھے، جنہوں نے اپنی زندگی میں اپنی دولت کے ذریعے قوم کی خدمات انجام دی تھیں۔

الحاج جناب احمد کبیر صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں میں ہوئی، بعد میں منگڈو کے اسکول سے ساتویں جماعت تک کی تعلیم پاکر نجی تجارت کی راہ لی، آپ اپنے بڑے بھائی اور ایک زمانے میں منگڈو کے سب سے نامور مالدار جناب عبد المناف کمپنی کے ہاتھ بٹاتے رہے، ایک زمانے میں ان بھائیوں نے منگڈو شہر میں ایک بیڑی کمپنی قائم کی تھی، جس میں احمد کبیر صاحب کے کردار نمایاں تھے، حتی کہ یہ کمپنی ایک زمانے میں ارکان کی سب سے بڑی بیڑی کمپنی کی حیثیت سے مشہور تھی، کہتے ہیں کہ اس کمپنی کی شہرت میں جناب احمد کبیر صاحب کا بڑا ہاتھ تھا۔

۱۹۶۲ء کے بعد برمی حکومت پر فوج کا اقتدار مستحکم ہوگیا تو آپ پر فوجی حکومت کی طرف سے آگ برسنی شروع ہوگئی تھی، ویسے آپ ترک وطن پر مجبور ہوگئے تھے، ترک وطن کے بعد آپ پہلے پہلے ٹیکناف میں مقیم تھے، جہاں اس زمانے میں ٹیکناف میں گویا مگھ زمینداروں کی حکومت تھی، آپ نے یہاں کے قیام کے دوران مقامی لوگوں سے مل کر مگھ زمینداروں کی بالادستی ختم کردی تھی۔

بعد ازاں ٹیکناف میں آپ پر برمی حکومت کی سازش کی آگ برسنی شروع ہوگئی تھی، برمی حکومت نے چند چیلوں کے تعاون سے یہاں بھی آپ کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیا تھا، بالآخر آپ یہاں سے منتقل ہوکر چاٹگام جا بسے تھے، چاٹگام میں آپ نے نجی تجارت شروع کی، اللہ تعالی نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت دی، چنانچہ یہاں بھی آپ ایک مالدار انسان کی حیثیت سے مشہور ہوگئے تھے۔

الحاج احمد کبیر صاحب چاٹگام میں رہ کر ارکان کے حوالے سے زیر زمین کام کرنے والوں سے ہر ممکنہ تعاون کرتے رہے، آپ نے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کو بھرپور مالی مدد کی، ساتھ ساتھ آپ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے وابستہ ہوکر سماجی کام بھی کرتے رہے تھے، بالآخر ایک طویل مدت تک قوم وملت کی خدمات انجام دیتے ہوئے ۳/ نومبر/ ۱۹۸۳ء میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ ایک دردمند اور دیندار انسان تھے، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

اسدعلی صاحب،کونسلر،کمانڈر،نارائن چنگی

کمانڈر جناب اسدعلی صاحب ۱۹۱۶ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی نارائن چنگ میں ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے،آپ کے والد صاحب ایک شریف اور سخی انسان کی حیثیت سے علاقے بھر میں معروف تھے،اور والدہ بھی ایک نیک سیرت خاتون تھی۔

مکتب نشینی کے بعد جناب اسدعلی صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں پائی،بعد میں تنگ بازار مڈل اسکول میں داخلہ لیا،وہیں سے اردو کی پانچویں جماعت تک کی تعلیم پائی،طالب علمی کے زمانے سے آپ ایک ذہین وفطین مشہور تھے،علاوہ ازیں انقلابی ذہنیت رکھنے کی وجہ سے ہر ایک طالب علم آپ کو عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

پانچویں جماعت تک تعلیم پانے کے بعد جناب اسدعلی صاحب گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے،ہر حال میں والدین کے ہاتھ بٹاتے رہے،اس حالت میں ۱۹۴۸ء کے اواخر میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی قیادت میں ابھرنے والی جماعت ''جہادکونسل'' کی طرف سے دعوت جہاد ملی تو آپ جہاد کونسل میں شامل ہو گئے تھے۔

ابتداء میں جناب اسدعلی صاحب ایک عام مجاہد کی حیثیت سے کام کرتے رہے،لیکن چند مہینے گزرتے نہ گزرتے آپ کی قابلیت وصلاحیت کو دیکھ کر آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنایا گیا،پھر اگلے چند مہینے کے بعد آپ کو جہادکونسل کے ایوان زیرین کا ممبر (کونسلر) چن لیا گیا تھا۔

جناب اسدعلی صاحب ایک دین دار،متقی اور دل دار اور جان سوز آدمی تھے،نماز باجماعت کے نہایت پابند ہونے کے ساتھ باضابطہ تہجد گزار بھی تھے،نماز کا وقت ہو گیا تو آپ کسی بھی عذر کو قریب آنے نہیں دیتے تھے،علاوہ ازیں آپ ایثار وقربانی کا حسین پیکر تھے۔

جہادکونسل میں جناب اسدعلی صاحب کی بڑی بڑی خدمات تھیں،آپ نام ونمود،غفلت شعاری اور ریاکاری سے شدید متنفر تھے،جہادکونسل میں کسی قسم کی افراتفری سے آپ بڑے نالاں اور برگشتہ خاطر ہو جاتے تھے،ہر حال میں اتحاد واتفاق پر زور دیا کرتے تھے،آپ نے جہادکونسل میں ۱۹۶۱ء تک خدمات انجام دیں،کونسل کی تباہی کے بعد آپ اپنی بستی میں واپس ہو گئے،جہاں ایک طویل عمر گزارنے کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا،اور خاکِ وطن میں آسودۂ خاک ہوئے۔

اظہار میاں صاحب ایم پی،کمانڈر انچیف،پکتوفرانگی

محترم جناب اظہار میاں بن خلیل الرحمن صاحب دور آخر میں علاقۂ تنگ بازار سے پیدا ہونے والے بہت اعلی درجہ کے انسان ہیں،قومی سیادت وقیادت کے حوالے سے آپ کی بڑی بڑی خدمات ہیں،جن کے احاطے کے لئے طول طویل مضامین کی ضرورت ہے۔

جناب اظہار میاں صاحب کی ولادت ۱۹۳۶ء میں پکتوفرانگ تنگبازار میں ہوئی،ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم تنگ بازار میں پائی،گاؤں کے مکتب سے قرآن کریم کے ناظرہ اور دینیات کی کچھ تعلیم پاکر ۱۹۵۲ء میں بوسیدنگ ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا،اس کے بعد ملی وقومی سیاست سے وابستہ ہو گئے،آپ سلطان محمود اکیابی مرحوم (سابق وزیر صحت آف برما) کے نہ صرف حامی بلکہ ان کے بہت ہی قریبی جان نثار ساتھیوں میں شمار تھے۔

۱۹۵۶ء میں برما کے عام انتخابات میں اظہار میاں صاحب شمالی بوسیدنگ کے حلقے سے کامیاب ہو گئے تھے،مقابلہ آپ کے ساتھ اڈووکٹ ناصرالدین المعروف پھوکائن سے ہوا تھا،آپ کامیاب ہوئے تو ناصرالدین صاحب نے آپ کے خلاف دھاندلی کا الزام تراشتے ہوئے مقدمہ دائر کردیا،چنانچہ عدالت نے آپ کی کامیابی کو دھاندلی کا نتیجہ قرار دے کر اس حلقے کے انتخابات کو کالعدم قرار دیا لیکن چند مہینے کے بعد اڈووکٹ ناصرالدین پھوکائن اور سلطان محمود اکیابی صاحب کے درمیان پھر سے انتخابی مقابلہ ہوا تو اب کی بار بھی ناصرالدین ناکام ہو گئے اور سلطان محمود کامیاب ہو گئے تھے۔

اظہار میاں صاحب روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے ابتدائی ممبروں میں سے ایک تھے،اس تنظیم کے زیر سائے آپ نے بڑی بڑی قومی خدمات نبھائی تھیں،۱۹۶۹ء میں آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ ہو گئی تو آپ نے بنگلہ دیش میں پناہ لی،غالبا روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے سینئر اراکین میں آپ بھی شامل تھے،۱۹۸۵ء کے دوران روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں آپ مجلس عاملہ کے ممبر تھے،ساتھ ہی ساتھ عرصہ دراز تک اس تنظیم کے سپہ سالار بھی رہ چکے تھے،۱۹۹۵ء کے دوران آرایس او میں اختلافات کی وجہ سے دھڑے پڑ گئے تو آپ نے پروفیسر محمد زکریا والے گروپ کا ساتھ دیا تھا۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو آپ پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر پھر مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے، مگر چند مہینے کے بعد بعض حالات سے مجبور ہوکر اس تنظیم سے مستعفی ہوگئے، اس کے بعد آپ سعودی عرب چلے گئے، وہاں آپ نے کئی سال گزار کر دوبارہ بنگلا دیش چلے آئے، آج کل نائکان سری میں مقیم ہیں۔

جناب اظہار میاں صاحب نہایت ہشیار، مدبر اور قومی ہمدردی رکھنے والے انسان ہیں، آپ نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی وہ خدمات انجام دیں جو ہماری برادری کے بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی تھیں، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے، اور آپ کا سایہ ہم غریبوں پر تادیر باقی رہے، آمین یارب العالمین۔

امیر حمزہ صاحب، ماسٹر، باغکونوی منگڈوی

جناب ماسٹر امیر حمزہ بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین جنوبی منگڈو کی معروف بستی باغکونہ میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان اس علاقے میں ایک مشہور ومعروف خاندان ہے، اس خاندان کا تعلق ملک یمن سے تھا، اس کے بزرگوں نے دین دعوت دین کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا اور ارکان میں آ بسے، چنانچہ اس خاندان میں ماضی قریب وبعید میں اتنی تعداد میں بہت بڑے بڑے علمائے کرام، دعاۃ اور قوم کے رہنما اور خدام پیدا ہوئے، جن کا شمار بہت ہی مشکل ہے، دور آخر میں محترم ڈاکٹر محمد یونس صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن، ماسٹر جعفر احمد صاحب کی وجہ سے اس خاندان کا بہت ہی نام ہوا ہے۔

جناب ماسٹر امیر حمزہ کے متعلق اس خاندان کے بعض راویوں کا کہنا ہے کہ آپ نہایت دین دار اور خدا ترس انسان تھے، یوں تو آپ عصری علوم کے زیور سے آراستہ تھے، مگر آپ کے طرز زندگی، وضع قطع اور انداز گفتگو ایک عالم دین جیسا تھا، اور خیالات بھی علماء جیسے رکھتے تھے، ان رایوں کا مزید کہنا ہے کہ دور آخر میں ماسٹر امیر حمزہ صاحب نے ہی اس خاندان کو علم کی دولت سے مالا مال کرنے کی کوشش کی، جس میں آپ خاصے کامیاب ہوئے تھے۔

ماسٹر صاحب علاقے کے مختلف مقامات میں مسلم بچوں کو پڑھاتے رہے، آپ کی اولاد میں ماسٹر بشیر اللہ اور ماسٹر منیر اللہ صاحبان بہت شہرت کے حامل ہیں، جنھوں نے اپنے نامور باپ کی طرح مختلف جگہوں میں بچوں کو علم سے آراستہ کیا، ماسٹر منیر اللہ صاحب کے متعلق پتہ چلا کہ آپ بڑے عالم دوست انسان تھے، جن کی اولاد میں مولانا عبداللہ صاحب بڑے عالم دین اور معلم ومنتظم بنے ہیں، آج کل مولانا مدرسہ عالیہ شقدار فارہ کے مہتم کے عہدے پر فائز ہیں، ماسٹر صاحب کے متعلق محترم جناب اڈووکٹ نور الاسلام صاحب (صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن) کا کہنا ہے کہ:

> ’’ماسٹر امیر حمزہ صاحب ایک مدبر انسان تھے، میرے خیال میں فطری طور پر نفسیات کے ماہر تھے، لوگوں کو دیکھتے ہی تاڑ لیتے کہ یہ کس نوعیت کی سوچ رکھنے والا اور کن خیالات کا انسان ہے، آپ مجھے بہت پیار کرتے تھے، نہایت خلیق استاد اور قوم کے خادم بزرگ تھے، لوگوں کے ساتھ حسن برتاؤ میں آپ یکتائے روزگار تھے، آپ نے اپنے وطن میں وفات پاکر خاک وطن کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں‘‘۔

ایوب علی صابر، ڈاکٹر، مجاہد، مصنف، مینگزوی، بوسیدنگی

مجاہد لیڈر اور شاندار مصنف جناب ڈاکٹر ایوب علی صاحب کی پیدائش ۱۹۲۶ء کو موضع مینگری، شمالی بوسیدنگ میں ہوئی، آپ کے والد ایک دین دار کاشکار بھی تھے اور تاجر بھی، وہ نہایت عابد اور درویش صفت بزرگ تھے، اور والدہ بھی ایک نیک سیرت خاتون تھی۔

مکتب نشینی کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تعلیم آپ کی اپنی آبائی بستی مینگزی میں ہوئی، اس کے بعد تنگ بازار مڈل سکول سے ساتویں جماعت تک آپ نے اردو کی تعلیم پائی تھی۔

۱۹۴۸ء کے اوائل میں موصوف محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں قائم ہونے والی جماعت "جہاد کونسل" میں شامل ہوگئے، جہاں آپ نے اپنی لیاقت اور خداداد صلاحیات کے ذریعے ملت وقوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، آپ بڑے نیک اور بااخلاق انسان ہونے کے علاوہ اردو کے ایک ادیب اور شاعر بھی تھے، آپ نے اس زمانے کی تحریک آزادی کے متعلق "تاریخ تحریک آزادئ ارکان" نامی ایک رسالہ میں لکھا، جس میں تاریخی پسِ منظر میں اپنی آنکھوں دیکھا احوال من وعن بیان کئے گئے، اس رسالہ کو آپ نے چھپوانے کی بڑی کوشش کی تھی، لیکن ممکن نہیں ہوسکا، خوش قسمتی سے اس کا ایک مسودہ میرے ہاتھ لگ گیا، جسے میں نے از سر نو ترتیب دے کر اس پر ایک مقدمہ کے ساتھ چھپوانے کے لئے تیار کیا، کسی اول فرصت پر طبع کرانے کی امید ہے، اگر چاہے خدا کرے۔

ڈاکٹر صاحب جہادی قافلے میں شامل ہوئے تو جہاد کونسل نے آپ کو نسلر بنالیا، آپ ہر حال میں قائد تحریک محمد جعفر حسین قوال کے ہم نوا رہے، ہر معاملہ میں آپ ان کے ساتھ تھے، قوال صاحب کی شہادت کے بعد ایک دھڑا نے جناب عبدالرشید کو صدر منتخب کرتے ہوئے ایک علیحدہ گروپ بنالیا تو آپ اس گروپ میں سکریٹری برائے امور داخلہ بنا گئے تھے۔

جہاد کونسل کی تباہی کے بعد ڈاکٹر ایوب علی صابر صاحب نے مشرقی پاکستان میں پناہ لی اور کوکس بازار کے علاقے میں سکونت پذیر ہوگئے، جہاں آپ کے ایک لائق بھائی مولانا ممتاز صاحب پہلے سے مقیم تھے، وہیں ڈاکٹر صاحب کی اولاد اب بھی مقیم ہیں۔

ڈاکٹر ایوب علی صابر صاحب قوم کے ایک بڑے بزرگ خادم تھے، زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ نے قوم وملت کی خدمات نبھاتے ہوئے کوکس بازار کے علاقے میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

باسامیاں صاحب، کپٹن، ہری تلوی، منگڈوی

مشہور زمانہ مجاہد لیڈر جناب کپٹن باسامیان صاحب جنوبی منگڈو کی بستی ہریتلا کے ایک باثروت اور نہایت سخاوت پسند گھرانے میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب گاؤں کے ایک باوقار انسان مانے جاتے تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں ملک وملت، علمائے دین اور مدارس دینیہ کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

جناب کپٹن باسامیاں صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں ہوئی، کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو علاقے کے ایک اردو اسکول میں داخلہ کرایا گیا، وہیں سے آپ نے اردو کی ساتویں جماعت تک کی تعلیم پائی تھی، کہتے ہیں کہ آپ کو اردو زبان سے خاصی دلچسپی تھی، آپ اڈووکٹ ناصر الدین (پھوکائنگ) کے سخت مخالف تھے، اور کہتے تھے کہ جب تک چاند وسورج رہے گا، روہنگیا قوم کی قومی زبان اردو ہی رہے گی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب باسامیاں صاحب نے نجی تجارت سے دل چسپی لی، لیکن کام نہیں بن سکا تو عرصۂ دراز تک ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے تھے۔

۱۹۴۹ء کے اواخر میں آپ محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی سربراہی میں ابھرنے والی تنظیم "مجاہد پارٹی" میں شامل ہوگئے، ابتداء میں آپ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے اس پارٹی میں کام کرتے رہے، لیکن بعد میں آپ کی استعداد اور صلاحیت کو دیکھ کر محمد قاسم راجا نے آپ کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنادیا، اس کے بعد آپ کو کپٹن کا خطاب بھی دیا گیا تھا۔

کپٹن باسامیاں صاحب بڑے جاں باز اور دقیقہ سنج کمانڈر تھے، ساتھ ساتھ ہر دل عزیز بھی تھے، آپ کے ساتھی آپ کو بڑی وقار وعزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ نے اس جہادی قافلے میں شامل ہوکر بڑے بڑے معرکے سر کئے، ہزاروں دشمنانِ اسلام کو جہنم رسید کر کے سرخرو ہوئے تھے۔

۱۹۵۴ء میں مجاہد پارٹی میں تفرقہ کے ساتھ دھڑا بندی ہوئی تو آپ نے ایک بڑی تعداد کے مجاہدین کی قیادت کی، بعد میں آپ کے دھڑا نے سیف الملوک والے دھڑا سے ایک معاہدہ تو کرلیا مگر یہ معاہدہ کارگر ثابت نہ ہوا تھا، کپٹن باسامیاں کو اللہ تعالی نے سرخرو کیا، آپ ۱۹۵۵ء کے ایک معرکہ میں شہید ہوگئے، اللہ تعالی آپ کی شہادت کو قبول فرمائے، آمین یارب العالمین۔

باگومیاں صاحب، کمانڈر، مجاہد، میر ولہ وی

مشہور زمانہ مجاہد کمانڈر باگومیاں صاحب ۱۹۲۶ء میں جنوبی منگڈو کے قصبہ نما علاقہ میر ولہ/ مرنگلو امیں ایک دین دار اور کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والدین آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے خواہشمند تھے، لیکن آپ پڑھنا نہیں چاہتے تھے، پھر بھی قرآن کریم کا ناظرہ مکتب کے ایک استاد سے ختم کر کے کسی طرح آپ نے کچھ ابتدائی تعلیم پائی تھی۔

باگومیں صاحب کا بچپن اور لڑکپن ادھر ادھر کی آوارہ گردی میں گزرا، لیکن برمی غاصبوں کی ستم رسانی اور مگھوں کی وحشیانہ حرکات کو دیکھ کر آپ پہلے سے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار تھے، چنانچہ ۱۹۵۰ء کے دوران آپ کو جناب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی طرف سے دعوت جہاد ملی تو آپ ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، وہیں سے عسکری تربیت حاصل کرنے کے بعد آپ نے مختلف معرکے میں شرکت کی، جہاں بھی گئے فتح و کامرانی نے آپ کا قدم چوما، چنانچہ آپ کی لیاقت اور صلاحیت کو دیکھ کر جناب محمد قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا تھا۔

بعض ناسمت شناس حضرات آج جناب باگومیاں صاحب جیسے مجاہد کمانڈروں کو بدنامی، دشنام طرازی اور ناروا گالم گلوج کے تیر پھینکتے نہیں تھکتے ہیں، لیکن ان کو کیا معلوم ہے کہ انہوں نے قوم وملت کی خاطر راہِ خدا میں کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے تاریخی دشمن مگھ اور برمیوں سے کن حالات میں مجاہد اسلام بن کر مقابلہ کیا تھا، جس کا اندازہ ان حضرات کو شاید ہوگا، جو صرف اور صرف اپنی رہائش گاہ میں بیٹھے بیٹھے آزادی کا خواب دیکھ رہے ہوں۔

باگومیاں صاحب میدان جہاد سے کسی بھی حالت میں منہ پھرنا ہی نہیں جانتے تھے، آپ کا کہنا تھا کہ دنگل سے مجاہدین کو یا تو فتح وکامرانی سے واپس آنا ہوگا یا شہادت پا کر اپنی آرزو پوری کرنی ہوگی، ویسے آپ مجاہدین کے ساتھ جہاں کہیں بھی گئے ہمیشہ میدان آپ کے ہاتھ میں رہا تھا۔

باگومیاں صاحب بہت مضبوط اعصاب کے مالک، نڈر اور بہادر مجاہد کمانڈر تھے، بے باکی اور حق گوئی آپ کی بڑی قابل تعریف صفات تھیں، سچائی اور وفاداری کی صفات آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں، آپ نے درجنوں معرکے میں شرکت کی، سینکڑوں کفار ومشرکین کو جہنم رسید کرتے ہوئے غازی بنے تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش ہو گئے تھے، بعد میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

تراب علی صاحب، کمانڈر، کیاندگی منگڈوی

مجاہد کمانڈر و لیڈر جناب تراب علی صاحب ۱۹۱۷ء میں موضع کیاندنگ علاقۂ منگڈو کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب نے ۱۹۴۲ء کی لڑائی میں شریک ہو کر ملی اور قومی ذمے داری کو خوب خوب نبھایا تھا، وہ بڑے نیک اور پرہیزگار مجاہد بزرگ تھے۔

جناب تراب علی صاحب نے ابتدائی دینیات کی تعلیم گاؤں کے مدرسہ میں پائی، ایک درویش صفت عالم دین (آن جناب کے بیان کے مطابق) سے اردو، فارسی اور عربی کی تعلیم پا کر گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے، جہاں تک معلوم ہوا کہ آپ بڑے ذہین انسان ہیں، قدرت نے آپ کو صحیح رائے قائم کرنے کا ملکہ عطا کیا ہے، ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا کے علاوہ جنگ عظیم دوم کے دوران ارکان کے مسلمانوں کے حالات زار نے آپ کے دل ودماغ کو بہت ہی متاثر کیا، پھر ۱۹۴۸ء میں برما کی نا نہاد آزادی کی شکل میں ارکان پر برمیوں کا مکمل قبضہ اور مسلمانوں پر برمیوں کے آئے دن مظالم نے آپ کو جہاد اسلامی کی طرف توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

یوں ۱۹۴۸ء میں مجاہدین اسلام کا ایک قافلہ آپ کے گاؤں پہنچا تو آپ ان کے ساتھ شامل ہو گئے، آپ حضرت محمد جعفر حسین قوال سے شدید متاثر تھے، قافلۂ جہاد میں شمولیت کے چند دن بعد خداداد صلاحیت کی بنیاد پر آپ ارباب دانش میں شمار کئے جانے لگے تھے، تھوڑی مدت جاتے نہ جاتے آپ کی بہادری اور ملکۂ معاملہ فہمی بھی سامنے آگیا محمد جعفر حسین قوال نے آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا، آپ بہتوں معرکہ میں بذات خود شریک ہوئے، ہر مرتبہ فتح وکامرانی نے آپ کا قدم چوما تھا۔

محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت حسرت آیات کے بعد آپ جہاد کونسل کے رہنما جناب محمد عباس سے قدرے نالاں اور برگشتہ تھے، اس دوران آپ کو محمد قاسم راجا نے ان کی جماعت میں شامل ہونے کی دعوت دی، لیکن آپ نے اس دعوت کو مسترد کر دیا تھا۔

بعد میں محمد جعفر حسین قوال شہید کے چند حامیوں نے ایک علیحدہ جہاد کونسل کی بنیاد رکھی تو آپ اس میں شامل ہو گئے، مگر بعد میں جب یہ دھڑا بھی محمد عباس صاحب کی جماعت میں شامل ہو گیا تو آپ بھی اس میں شامل ہو گئے تھے، حتیٰ کہ جہاد کونسل کی مکمل تباہی تک آپ اس میں شامل ہی رہے تھے۔

میجر جنرل جناب صالح احمد صاحب (سابق چیرمن نائکان سری) نے جب جہاد کونسل کے زمام قیادت

سنبھالا تو اول اول تراب علی صاحب نے اس نئی قیادت کو ماننے سے پس وپیش کیا، لیکن بعد میں دونوں لیڈروں کے درمیان مصالحت ہوگئی تو آپ نے اس جماعت میں وفاداری کے ساتھ کام کیا، ۱۹۶۱ء میں جناب صالح احمد صاحب کو بشمول چند ساتھیوں کے برمی حکومت نے حراست میں لے لیا تو آپ ایک قسم کے بد حواسی کے عالم میں پھنس گئے تھے، یوں ارکان سے ہجرت کرکے تولاتولی کے مقام میں رہائش پذیر ہو گئے۔

۱۹۹۹ء کا واقعہ تھا کہ راقم السطور جناب محترم محمد لقمان حکیم صاحب (برادر خورد جناب کمانڈر ابولہاشم صاحب چالی فرانگی مرحوم) کی معیت میں آپ سے ملاقات کے لئے تولاتولی کے مقام پر پہنچا، دراں حالیکہ آپ گھر پر نہیں تھے، بڑے طویل انتظار کے بعد آپ سے ملاقات ہوگئی تھی، ہمیں پا کر آپ بڑے خوش ہو کے کہنے لگے کہ:

> ''کیا اس دور میں بھی ہم جیسے بدنام زمانہ لوگوں کو تلاش کرنے والا انسان میری قوم میں موجود ہے؟ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہماری قربانیوں پر ہمیں داد تحسین دینے والا انسان میری اس قوم میں کوئی نکلے گا، اللہ تعالی آپ کو سلامت سے رکھے، فرمائیے کہ اس کم زور وناتواں ہڈی سے آپ کیا چاہتے ہیں''۔

جناب محمد لقمان حکیم صاحب آپ کے دیرینہ دوست تھے، اس ملاقات میں جناب تراب علی صاحب نے ماضی قریب وبعید کی اپنی طول طویل داستان سنائی، پرانے مجاہدین کے حوالے سے آپ سے بہت ساری قیمتیں معلومات حاصل ہوئیں، جو مجھے درکار تھیں، اور جس کے حصول کے لئے میں آپ کے یہاں گیا تھا، آپ عمر کے اس آخری مرحلہ میں بھی شوق جہاد وشہادت سے سرشار تھے، آپ کو محترم جناب نور الاسلام صاحب (صدر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی کارکردگی اور سرگرمی پر بڑا خوش نظر آیا، اوران کے لئے دعا گو بھی۔

آپ کے مزاج میں سورش بالکل نظر نہیں آئی، ہر بات کو سلیقے اور سنجیدگی سے بتانے کا سلیقہ رکھتے تھے، آپ کو بڑے پاکیزہ خیالات کا انسان اور سخی منش پایا، میرے ساتھ جناب محمد لقمان حکیم کے علاوہ دس بارہ مجاہدین بھی تھے، ہم نے رات آپ کے یہاں گزاری، آپ نے مہمان نوازی میں کوئی کمی نہیں کی، اپنی استطاعت سے بڑھ کر ہمیں بہت کچھ کھلایا پلایا، اتنے کچھ کرنے کے باوجود بھی معذرت کرنے لگے تھے، جہاں تک اندازہ کیا کہ آپ مہمان نوازی کے حولے سے یکتائے روزگار انسان ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت عطا کرے، آمین۔

جمال احمد صاحب، پلاٹون کمانڈر، کیلادنگی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب جمال احمد صاحب ۱۹۲۲ء میں جنوبی منگڈو کی بستی کیلادنگ کے ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب کہنے میں ایک کاشتکار تھے، لیکن علمائے دین سے ہر حال میں قریب رہنے کو پسند کرتے تھے، پند ونصیحت کی محفل جہاں کہیں بھی سج جاتی وہ وہاں پہنچ جاتے تھے، کہتے ہیں کہ جمال احمد صاحب کی والدہ ماجدہ بھی نہایت عابدہ اور پارسا خاتون تھی۔

جناب جمال احمد صاحب نے مکتب نشینی کے بعد ابتدائی تعلیم گاؤں کے ایک مولوی صاحب کے یہاں پائی، ان مولوی صاحب سے آپ نے قرآن کریم کے ناظرہ کے ساتھ دینیات کی ابتدائی چند کتابیں پڑھیں، اس کے بعد اردو اسکول میں بھرتی ہو کے ساتویں جماعت تک اردو کی تعلیم پائی تھی۔

جناب جمال احمد صاحب طالب علمی کے زمانے سے انقلابی ذہنیت کے طالب علم تھے، حضرت محمد جعفر حسین قوال نے تحریک جہاد شروع کی تو آپ اس کے ذہنی طور پر حامی تھے، چنانچہ آپ ۱۹۴۹ء کی ابتداء میں جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، جہادی قافلے میں شامل ہو کے آپ نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد جہاد کونسل میں آپ ایک عام مجاہد کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔

جناب جمال احمد صاحب محمد جعفر حسین قوال اور کرنل رشید احمد صاحب فوئما لوی کے بڑے مداح نہیں بلکہ عاشق تھے، غالبا محمد جعفر حسین کی پراسرار شہادت کے بعد آپ محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی قیادت میں چلنے والی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے، یہاں آکر آپ نے مختلف معرکوں میں شرکت کی، چنانچہ آپ کی صلاحیت کو دیکھ کر جناب راجا صاحب نے آپ کو پلاٹون کمانڈر بنا دیا تھا۔

جناب جمال احمد صاحب شعر وشاعری اور غزل سرائی سے خاصی دلچسپی رکھتے تھے، اس وقت کے قوال حضرات آپ کے بڑے عزیز تھے، قوالوں کو بلا بلا کر اردو قوالی سے خود بھی محظوظ ہوتے اور ساتھیوں کو بھی محظوظ ہونے کا موقع دیتے تھے، آپ جناب ماسٹر مسیح الدولہ صاحب کیلادنگی کے بہنوی تھے، چنانچہ ماسٹر صاحب کا بیان ہے کہ جناب جمال احمد صاحب یوں تو جذباتی قسم کے آدمی تھے اور کسی کو پرواہ نہیں کرتے تھے، لیکن علمائے حق کو نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جمال احمد صاحب نے مختلف معرکوں کو کامیابی کے ساتھ سر کیا، جہاں بھی گئے فتح وکامرانی نے آپ کا قدم چوما، جہاد کونسل اور مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش رہے، بعد میں آپ کا انتقال ہوگیا۔

حبیب اللہ صاحب، پروفیسر، غنیّہ فاروی

جناب پروفیسر حبیب اللہ صاحب شمالی مشرقی منگڈو کی بستی غنیّہ فارہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک متمول اور سخی منش ہونے کے ساتھ نہایت پرہیز گار بزرگ تھے، اور والدہ بھی ایک عابدہ و پارسا خاتون تھی۔

پروفیسر صاحب کی مکتب نشینی کے بعد ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور سرکاری اسکول میں ہوئی، متوسطہ منگڈو سے اور انٹرمیڈیٹ کے بعد بی اے کی ڈگری ڈھاکہ کے ایک کالج سے حاصل کر کے ڈھاکہ یونیورسیٹی سے تاریخ پر ایم اے کی ڈگری حاصل کی تھی، اس کے بعد پروفیسر صاحب رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی سے بھی تاریخ میں ایم اے کی سند حاصل کی، رنگون یونیورسیٹی سے ڈگری کے حصول کے بعد اسی یونیورسیٹی میں تاریخ کے لکچرر مقرر ہوئے، بعد میں اسی موضوع کے سینئر لکچرر بنے، یاد رہے کہ اسی زمانے میں یونیورسیٹی کے سینئر لکچرر کو پروفیسر کہا اور مانا جاتا تھا۔

رنگون یونیورسیٹی میں لکچرری کے دوران آپ بڑے بڑے خاندان کے طلباء جو یونیورسیٹی میں پڑھتے اور جو آپ کے تلامذہ تھے کو ٹیوشن پڑھاتے تھے، اسی دوران جنرل نیون کی ہونے والی دوسری اہلیہ ڈونی نی مینگ کو بھی پڑھایا تھا، آخر کار ڈونی نی مینگ سے جنرل نیون کی بیاہ ہوگئی تھی، اس نسبت سے جناب پروفیسر حبیب اللہ صاحب کو جنرل نیون کے گھر آنے جانے کا موقع ملا تھا، ڈونی نی مینگ اپنے استاد کو بہت عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی تھی، اسی رشتے کے سہارے پروفیسر صاحب نے ارکان کے روہنگیا مسلم قوم کی بہبودی کے لئے کچھ کرنے کی امید بھی باندھی تھی۔

۱۹۶۲ء میں برمی اقتدار پر فوج کا مکمل قبضہ ہوگیا تو پورے برما پر عموماً اور ارکانی مسلمانوں پر خصوصاً مظالم کی آگ برسنی شروع ہوگئی، جس کی تفصیلات تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں، مزید اس کی تفصیلات کے لئے راقم سطور کی کاوش ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' بھی مفید ہوسکتی ہے۔

بایں ہمہ پروفیسر حبیب اللہ صاحب نے پھر بھی اپنی ہمت نہیں ہاری، اور ارکانی مسلمانوں کی بہبودی کے لئے ازسرنو کوشش شروع کردی تھی۔

چونکہ ارکانی مسلمانوں کے لئے شہریت کا مسئلہ بہت بڑا مسئلہ تھا، تو آپ نے سوچا کہ اب کی بار کوشش کا آغاز ایک مطبوعہ کتاب سے ہونا چاہئے، اس تگ ودو میں آپ نے ایک جامع کتاب ''برما میں کون

کس کا ہے'' کے نام سے لکھی، جس کی تیاری کے لئے ایک طویل عرصہ صرف ہوچکا تھا، اس کتاب کے بارے میں جہاں تک معلوم ہوسکا کہ اس کا اصل موضوع ارکانی مسلمانوں کے حالات وواقعات اور تاریخ تھا، لیکن آپ نے صرف ارکانی مسلمانوں کے بارے میں یہ کتاب نہیں لکھی بلکہ ارکانی مسلمانوں کے ساتھ برما بھر کی دیگر اقوام اور نسلی گروہوں کے حالات وواقعات پر بھی ایک زندہ کتاب لکھ چھوڑی تھی، اس میں ارکانی مسلمانوں کے تہ بتہ برما کے دیگر علاقہ جات میں رہائش پذیر دیگر مسلمانوں کو بھی اپنا موضوع بحث بنایا تھا۔

مسودہ کی تیاری کے بعد پروفیسر صاحب نے اسے اپنے شاگرد ڈونی نی مینگ کو دکھایا، اور اسے اعتماد میں لیتے ہوئے اسے جنرل نیون کے پاس پہنچایا تھا، کہتے ہیں کہ جنرل صاحب کے دماغ میں اسے دیکھ کر آگ سی لگ گئی تھی اور عصبیت کی آگ میں جلتے ہوئے نہ صرف اس مسودہ کو ضبط کرلیا بلکہ اس عفریت نے جناب پروفیسر صاحب کے ذاتی کتب خانہ اور ساری دستاویزات کو سرکاری تحویل میں لے لیا تھا، صرف یہی نہیں بلکہ اس مسودہ کی تیاری کی پاداش میں آپ کو قتل کی دھمکی بھی دی گئی تھی۔

بعد ازاں اس مسودہ کی تیاری کے ناکردہ جرم کی پاداش میں نیون نے آپ کو رنگون یونیورسیٹی سے تبدیل کر کے مانڈلے یونیورسیٹی بھیج دیا، کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد جناب پروفیسر صاحب کا اعصاب تقریباً سرد پڑ گیا اور آپ کی ہمت نے جواب دے بیٹھا تھا، اب آپ نے سمجھ لیا کہ برمی مسلمانوں پر عموماً اور ارکانی مسلمانوں پر خصوصاً مزید مظالم کی آگ برسنے والی ہے، اس فوجی حکومت کے ہوتے ہوئے کچھ مثبت کام کرنے کا راستہ بالکل مسدود ہوچکا ہے، اس پریشانی کے عالم میں منڈلے میں آپ کو دل کا دورہ پڑ گیا، جس کی تاب نہ لاکر آپ اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب پروفیسر حبیب اللہ صاحب نہایت متقی اور عابد انسان تھے، آپ کے دماغ میں سوزش نام کی کوئی بھی چیز نہیں تھی، بڑے حلیم الطبع، مدبر اور بردبار انسان تھے، آہستہ آہستہ سوچ سمجھ کر گفتگو کرتے تھے، ہر بات کو جذباتیات سے پرہیز کرتے ہوئے حقائق کی میزان میں تولا کرتے تھے، علاوہ ازیں آپ ارکان کے متعلق زیرزمین کام کرنے والوں سے بھی ہر ممکنہ تعاون کیا کرتے تھے، آپ ارکانی مسلم طلباء کے بڑے خیرخواہ رہنما تھے، آپ نے ان بے یار ومددگار روہنگیا طلباء کی خدمات کے لئے دن رات کو ایک کر کے رکھا تھا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ عطا کرے، آمین یارب العالمین۔

حبیب الرحمن صاحب، مجاہد، کیپٹن، دھونسوی

جناب کیپٹن حبیب الرحمن صاحب جنوبی منگڈو کی بستی دھونسے فارہ میں ۱۹۲۰ء میں ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب اس علاقے میں ایک ہشیار اور قوم کے خیر خواہ مانے جاتے تھے، اور والدہ بھی ایک عابدہ مسلمان خاتون تھی۔

مکتب نشینی کے بعد جناب حبیب الرحمن صاحب کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں ہوئی، مکتب کے استاد سے کچھ دینی تعلیم حاصل کی، آپ اعلی تعلیم کے بڑے شائق تھے، لیکن زمانے کی گردش نے مزید پڑھنے نہیں دیا، ویسے چند سال آزادا دھرادھر مارے مارے پھرتے رہے تھے۔

۱۹۴۸ء میں حبیب الرحمن صاحب محمد جعفر حسین قوال کی سربراہی میں قائم ہونے والی تنظیم ''جہاد کونسل'' میں شامل ہوگئے، وہیں سے آپ نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے سرخرو ہوکے لوٹے تھے، آپ نہایت چالاک، عیار مگر بہادر مجاہد تھے، محمد جعفر حسین قوال آپ کو بڑے پیار کرتے اور آپ کی بہادری کی داد دیتے تھے، بعد میں بعض ساتھیوں کے ورغلانے کے نتیجے میں آپ جہاد کونسل سے بھاگ کر جنوبی منگڈو جا ٹھہرے، اس کے بعد جنوری/ ۱۹۴۹ء میں آپ نے اپنی ایک علیحدہ تنظیم کا اعلان بھی کر دیا تھا، لیکن اس اعلان کے چند دن بعد محمد جعفر حسین قوال نے آپ کو سمجھا کر دوبارہ اتحاد کے پرچم تلے لے آیا تھا۔

جناب حبیب الرحمن صاحب اور محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کے درمیان ہمیشہ چپقلس کی فضاء قائم رہی تھی، آپ قاسم راجا صاحب کو ماننے کے بالکل طرف دار نہیں تھے، جہاں بھی جاتے آپ راجا صاحب کی برائی کرتے تھے، ان دونوں کے درمیان ہونے والی چپقلس کی وجہ سے مسلمانان ارکان کی جہادی تحریک کا حد سے زیادہ نقصان بھی ہوا تھا۔

۲ /فروری/ ۱۹۴۹ء میں آپ کو جنوبی منگڈو کے کمانڈر بنا کر جہاد کونسل کی طرف سے بھیجا گیا، لیکن چند دن جاتے نہ جاتے آپ کے کمان میں رہنے والے مجاہدین میں برمی جاسوس شامل ہوگئے، جس کے نتیجے میں آپ کو برمی افواج کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔

ہتھیار ڈالنے کے بعد آپ ارکان سے فرار ہوکر مشرقی پاکستان پہنچے، لیکن وہاں ارکان کے مسلمانوں نے آپ کو بہت چھیڑا تو یہاں سے بھی غائب ہوگئے تھے۔

حبیب الرحمن، شہید گدوسراوی، منگڈوی

حبیب الرحمن بن مولوی محمد صدیق جنوبی منگڈو کی بستی گدوسرا میں پیدا ہوئے، وہ باقاعدہ مجاہد تو نہ تھے لیکن مجاہدین کے قریبی معین و مددگار میں سے تھے، ان کاروہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے ساتھ بہت پرانا اور گہرا تعلق تھا، دلیری، بے باکی اور بے خوفی میں وہ اپنی مثال آپ تھے، اسلامی غیرت وحمیت ان میں کوٹ کوٹ کر بھر ہوئی تھی، جذبۂ جہاد و آزادی سے لبریز اس شخص نے مجاہدین کے ساتھ اپنی بے پناہ محبت کا جا بجا عملی ثبوت پیش کیا، اور حق تو یہ ہے کہ شہید ہوکر اپنا کا حق ادا کر دیا۔

۱۹۹۴ء میں مجاہدین نے جنوبی منگڈو میں برمی درندوں کے خلاف کاروائیاں شروع کیں تو بری فوج، پولیس اور سرحدی پولیس (ناساکا) نے پورے علاقہ میں مسلمانوں پر مظالم کا بازار گرم کر دیا، مسلمانوں کو گھر سے نکلنا بھی مشکل ہوگیا، جس مسلمان پر ذرہ بھی مجاہدین کے ساتھ تعلق اور ہمدردی کا شبہ ہوتا، اسے پکڑ کر لے جایا جاتا، یا کہیں لے جا کر شہید کر دیا جاتا تھا، ایسی خطرناک صورت حال میں حبیب الرحمن نے بڑی بے جگری سے مجاہدین کی مدد کی، انہیں خوراک اور دیگر ضروری رسد باقاعدگی سے پہنچایا، کبھی اپنی جان تک کی پرواہ نہیں کی، ان کی شہادت تک اس علاقے میں کام کرنے مجاہدین کو کوئی قابل ذکر تکلیف نہیں ہوئی تھی، رات میں رسد کندھے پر اٹھائے اور جان ہتھیلی پر لے کر رسد پہنچاتے رہے تھے۔

بدقسمتی سے ان کے ساتھ دو منافق قسم کے آدمی سے جھگڑ تھا، ان دونوں ناعاقبت اندیشون نے حبیب الرحمن کی سرگرمیوں کی اطلاع ناساکا کو دی، چنانچہ ۱۱ /مئی/ ۱۹۹۴ء کو ناساکا نے حبیب الرحمن کو گرفتار کرلیا اور اپنے اذیت خانے میں لے جا کر مسلسل بیس روز تک تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔

۲ / جون/ ۱۹۹۴ء کو ناساکا نے انہی زخموں سے چور کر کے بے ہوشی کی حالت میں مردہ سمجھ کر ہونسرا بستی میں مجاہدین کی اجتماعی قبرستان میں پھینک دیا، ہوش آنے پر بدن دریدہ، خون میں لت پت، پیٹ چاک زخمی سر اور چہرہ لئے کسی طرح حبیب الرحمن قبرستان سے نکلے اور قریبی بستی کے ایک مکان میں داخل ہوکر مدد کی درخواست کی، گھر کی خواتین اور بچے ان کی حالت دیکھ کر دہشت کے مارے خوف زدہ ہوگئے، اور بچوں نے رونا دھونا شروع کر دیا، شور اور آوازیں سن کر محلے والے جمع ہوگئے، اتنے میں قریبی چوکی کو بھی گن سن مل گئی، فوراً ایک مسلح برمی فوجی دستہ وہاں پہنچا، اور جاں بلب زخمی حبیب الرحمن کو سنگینوں کے پے در پے وار کر کے شہید کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حمیدالرحمن صاحب، کمانڈر، کیاری فرانگی، منگڈوی

حمیدالرحمن صاحب کی ولادت ۱۹۱۶ء میں ایک دیندار گھرانے میں ہوئی، ان کے والد ایک پرہیزگار اور عابد وذاکر انسان تھے، ان کے گاؤں میں ان کے والد کو ایک صاحب حال بزرگ سمجھا جاتا تھا، وہ ان پڑھ تھے، لیکن خداترس مسلمان تھے۔

حمیدالرحمن صاحب نے بس ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی، مزید تعلیم کے متعلق کوئی بھی معلومات نہ مل سکیں، البتہ ان کو لڑکپن سے عالم دوست انسان دیکھا گیا تھا، انہوں نے اپنی زندگی میں عالموں سے زیادہ اور کسی سے محبت نہیں کی تھی۔

حبیب الرحمن صاحب ۱۹۴۸ء کی ابتداء میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی قیادت میں تشکیل پانے والی مجاہد تنظیم ''جہاد کونسل'' میں شامل ہوگئے، شروع ہی سے ان کو ایک بہادر اور دردمند انسان دیکھا گیا، جہاد کونسل میں شامل ہوتے ہی انہوں نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مسلح کاروائیوں میں مسلسل شریک ہوتے رہے، جہاں کہیں بھی گئے انہوں نے اپنی دلیری اور بہادری کا لوہا منوایا، چنانچہ ان کی بہادری اور عسکری حکمت عملیوں کو دیکھ کر جہاد کونسل نے ان کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنادیا تھا۔

جناب کمانڈر حبیب الرحمن صاحب کمانڈر بننے کے بعد ایک گروپ مجاہدین سمیت ادھر سے ادھر پٹرول کرتے رہے، علاوہ ازیں چند معرکوں میں شرکت بھی کی، جہاں کہیں بھی انہوں نے معرکہ آرائی کی، فتح وکامرانی نے ان کا قدم چھوما تھا۔

جہاد فی سبیل اللہ ہی جناب کمانڈر حبیب الرحمن صاحب کا پیارا عمل تھا، میدان جہاد سے فتح وکامرانی کے بغیر منہ موڑنا وہ نہیں جانتے تھے، شہید اعظم حضرت محمد جعفر حسین قوال ان کو بہت پسند کرتے تھے، دل سے ان کے لئے دعائیں دیتے تھے، اور فرماتے کہ ''حمیدالرحمن تو اس قافلۂ جہاد کی روح ہے''۔

کمانڈر جناب حمیدالرحمن صاحب ایک مرد مجاہد ہونے کے علاوہ ایک عابد، زاہد اور جہاد کی حکمت عملیوں کے دانا کمانڈر مجاہد تھے، علاوہ ازیں مسلمانوں کے بچوں کو زیادہ سے زیادہ تعلیم دلوانے کی بات کرتے تھے، وہ کم عمر مسلم بچوں کو جہاد میں شریک ہونے سے روکتے ہوئے کہتے کہ ''تمہیں ابھی جہاد کرنے سے زیادہ تعلیم کی طرف توجہ دینا چاہئے''۔ کمانڈر حبیب الرحمن صاحب نے ۱۹۴۹ء میں وائن چنگ کے معرکہ میں جام شہادت نوش کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خلیل الرحمن شقدار صاحب، کونسلر، صاحب بازاری

جناب خلیل الرحمن صاحب شقدار موضع صاحب بازار میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، آپ ایک زمیندار اور دین دار آدمی ہونے کے علاوہ نہایت سخی اور پارسا انسان تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب بھی ایک علماء پسند نیک زمیندار اور خلق خدا کی خدمات کے حوالے سے علاقے بھر میں معروف ومشہور تھے۔

خلیل الرحمن شقدار کی تعلیم کے متعلق معلومات نہ مل سکیں، البتہ ایک اطلاع کے مطابق آپ پڑھے لکھے آدمی ہونے کے ساتھ گاؤں کے معتمد علیہ شخص تھے، آپ ۱۹۴۲ء کے جہاد میں تو شریک تھے ہی، اس کے بعد پیس کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو آپ کو اس کمیٹی میں شمالی منگڈوکی انجمن کا ممبر بھی چنا گیا تھا، جس میں رہ کر ملت وقوم کی آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

جناب خلیل الرحمن شقدار صاحب نے ۱۹۴۷ء کے اواخر میں حضرت محمد جعفر حسین قوال صاحب سے رابطہ کیا، اور جہاد کونسل میں شامل ہوتے ہوئے قوال صاحب اور ان کی پوری جماعت کو بالائی منگڈوکی طرف آنے کی دعوت دی، چنانچہ آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے حضرت قوال صاحب بوسیدنگ کے علاقے سے بالائی منگڈوکی طرف اپنی جماعت کے ساتھ تشریف لائے تھے۔

جناب خلیل الرحمن شقدار صاحب ایک بہادر اور صاحب رائے سخی مرد مجاہد تھے، کہتے ہیں کہ آپ کے نیک مشورے مجاہدین کے بڑے کام آئے تھے، چنانچہ آپ کی خدمات اور دماغی صلاحیت کو دیکھ کر حضرت محمد جعفر حسین قوال نے جہاد کونسل میں آپ کو کونسلر کا مقام عطا کیا تھا۔

کونسلر شقدار صاحب نے اس قافلۂ جہاد میں اپنے مال اور جان سے شرکت کی، کہتے ہیں کہ آپ نے اس قافلہ کے لئے اپنے اموال کو پانی کی طرح بہایا تھا، جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب آپ کو بہت پسند کرتے تھے، آپ کے جذبۂ خیر پر بڑے متعجب ہوتے تھے، کونسلر صاحب جہاد کونسل کے کسی بھی کام کو اپنے لئے سب سے بڑی نعمت سمجھتے تھے، محمد جعفر حسین قوال کی شہادت کے بعد باوجودیکہ آپ بڑے پریشان تھے، لیکن ہر موقع پر بحیثیت کونسلر جناب محمد عباس صاحب اور صالح احمد صاحب کے ساتھ شریک عمل رہے، جہاد کونسل میں اگر افراتفری ہوجاتی تو آپ فورا سامنے آجاتے اور یہاں اعتدال لانے کے لئے کوشش شروع کردیتے تھے۔ آپ جہاد کونسل کے آخری دور تک اس قافلہ میں شامل رہے تھے، بعد میں آپ نے اپنے گاؤں میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خلیل الرحمن صاحب، اڈووکٹ، مورخ، مصنف، قیمی

اڈووکٹ خلیل الرحمن بن محمد اسماعیل معروف بہ ابوعطیہ صاحب قیمی ۱۸۹۳ء میں ممبرا/ممبیا ٹاؤن شب کے مشہور اور مردم خیز علاقہ ''قیم'' میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مرحوم محمد اسماعیل صاحب بڑے زیرک اور ہشیار وسخی انسان تھے، آپ کے دروازۂ سخاوت ہر خاص و عام کے لئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا، یوں اس علاقے میں آپ کے خاندان کے علاوہ آپ کے والد بزرگوار بڑے معروف انسان تھے۔
اڈووکٹ صاحب کے نانا مرحوم حیدر علی خواندکار المعروف بہ'' چھن سرا'' کا شمار ارکان کے ان با صلاحیت، مستعد انقلابیوں میں ہوتا ہے، جنہوں نے غاصبِ ارکان برمی راجا بودھو پھیہ کے دور ۱۷۸۴ء میں مظلوم ارکانیوں کی صحیح رہنمائی اور قیادت کی تھی، انقلابیوں کی قیادت کرکے انہوں نے ایسی ایسی خدمات انجام دیں جو تاریخ ارکان کبھی نہیں بھول سکتی۔
اسی طرح جہاں تک پتہ چلا کہ مورخ ارکان جناب خلیل الرحمن صاحب کے ننہال میں بڑے بڑے بزرگان دین اور بڑے بڑے علماء وشیوخ اور مصنفین گزرے ہیں، جن میں آپ کے پرنانا او جی سوداگر صاحب (جن کا تذکرہ ہمارے زیر نظر اس سلسلۂ کاوش میں کیا گیا ہے) ناقابل فراموش ہیں، سوداگر صاحب نے ''روشنگ پنچالی'' لکھ کر ہم ارکانیوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے، جس سے خلیل صاحب نے بھی کافی استفادہ کیا ہے۔
اسی طرح مورخ صاحب کے سسر حافظ حکیم لقمان صاحب اکیابی مرحوم اپنے زمانے میں ارکان کی معروف شخصیات میں سے تھے، جنہوں نے اپنے دور میں مسلمانان ارکان کی بڑی بڑی خدمات سر انجام دی تھیں، جن کی جھلکیاں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں، یاد رہے کہ حکیم لقمان صاحب کا تذکرہ بھی میرے اس سلسلۂ کاوش میں شامل ہے، وہیں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔
مورخ ارکان جناب خلیل الرحمن صاحب کی تعلیم کی ابتدا اپنے علاقے سے ہوئی، آپ نے ۱۹۰۷ء میں جماعت ہفتم (اردو) کی تعلیم اپنے علاقے کے مشہور اردو مڈل اسکول میں حاصل کی، اس کے بعد آپ رنگون تشریف لے گئے، وہیں مدرسہ اسلامیہ اینگلو ورنیکولر اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے آپ نے ابتدائی انگریزی تعلیم حاصل کرکے سکنڈری گریڈ مدرسی کا امتحان دیا، پھر تھرڈ گریڈ پلیڈر شپ (وکالتی) امتحان میں ۱۹۲۸ء میں شرکت کی، چنانچہ خلیل الرحمن صاحب کی علمی صلاحیت اور کچھ

خدمات پر مولانا حافظ محمد صدیق صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''مورخ صاحب اگر چہ باقاعدہ عالم دین نہیں ہیں، تاہم وسیع معلومات، ملکی سیاست اور اعلی تعلیم وتربیت کے حوالے سے عالم دین سے کم بھی نہیں ہیں، موصوف نے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ارکان کے ضلع سانڈوے میں موجود مدرسہ ''سنت جماعت سوسائٹی'' میں پانچ چھ سال تک صدر المدرسین کی حیثیت سے تدریسی خدمات سر انجام دیں، اس کے بعد ۱۹۱۹ء تا ۱۹۲۶ء محمد ملن یلمنٹری ٹریننگ کلاس گورنمنٹ نارمل اسکول اکیاب میں اردو ہیڈ ماسٹر رہے''۔(۱)

جہاں تک پتہ چلا کہ مورخ صاحب مرحوم اگر چہ بریلوی مشرب کے دانشور تھے، مگر آپ کے اندر شدت پسندی نہیں تھی، یاد رہے کہ ہمارے یہاں بعض بریلوی دانشوران پائے جاتے ہیں، ان میں سے بعض بڑے شدت پسند ہیں، اور بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ان میں سے بعض مرفوع القلم بھی ہیں، عاشق رسول کے ڈھنڈورا پیٹنے والے یہ دانشوران علمائے اہل سنت والجماعت کے خاصے دشمن ہوتے ہیں، لیکن مورخ صاحب بڑے دین دار، خدا ترس اور معتدل مزاج کے انسان تھے، آپ کی ہر گفتگو میں توازن اور آپ کی ہر فکر میں اعتدال کی جھلیاں نظر آتی ہیں، بڑے دل جلے سیاست دان اور بڑے دور اندیش اور صاحب بصیرت ارکانی مورخ وقلم کار ہیں، آپ اور آپ کے قلم نے امت مسلمہ ارکانیہ پر جو احسان کیا ہے، اسے بھولے سے بھی بھلایا نہیں جا سکتا۔
مورخ ممدوح کی دو اردو تصانیف ارکان اور وہاں کے امت مسلمہ کے حوالے سے شائع ہو کر منظرِ عام پر آئی ہیں، وہ یہ ہیں:
(۱) تاریخ اسلام برما وارکان مع مختصر حالات۔
(۲) جنگ جاپان اور خطۂ ارکان (کربلائے ارکان)
اردو زبان میں یہ دونوں تصانیف آپ کے بعد لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا ماخذ بنی ہوئی ہیں، راقم السطور نے بھی ان دونوں کتابوں سے بہت ہی استفادہ کیا ہے، چنانچہ ان دونوں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حافظ محمد صدیق صاحب لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) مولانا حافظ محمد صدیق مشاہیر ارکان برما، ص:۲۶۰۔

"مورخ ارکان صاحب نے جب دیکھا کہ ارکانی علماء تالیفی وتصنیفی میدان میں پیچھے ہیں ،اور روہنگیا قوم کی مستند تاریخ پر قابل ذکر اردو میں کوئی کتاب نہیں ہے، جو کچھ اثاثہ ہے وہ روہنگیا کی زبان میں ہے یا بزرگان ارکان کے سینوں اور اقوام غیر کی متفرق کتابوں میں منتشر صورت میں ہے، تو انہوں نے ان سب کو یکجا کر کے اردو زبان میں منتقل کرنے کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ اس قومی خدمت اور دلی جذبہ کے تحت مورخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ ارکان پر قلم اٹھایا، اور تاریخ اسلام برما وارکان مع مختصر حالات ملایا اور ملیشیا" کے نام سے اردو زبان میں ایک کتاب لکھ دی، جو بعد میں لکھی جانے والی اکثر کتابوں کا ماخذ اور مصدر قرار پائی، یہ کتاب ۲۰۶ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب سب سے پہلے ۱۹۴۲ء میں کلکتے سے شائع ہوئی، اس کے بعد دوبارہ ۱۹۹۲ء میں کراچی سے طبع ہوئی، مورخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں اپنے پر نانا آو جی سوداگر کی لکھی ہوئی کتاب "روشنگ پنجالی" (تاریخ ارکان) اقوال بزرگان ارکان برما، فرنگیوں کے جرائد و رسائل، اپنے مشاہدات اور دیگر کتب تاریخ سے استفادہ کر کے معتد بہ مواد جمع کیا، اور صحیح معنوں میں ارکانیوں کی ترجمانی کی، مورخ صاحب کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ "اس رسالہ (قومی حالات) کی تالیف کی میری خاص غرض یہ ہے کہ برادران ملت کو برما وارکان کے قدیم مسلمانوں کی اصلیت وقومیت وغیرہ کی بابت پوری واقفیت نہیں ہے، بلکہ فی زمانہ غیر قوموں و نیز دیگر ابنائے وطن کا یہ خیال غلط ہے کہ برما وارکان کے سارے مسلمان انڈین کی اولاد ہیں، اور بعض مخصوص مقامات کے قدیم مسلمانوں کو پھیہ بت خانہ کے خادموں کی اولاد سے منسوب کیا جاتا ہے، جو سراسر غلط و تعصب آمیز ہے ،بحیثیت برمی مسلم ہونے کے اس خاکسار کے دل میں حب قومی کا جوش موجزن ہوا، اور خیال آیا کہ ایک ایسا رسالہ مجموعی قومی حالات کا اردو زبان میں قلمبند کیا جائے، جس سے ہمارے برما کے مسلم اور ارکانی مسلم بھائیوں اور بہنوں کو جو اردو زبان داں ہیں، اپنی اپنی نسل اور قومیت کا کچھ پتہ بآسانی مل جائے"۔(۱)

(۱) مولانا حافظ محمد صدیق مشاہیر ارکان برما، ص: ۲۶۰-۲۶۱۔

مورخ صاحب کی دوسری قابل قدر کتاب "جنگ جاپان اور رحطۂ ارکان" (کربلائے ارکان) کے نام سے ہے، جو ۱۹۴۲ء کے بعد منظر عام پر آئی ہے، اس کتاب میں مورخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۲ء کے "مگھ کاٹا کاٹی" (قتال مگھ و مسلم) کے واقعات بہت عمدہ انداز میں تحریر کئے، اور مختلف جگہوں میں اپنے مشاہدات بھی قلم بند کئے ہیں، چنانچہ موصوف صفحہ ۴۵ پر رقمطراز ہیں کہ:

"میں نے خود دیکھا ہے کہ امباری کی سڑک کے کنارے پر انسانی کھوپڑیاں جگہ جگہ پڑی ہوئی ہیں، پوچھنے پر موجود لوگوں نے بتایا کہ یہ ان شہداء کی کھوپڑیاں ہیں، جنہیں برما کی آزاد فوج نے شہید کر دیا تھا"۔

اڈووکٹ جناب خلیل الرحمن صاحب قابل قدر شاعر بھی تھے، اول الذکر کتاب میں آپ نے جگہ جگہ اپنے اشعار و مخصوص ابیات کے ذریعے اپنے دل کی دھڑکن اور بھڑاس بھی نکالی ہے، یہ اشعار و ابیات آپ کی روشن ضمیری اور خیالات کا عکس ہے، جس نے آپ کی کتاب اور کتاب کے مضامین میں چاشنی کا کام دیا ہے، سر دست (میں ابھی سعودی عرب میں مقیم ہوں) آپ کی کتاب میرے پاس نہیں ہے، حافظ محمد صدیق صاحب سے مستعار لے کر چند مصرعے یہاں لکھ دیتا ہوں:

کون سنتا امتِ مرحوم کا نالہ ہے یاں	کہ انا الموجود کے دم زن ہیں سب خرد و کلاں
برما مسلم ہو کے بھائیو کیوں بنے کالا تکاں	قعر ذلت میں گرے کیوں ہو کے خیر الامتاں
سید و شیخ اور مغل کی نسل ہو مومنو !	پھر بھلا دی تم نے وہ بھی خاندانی داستاں

غرض مورخ موصوف بڑے دردمند انسان تھے، دینداری، پرہیزگاری اور سخاوت میں بھی یکتا کے روزگار تھے، جہاں تک پتہ چلا کہ آپ نے ۱۹۶۵ء کے لگ بھگ انتقال فرمایا، اللہ تعالی آپ کو اپنے سایۂ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔



دولا میاں صاحب،کمانڈر،شیتا فوریکوی،منگڈوی

جناب دولا میاں صاحب ۱۹۲۶ء میں جنوبی منگڈو کے قصبہ شیتا فوریکہ میں ایک مالدار اور زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے،آپ کے والد صاحب اپنے علاقے میں ایک زمیندار ہونے کے ساتھ ایک معزز سخی انسان کی حیثیت سے معروف تھے، کہتے ہیں کہ وہ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھلاتے پلاتے تھے، چونکہ جناب دولا میاں کے والد صاحب ایک زمیندار اور مالدار تھے تو ان کا بچپن بڑے ناز ونعمت اور کسی قسم کی پریشانی کے بغیر گزرا تھا۔

دولا میاں صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ تک کی تعلیم گاؤں میں پائی، کچھ بڑے ہوئے تو اپنے ہم نشینوں کے ساتھ دن گزارنے لگا، چونکہ وہ بڑے مضبوط جسم کے مالک انسان تھے تو لوگ ان کو کشتی بازی کے لئے بلانے لگے تھے، یوں وہ ''دولا میاں بلی'' کے نام سے مشہور ومعروف ہوگئے، کہتے ہیں کہ وہ جہاں بھی کشتی بازی کے لئے گئے، فاتح اور کامران ہوکے واپس آئے تھے۔

دولا میاں صاحب کے جسم کی مضبوطی کے ساتھ ان کی بہادری نے جناب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی نظر ان کے طرف کھینچا، چنانچہ راجا صاحب کی طرف سے ان کو جہاد کی دعوت دی گئی تو وہ اس دعوت کو لبیک کہتے ہوئے ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے تھے۔

ایک اطلاع کے مطابق جناب دولا میاں صاحب ۱۹۴۹ء میں ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے تھے، اس پارٹی میں شامل ہوتے ہی انہوں نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد وہ ابتداء میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے جہادی کام کرنے لگے، چند معرکوں میں شرکت کی، اور جہاں بھی عسکری کاروائی کے لئے گئے انہوں نے اپنی دلیری اور بہادری کا لوہا منوایا، چنانچہ ان کی بہادری، دلیری اور جفاکشی کو دیکھ کر محمد قاسم راجا صاحب نے ان کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا، قاسم صاحب آپ کو بہت پسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ دولا میاں کی بہادری اور جفاکشی سے مجاہدین کو سبق سیکھنا چاہئے۔

کمانڈر بننے کے بعد جناب دولا میاں صاحب نے اپنے گرپ کے مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے چند بڑے بڑے معرکے سر کئے، کہیں بھی ان کو پسپائی کا چہرہ دیکھنا نہیں پڑا، اور ہر جگہ اپنی بہادری اور جواں مردی کا داغ بٹھا دیا تھا، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد جناب دولا میاں عرصۂ دراز تک روپوش رہے، بعد میں وطن میں ہی ان کا انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

راغب اللہ صاحب،کمانڈر،کولونگی،راسیدنگی

کرنل جناب راغب اللہ صاحب ۱۹۲۵ء میں جنوبی منگڈو/ راسیدنگ کی معروف بستی کولونگ میں ایک مثقف اور باثروت گھر ہونے میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان ایک علمی اور دین دار خاندان تھا، علم و ثقافت آپ نے اپنے خاندان سے وراثت میں پائی تھی، کہتے ہیں کہ آپ کے خاندان کے اکثر افراد قوم وملت کے مستقبل پر متفکر تھے، مگھ برمیوں کے ظلم وتعدی کے خلاف ان کی آوازیں ہر وقت تیز رہتی تھیں، وہ برمی ظالموں کو نہ صرف ظالم سمجھتے بلکہ انہیں انسان نما وحشی یا حیوان بھی سمجھتے تھے۔

جناب راغب اللہ صاحب نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پائی، استاد آپ کو بہت پسند کرتے تھے، بعد میں گاؤں کے سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت تک پڑھ کر علاقہ کے اور ایک سرکاری اردو اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ساتویں جماعت تک پڑھ کر مدرسہ میں داخلہ لیا، جہاں سے قرآن کریم کے ترجمے اور فقہ ومنطق کی تعلیم پائی، آپ کو اردو زبان سے بڑی دلچسپی تھی، وہ شاعر مشرق حضرت علامہ سر محمد قبال اور آپ کے کلام کے بڑے شیدائی تھے۔

۱۹۵۰ء کے اواخر میں جناب راغب اللہ صاحب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی قیادت میں چلنے والی پارٹی ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے، آپ کی ذہانت اور فطری صلاحیات پر آپ کے احباب ورفقا کے علاوہ خود قاسم راجا صاحب بھی متعجب ہوجاتے تھے۔

قدرت نے راغب اللہ صاحب کے اندر دقیقہ سنجی اور معاملہ فہمی کی صفات کوٹ کوٹ کر بھر دی تھیں، آپ جہاں کہیں بھی جاتے لوگ آپ پر جان چھڑکتے تھے، سچائی ، وفاشناسی استعداد اور صلاحیات کو دیکھ کر قاسم راجا صاحب نے آپ کو پہلے ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر پھر کرنل کا خطاب دیا، جس کے بعد آپ کی صلاحیت میں اور بھی نکھار آیا تھا۔

۱۹۵۴ء میں قاسمی پارٹی کی تباہی کے بعد جناب کرنل راغب اللہ صاحب سیف الملوک والے دھڑا کی قیادت سنبھال کر عرصۂ دراز تک ملک وملت کی خدمات انجام دیتے رہے، اس دوران آپ نے بہتوں معرکوں میں دشمن کو پسپا کیا تھا۔

۱۹۵۵ء کے دوران جناب کرنل راغب اللہ صاحب محمد عباس کی قیادت میں چلنے والی جماعت ''جہاد کونسل'' سے معاہدہ کرنا چاہتے تھے، لیکن اس دوران خود جہاد کونسل میں اندرونی خلفشاریاں شروع ہو

چکی تھیں، پھر بھی آپ ایک موقع کی تلاش میں سرگرداں تھے، ایسے حالات میں ۱۹۶۰ء میں اونو حکومت نے مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن کا جھانسہ دے کر نہ صرف ارکان کے مسلم عوام بلکہ مجاہدین کو بھی دھوکے کے جال میں پھنسالیا، چنانچہ آپ کی جماعت نے حکومت سے ایک معاہدہ کے تحت برمی نائب سپہ سالار جنرل اونگ جی کے سامنے ۱۹۶۱ء میں ہتھیار ڈال دیا تھا۔

چونکہ اس ہتھیار کے ڈالنے کے قبل برمی حکومت نے مجاہدین سے جو وعدہ کیا تھا، بعد میں اس کا لحاظ بالکل نہیں رکھا گیا تو آپ نے ایک سال کے اندر ہی پھر سے مسلح جہاد شروع کر دیا تھا۔

جناب راغب اللہ صاحب نے ۱۹۶۳ء کے دوران کمیونزم پارٹی کے لیڈر لاٹا نگ پرو سے ملاقات کی، اور دونوں اس نتیجے پر پہنچے کہ ارکان میں برمی فوجی حکومت کے خلاف مل جل کر کاروائیاں کرنی چاہئے، لیکن اطلاع یہ ہے کہ مذکورہ سال کے اواخر میں خود لاٹا نگ پرو کے لوگوں نے خفیہ طریقے سے جناب کرنل راغب اللہ صاحب کو شہید کر دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رشید احمد صاحب، معروف بہ مایو رشید، شیل گھاٹوی

جناب رشید احمد بن الحاج ٹھنڈہ میاں بستی شیل گھاٹ، بوسیدنگ میں ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ارکان کے عام بچوں کی طرح مکتب اور سرکاری ابتدائی اسکول میں پائی، چوتھی جماعت برمیز پاس کر کے ۱۹۵۳ء میں بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، یہاں دو سال تعلیم پا کر ۱۹۵۵ء میں منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ، جہاں سے ۱۹۵۹ء میں ہائی اسکول فائنل کیا تھا۔

ہائی اسکول کی تعلیم کے زمانے میں رشید احمد صاحب اسٹوڈنٹ موومنٹ سے منسلک رہے، ۱۹۶۰ء میں روہنگیا یوتھ لیگ میں شامل ہو گئے، لیگ میں آپ نے مدت دراز تک جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہتے ہوئے قومی خدمات انجام دیں، اس دوران جب مگھوں نے پوری سرزمین ارکان کو ایک مگھ ریاست بنانے کی سازش کی تو آپ نے اس سازش کے خلاف پوری قوت سے مقابلہ کیا، حتی کہ مگھوں نے آپ کو خریدنے کی بھی کوشش کی تھی مگر آپ نے قومی مفاد کے خلاف بچائے جانے والے جال کو اپنی چال سے پارہ پارہ کر دیا، اس دوران مگھوں کی مشہور پارٹی راٹانیاں نے آپ کے خلاف بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا، مگر ہر موقع پر آپ نے اس کی سازش اور پروپیگنڈوں کا مقابلہ کیا، جس میں ایک حیثیت سے آپ کامیاب رہے تھے۔

جناب رشید احمد المعروف بہ مایو رشید صاحب بعد میں رنگون گئے، وہاں آپ نے اس وقت کے مرکزی وزیر جناب ایم اے رشید اور جناب عبد اللطیف کے علاوہ مگھ لیڈر راو باسوے چوکپر ووی سے مل کر کام کئے، آپ ان تینوں لیڈروں کے قریبی ساتھی بن گئے تھے، او باسوے جو اس دوران مرکزی وزیر برائے امور امیگریشن تھا سے تعلقات پیدا کر کے ارکان کے مظلوم مسلمان جو مگھ اور برمی درندہ مثال امیگریشن کے مظالم کے شکار ہوئے تھے کو بچانے کی بے حد کوشش کی، یوں سینکڑوں مظلوم مسلم قیدیوں کو قید خانے سے چھٹکارا بھی دلوایا تھا۔

رشید صاحب شروع میں ارکان کی جہادی تحریک کے سخت مخالف تھے، مجاہدین کو جہاد سے دور کرنے کی بہتوں کوشش کی، اس حوالے سے اس وقت کے مجاہدین کے ساتھ آپ کی بڑی بڑی کشمکشوں کی باتیں ملی ہیں، کہا جاتا ہے کہ ۱۹۶۱ء میں جن مجاہدین نے جنرل اونگ جی کے سامنے ہتھیار ڈال چکے تھے، یہ رشید صاحب ہی کی کوشش کے نتیجے میں عمل میں آیا تھا، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ

کے تھوڑے عرصہ بعد جناب عبدالرشید بوری چنگی کی شہادت اور میجر جنرل مرحوم صالح احمد صاحب اور میجر جنرل مرحوم محمد شفیع کی گرفتاری بھی آپ ہی کے ذریعے عمل میں آئی تھی۔

۱۹۶۰ء کے انتخابات میں رشید صاحب پھاسا پالا اونو کے ساتھ رہے، ۱۹۶۱ء میں آپ کو وفاقی حکومت نے سیکالوجیکل ورفیر افسر چن لیا تھا، یاد رہے کہ آپ کے ساتھ جناب ماسٹر وجیہ اللہ کیلا دنگی مرحوم کو اس مذکورہ عہدہ پر چن کیا گیا تھا، جس کی وجہ سے آپ کو مایورے رشید کہا جاتا ہے، چنانچہ آپ کے بیان کے مطابق اس عہدے میں رہ کر آپ نے ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات نبھائی تھیں ،جبکہ آپ کے خلاف اس دوران کی بہت ساری بدنامیاں اور طعنے بھی سننے میں آئے ہیں، میں نے اس حوالے سے آپ سے ایک طویل انٹرویو لیا تھا، جس میں آپ نے اپنی صفائی پر طول طویل داستانیں سنائیں ، اس انٹرویو کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ آپ پر جو طعنے لگائے گئے تھے اس میں کچھ سچائیاں بھی تھیں، تاہم اس عہدے سے سبکدوشی کے فورا بعد مگھ برمی حکومت کے بارے میں آپ کے خیالات وافکار میں خاصی تبدیلی آچکی تھی۔

۱۹۷۲ء میں سابق برمی وزیر اعظم اونو کی قیادت میں PDP کی بنیاد پڑی (یاد رہے کہ اس پارٹی کی بنیاد تھائی لینڈ کے دارالحکومت بنکاک میں پڑی تھی) تو جناب رشید صاحب کی توجہ اس پارٹی کی طرف گئی، ۱۹۶۲ء کے بعد ملک کے اقتدار پر برمی فوج نے مکمل قبضہ کیا تو آپ کے خیالات میں بڑی تبدیلی آئی تھی، بہر حال اونو کی قیادت میں مذکورہ پارٹی کا اعلان ہوا تو آپ اپنے چند رفقاء سمیت تھائی لینڈ پہنچ گئے، ان رفقاء میں مولانا محمد کبیر خواندنگی، عبدالصمد، عبدالرحمن، عنایت اللہ اور خلیل الرحمن قابل ذکر ہیں، تھائی لینڈ پہنچتے ہی رشید صاحب نے PDP کے مرکزی سکریٹری جنرل اوٹو یٹنگ سے ملاقات کی اور اس پارٹی میں باقاعدہ شامل ہو کر چند مہینے کام بھی کئے تھے، بعد میں پارٹی نے فیصلہ کیا تھا کہ آپ اور آپ کے رفقاء ارکان پہنچ کر ایک علیحدہ زیر زمین محاذ کھول کر کام شروع کریں، چنانچہ آپ اور آپ کے مذکورہ رفقاء خفیہ راستے سے ارکان پہنچتے ہی علیحدہ محاذ کھولنے کے بجائے اس وقت ارکانی مسلمانوں کے مفاد میں زیر زمین کام کرنے والی معروف تنظیم "روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) میں شامل ہو گئے تھے، جس میں موصوف نے عرصۂ دراز تک کام کئے تھے۔

ستمبر/ ۱۹۷۲ء میں رشید صاحب کی قیادت میں قائد پارٹی جناب جعفر ثانی نے ایک وفد بنگلہ دیش بھیجا، جہاں آپ نے بنگلہ دیش کے اعلی حکام سے ملاقات کر کے ارکان کے مظلوم مسلمانوں کے حوالے سے کام کرنے والی اس مذکورہ تنظیم کے لئے تعاون کی گزارش کی تھی، چنانچہ اطلاع یہ ہے کہ ان اعلی حکام نے تعاون کا وعدہ تو کیا لیکن بعد میں حالات نے انگڑائیاں لیں اور وعدہ بس وعدہ ہی رہ گیا، عملاً کوئی تعاون نہیں مل سکا تھا۔

۱۹۷۳ء میں حضرت محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی بنیاد پڑی تو رشید صاحب نے اس میں شامل ہوئے بغیر دو تین سال انتظار کے دن گزارے، اس کے بعد ۱۹۷۵ء میں بنگلا دیشی خبر رساں ایجنسی سے منسلک ہو گئے، اور اس سال بنگلا دیشی خبر رساں ایجنسی کی ہدایت پر را مالا پا (مگھ گوریلا تنظیم) (۱) میں شامل ہو گئے، اور بڑی دلیری اور جاں بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایجنسی کو معلومات فراہم کرتے رہے، بالآخر ایک موقع پر آپ نے بنگلا دیشی آرمی کے تعاون سے اس بربر اور وحشی پارٹی کے خلاف فوجی کاروائی کر کے اس پارٹی کے چند ہتھیار چھین لئے اور چندوں کو جہنم رسید بھی کر دیا، اس واقعہ کے بعد آپ نے ایک علیحدہ تنظیم کا بھی اعلان کر دیا تھا۔

یاد رہے کہ اس وقت ار پی ایف کی مرکزی قیادت اور آپ کے درمیان بڑی کشمکش ہو گئی تھی، اس کشمکش کے حوالے سے راقم السطور نے آپ سے پوچھا تو آپ نے اپنی صفائی میں ایک طول طویل کہانی سنا کر مجھے خاموش کرنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری اور حضرت مولانا عقیل احمد صاحب قاسمی کی قیادت میں مسلح روہنگیا جمعیت علماء کی بنیاد پڑی تو رشید صاحب اپنے چند رفقاء سمیت اس میں شامل ہو گئے، بعد میں جمعیت علماء نے آپ کو سپہ سالار مقرر کیا تھا، لیکن چند مہینے جاتے نہ جانے آپ کے ساتھ جمعیت کی مرکزی قیادت کی کشمکش شروع ہو گئی تھی، یوں آپ نے جمعیت علماء سے علیحدگی اختیار کر کے پھر اپنی پرانی تنظیم روہنگیا لبریشن آرمی (RLA) کی قیادت سنبھالی، مگر ۱۹۸۶ء میں آپ اپنے تمام مسلح رفقائے کار سمیت ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) میں شامل ہو گئے تو فرنٹ نے آپ کو مرکزی مجلس عاملہ کا رکن بھی چن لیا تھا۔

---

(۱) مگھوں کی اس تنظیم نے ارکان بنگلہ دیش سرحد پر ۱۹۷۵ء کے دوران بڑے پیمانے پر ڈاکہ زنی شروع کر رکھی تھی، ممکن ہے کہ بنگلا دیشی خفیہ خبر رساں ایجنسی نے اس کی سرکوبی کے لئے جناب رشید صاحب کی خدمات لی تھیں، چنانچہ آپ نے اس حوالے سے جس طرح دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا، وہ کسی عام انسان کی بس کی بات نہیں ہے۔

رشید صاحب ۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۰ء تک فرنٹ کے ساتھ باقاعدہ منسلک رہے، ۱۹۹۰ء میں آپ اور مرحوم محمد ایوب کی قیادت میں چند مجاہدین نے اتحاد المجاہدین کے کیمپ پر حملہ کیا تو فرنٹ نے آپ اور اس حملہ میں ملوث تمام مجاہدین کو ملزم ٹھہرایا، یوں آپ نے موقع پاتے ہی ان مجاہدین سمیت ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ سے علیحدگی اختیار کر لی،آپ بعد میں اسی سال اپنے تمام رفقاء سمیت روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) میں شامل ہو گئے، مگر چند دن جاتے نہ جائے آپ نے اس پارٹی سے بھی علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

یوں تو روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) میں فرنٹ سے علیحدگی اختیار کرنے والے مجاہدین شامل ہو گئے تھے، لیکن ارایل اووالوں نے ان کو سنبھالا نہیں دے سکا، یوں چند مہینے گزرتے نہ گزرتے ان مجاہدین نے اپنے پاس کے تمام اسلحہ جات سمیت برمی فوجوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیا، جس کے بعد ارایل او والے تو چاٹگام جا چھپے، لیکن رشید صاحب نے اپنی پرانی ایجنسی کے سائے تلے کوکس بازار میں پھر سے کام شروع کر دیا۔

رشید صاحب کو جہاں تک میں نے دیکھا، بڑے ہشیار، چالاک، زیرک انسان دیکھا، یوں بھی آپ کی چالاکی اور زیرکی کی بات ہمارے سیاسی وانقلابی حلقے میں مشہور ہے، مجھے کوکس بازار میں چند دن آپ کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا تھا، اسی زمانے میں میں نے آپ کو نماز کے پابند اور قوم کے دردمند انسان دیکھا، اللہ تعالی آپ کو مزید ہدایت کی توفیق سے نوازے، آمین۔

رفیع القدر صاحب، انجینئر، باغونوی، بوسیدنگی

مشہور سخی انجینئر جناب رفیع القدر معروف بہ کالا میاں صاحب کی ولادت ۱۹۳۴ء میں جنوبی بوسیدنگ کی بستی باغونہ میں ہوئی، آپ کے والد صاحب بھی ایک عالم دوست اور بڑے سخی انسان تھے، اور والدہ بھی ایک خدا ترس اور سنجیدہ قسم کی خاتون تھی، جس کا تعلق خاندان شاہ عبد اللطیف حجازی کجافوی سے تھا۔

انجینئر صاحب نے مکتب نشینی اور ابتدائی دینی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پائی، اس کے بعد جب آپ کے خاندان باغونہ سے منتقل ہو کر قریبی بستی منشی فارہ گیا تو آپ نے منی بیل کے سرکاری پرائمری اسکول (جس کے موسس وبانی حضرت مولانا عبد الغفار صاحب ایم پی وبرمی پارلمانی سکریٹری تھے) میں داخلہ لیا، وہیں سے ۱۹۴۵ء میں چوتھی جماعت کا امتحان پاس کر کے بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، وہیں سے ۱۹۵۲ء میں ہائی اسکول فائنل کیا، اس کے بعد چوکپرو گئے، اور چوکپرو کالج سے ۱۹۶۱ء میں انجینئر نگ میں بی ای (BE) کی ڈگری حاصل کی، آپ نے ۱۹۶۲ء میں ماسٹر سعید احمد صاحب کیاکتوی کی صاحب زادی سے شادی کی، جو نہایت عابدہ اور خلق خدا سے شفقت رکھنے والی خاتون ہے۔

تعلیم سے فراغت کے معا بعد آپ نے سرکاری ذمہ داری سنبھالنی شروع کی، ۱۹۶۲ء میں منگڈو ٹاؤن شپ میں سول انجینئر ہو کے آئے، وہاں آپ نے تقریبا ایک سال تک کام کیا، کہتے ہیں کہ نلبنیہ والے سرکاری اسکول آپ کے تعمیر کردہ ہے۔

۱۹۶۳ء میں انجینئر رفیع القدر صاحب چوکپرو منتقل ہو گئے، جہاں تقریبا پانچ سالوں تک مسلسل سرکاری ذمہ داری نبھائی، بعد ازاں ۱۹۶۸ء میں برما کے شہر مووی میں منتقل ہو گئے، وہیں تقریبا چھ سالوں تک کام کرتے رہے، پھر سن ۱۹۷۵ء میں چن اسٹیٹ برما کے شہر بامو (BAMO) میں تبدیل ہو گئے، جہاں آپ نے مسلسل سات سالوں تک خدمات انجام دے کر ۱۹۸۹ء میں دوبارہ مووی میں تبدیل ہو کر گئے، جہاں چند سال کام کئے، اور آخر میں رنگون کے عین شہر میں تبدیل ہو کر آپ نے عیش وآرام کی زندگی گزاری، وہیں آپ کی وفات ہوگئی۔

انجینئر رفیع القدر صاحب نے اپنی عملی زندگی کی ابتداء سے اختتام تک حکومت برما کی بڑی وفاداری سے کام کیا ہے، حتی کہ ترقی کے مختلف مدارج طئے کرتے ہوئے سنٹرل انجینئر نگ کمیٹی آف رنگون ڈویژن کے دوسرے نمبر کے عہدے پر پہنچے، اور اسی منصب پر رہتے ہوئے ۲۰۰۳ء میں پنشن لی تھی۔

پنشن کے چند دن بعد آپ نے فریضۂ حج کی ادائگی کی خاطر اپنی اہلیہ اور دو بچے سمیت حجاز مقدس تشریف لے گئے تھے، حج کے بعد آپ سے میری ملاقات جوار بیت اللہ شریف میں ہوئی تھی، میں نے آپ کو جس طرح سنا اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر پایا، بڑے وضعدار اور ملت عزیز کے دردمند اور روہنگیا قوم کے مستقبل پر سوچنے اور فکر کرنے والا انسان پایا تھا۔

انجینئر صاحب بڑے سخاوت پسند انسان تھے، یہاں تک مشہور ہے کہ رنگون میں آپ کے علاقے کے ہر کسی کو آپ نے مالی تعاون کیا تھا، علاوہ ازیں آپ نے اپنے جیب خاص سے متعدد مساجد اور مدارس کی تعمیر کروائی تھی، جن میں باغکونہ (بوسیدنگ) کی جامع مسجد بھی شامل ہے، کہتے ہیں کہ مدارس جس قسم کی بھی ہو آپ کے پاس اس کا مندوب پہنچا تو اس کو کبھی بھی خالی ہاتھ واپس نہیں کیا تھا، آپ بڑے بردبار، اور حلیم الطبع انسان تھے، آپ نے غالبا ۲۰۱۱ء میں رنگون میں انتقال کیا، اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، امین یارب العالمین۔

زین العابدین، بی اے، سیاسی، ماسٹر، خنڈلی، کیوکتوی

ارکان کے معروف سیاستدان جناب زین العابدین معروف بہ ماسٹر زین الدین کیوکتو کی مردم خیز بستی خنڈل میں پیدا ہوئے، انہوں نے ابتدائی تعلیم ان کے آبائی گاؤں میں اور متوسطہ کی تعلیم شہر اکیاب میں پائی، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے کلکتہ گئے، وہیں سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے وطن آئے تھے، چنانچہ ان کی اعلی تعلیم کے متعلق جناب ماسٹر ظہیر الدین احمد بی اے علیگ نے اپنی تصنیف ''زبان مشرقی بنگال وارکان'' میں رقمطراز ہیں کہ:

> ''مسٹر زین الدین روہنگیا قوم (یادرہے کہ جناب ظہیر الدین صاحب ارکان کے مسلم باشندوں کو دو نسلوں سے شمار کرتے تھے، ایک روہنگیا دوسری بنگالی) کے اکلوتے گریجویٹ تھے، آپ نے کلکتہ یونیورسیٹی سے ڈگری حاصل کی اور اکیاب میں مگھوں کے ایک پرائیوٹ ہائی اسکول کے سپرنٹنڈنٹ تھے، آپ کو اردو سے خداداد واسطے کی دشمنی تھی''۔

۱۹۴۲ء کے واقعہ کرب وبلا کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ ماسٹر زین الدین صاحب نے مگھوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا، اس حوالے سے مجھے ایک کیوکتو کے مسلمان نے بتایا ہے کہ:

> اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسٹر زین العابدین صاحب نے ارکان میں بنگالی اور ہندوستانی مسلمانوں کی استیصال کے لئے ارکانی ظالم اور وحشی مگھوں کا ساتھ دیا تھا، باوجودیکہ میں ان کے علاقے کا ایک مسلمان ہوں، لیکن انہوں نے ۱۹۴۲ء میں جو نازیبا حرکت اور ناروا سرگرمی کی تھی، اس سے میں بذات خود بہت دکھی اور بہت پریشان ہوں''۔

۱۹۴۲ء میں مسٹر زین الدین صاحب کے مگھوں کے ساتھ تعاون کی بات صحیح ہو یا غلط لیکن ان کو اردو زبان سے خاص طور پر دشمنی ضرور تھی، انہوں نے سرزمین ارکان سے اردو کو نکال باہر کر کے اس کی جگہ برمی زبان کو رکھنے اور مستحکم کرنے کی بڑی جدوجہد کی تھی، سردست میں اس طرف جانے سے گریز کرنے کو مناسب سمجھ رہا ہوں کہ آیا سرزمین ارکان کے مسلمانوں کے لئے اردو کی تعلیم اچھی تھی یا برمی، لیکن جہاں تک پتہ چلا کہ مسٹر زین الدین کے برعکس اردو کی بحالی کے لئے جناب ظہیر الدین احمد

صاحب بی اے (علیگ) وغیرہ نے بڑی حد تک کوشش کی تھی، چنانچہ ظہیر الدین صاحب نے اپنی کتاب ''زبان مشرقی بنگال وارکان'' میں جناب زین الدین صاحب کی اردو مخالفت پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے ان کو مگھوں اور برمیوں کا ایک چلتا پھرتا ایجنٹ تک قرار دیا ہے، ظہیر الدین احمد صاحب اپنی مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

> ''سب سے زیادہ قابل توجہ منظر میں نے یہ دیکھا کہ مسٹر زین الدین نامی ایک روہنگیا مسلمان افسر کی رہبری میں مقامی عہدیداران اور عوام اردو کو خیر باد کہہ چکے ہیں، اور شمالی ارکان کے اردو مدارس جو حالت جنگ میں بھی کھلے ہوئے تھے، بند کئے جا رہے ہیں، یا برمی اسکولوں میں تبدیل کئے جارہے ہیں، اور مقامی عہدیداران پبلک سے گرانقدر چندے انگلو برمی اسکول قائم کرنے کے لئے سمیٹ رہے ہیں''۔

پھر مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''مسٹر زین الدین خاص ارکان کے رہنے والے روائنگا (روہنگیا) مسلمان تھے، انگریزوں کا برتاؤ ان کے ساتھ بھی اس طرح اچھا تھا جس طرح مگھوں کے ساتھ تھا، مسٹر زین الدین پر انگریزوں کی نظر عنایت دیکھ کر شمالی ارکان کے مسلمان افسروں نے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان کو اپنا وسیلہ بنایا تھا، مسٹر زین الدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا، انہوں نے شمالی ارکان کے مسلمان افسروں سے کہا کہ مخبروں نے ہر تعلیم یافتہ اور خوش حال شخص کے خلاف جھوٹی یا سچی خبر پہنچائی ہے، آپ لوگوں کے خلاف بھی خبریں پہنچی ہیں، یہ سن کر ارکان کے مسلمان افسروں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی، وہ اس خوف سے لرزنے لگے کہ جس طرح انہوں نے بہتوں کو انگریزوں کے ہاتھوں قتل یا گرفتار کرایا ہے، اسی طرح خود وہ بھی کسی نہ کسی دن قتل یا گرفتار ہو جائیں گے، اس خوف سے انہوں نے مسٹر زین الدین کی ہر آواز اور ہر اشارہ پر آمنا وصدقنا کہنا شروع کر دیا، اس طرح مسٹر زین الدین بلا شرکت غیرے شمالی ارکان کے عہدیداروں کا واحد ترجمان ولیڈر بن گئے''۔

مسٹر زین الدین نے جون/ ۱۹۴۵ء میں شمالی ارکان کا دورہ کیا، اس دورہ کا مقصد شمالی ارکان کی زمین

کو اردو کے خلاف ہموار کرنا اور اردو کے خلاف مواد جمع کرنا تھا، ظہیر الدین جو اردو کے حق میں کام کرنے والوں کے لیڈر تھے سے انہوں نے ملاقات بھی کی، ان کو اپنانے کی بڑی کوشش کی تھی، لیکن ظہیر الدین صاحب ان کے سامنے سرنگوں نہ ہوتے ہوئے لوگوں کو مشورہ دیا کہ مسٹر زین الدین سے ملاقات کرنے سے گریز کریں، بعد ازاں انہوں نے مسٹر زین الدین صاحب کا ایک طویل بیان شائع کروایا، جس کا اقتباس ظہیر الدین صاحب کے حالات میں پیش کیا جا چکا ہے، تفصیل وہاں دیکھی جاسکتی ہے، لیکن اس حوالے سے مسٹر ظہیر الدین صاحب اپنی مذکورہ تصنیف میں ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ:

> ''اس علمی مشاغل کے زمانہ میں روہنگیا قبیلہ کے مسٹر زین الدین نے اپنی لیازاں افسری کا وزن شمالی ارکانیوں پر ڈالا، اسی مسٹر زین الدین نے ۱۹۲۱ء میں مشرقی اکیابی مسلمانوں کو اردو سے روک کر برمی تعلیم کی طرف رجوع کرایا تھا، اور اپنے اس مشغلے سے بیس سال گزر جانے کے بعد مشرقی اکیابیوں کو مگھوں کے ہاتھوں بلکہ اپنے ہی شاگردوں کے ہاتھوں قتل و غارت ہوتا ہوا دیکھا تھا، ۱۹۴۲ء میں جب مشرقی اکیاب سے آنکیا (یہ لفظ ارکانی مسلمانوں کے حق میں میرے خیال میں صحیح نہیں ہے) مسلمان قتل عام کے بعد نکال دیئے گئے تو مگھوں کا یہ ازلی ایجنٹ شمالی ارکان میں آیا، جہاں مسلمانوں نے یکے بعد دیگرے مگھ برمی آزاد فوجیوں اور جاپانیوں کے رنگ برنگی سیلاب کا منہ پھر دیا تھا، انگریز افسروں نے انہیں اپنے کام کا دیکھ کر مسلم لیازاں افسر مقرر کیا، انہوں نے موقع پاتے ہی شمالی ارکان کے مقامی مسلمان افسروں اور اکابروں کو خوف زدہ کرنا شروع کر دیا، اور جب ان کا یہ حربہ کارگر نکلا تو انہوں نے خوف کا علاج اردو کو خیر باد کہہ کر برمی تعلیم اختیار کرنے اور شمالی ارکان کی سیاسی وحدت کو چھوڑ دینے (توڑنے) کی صورت میں پیش کیا، انہوں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ جہاں کہیں ان کا گزر ہوا ہے، شمالی ارکانیوں کو برمی زبان کا بے حد شائق پایا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ شمالی ارکان کی پبلک اردو کی پہلے کی طرح گرویدہ ہے، بات صرف اتنی ہے کہ خوف زدہ افسران جو حال ہی میں مسٹر زین الدین کے سحر میں مسحور ہو چکے ہیں، انہیں اردو تعلیم سے روک رہے ہیں، عوام اور افسران اعلی تک اپنی فریاد پہنچانا چاہتے ہیں، مگر

چونکہ اعلی افسران اس طرف نہیں آتے تھے اور اکیاب تک آنے جانے کے لئے پبلک کے لئے کوئی ذریعہ نہیں تھا، اور ڈاک کا سلسلہ اس وقت قائم نہیں ہوا تھا، اس لئے وہ اپنی فریاد افسران اعلی تک نہ پہنچا سکے، آخر میں نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ مسٹر زین الدین کی رپورٹ کو کالعدم قرار دے کر اردو کو بطریق سابق سرکاری اسکولوں میں ورنیکولر کا درجہ عطا کرے''۔

مسٹر ظہیر الدین اور ایک موقع پر رقمطراز ہیں کہ:

''مسٹر زین الدین نے اپنی اردو کش رپورٹ جون/ ۱۹۴۵ء میں پیش کی تھی، اور میں نے اکتوبر/ ۱۹۴۵ء میں، جب انہیں میری رپورٹ کا علم ہوا اور یہ بھی سنا کہ سرکاری افسر کی حیثیت سے غلط بیانی کے مرتکب ہونے پر میں ان پر مقدمہ چلانے والا ہوں تو وہ نومبر/ ۱۹۴۵ء میں مستعفی ہو گئے''۔

موصوف آگے لکھتے ہیں کہ:

''حکومت برما کے سر شتہ تعلیم نے اپنے ایک دیرینہ ملازم ملا رمضان خان کو جو امن کے زمانے میں اردو نارمل اسکول رنگون کے ہیڈ ماسٹر تھے، میرے اسکول (تنگ بازار اسکول) میں اسسٹنٹ ماسٹر کی حیثیت سے بھیجا، اور چیا زان لہا نامی ڈپٹی انسپکٹر آف اسکولز کو ہدایت کی کہ میرے اسکول کے طلبہ کا بھی امتحان لیا جائے، اور ان کے اردو ورنیکولر پر معترض نہ ہوں، جب حکومت برما نے اپنی تعلیمی پالیسی کا اعلان کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا''۔

مسٹر زین الدین صاحب کے بعض حالات پر جناب ظہیر الدین بی اے علیگ کے بیانات سے کافی حد تک روشنی پڑی ہے، مگر دوسرے ذرائع سے میں نے جہاں تک سنا کہ آپ ایک دیندار اور خدا ترس دانشور تھے، صوم وصلاۃ کے بے حد پابند تھے، مسٹر ظہیر الدین چونکہ ان کے ایک سیاسی حریف تھے، اور ان دونوں کے مابین رسہ کشی بھی سیاسی اور تعلیمی حد تک تھی، تو ناظرین کرام سے عرض ہے کہ جناب ظہیر الدین صاحب کے بیانات سے ایک مسلم رہنما پر بدظن نہ ہو جائیں، البتہ دونوں بزرگوں پر ایک تاریخی تنقید میری یہی رہے گی کہ ارکان کے مسلمانوں کو ان دونوں نے دو دھڑوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا تھا، جس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

میں اشارتا اتنی سی بات پر اکتفاء کرتا ہوں کہ ارکان پر برمیوں کے قبضہ کے دوران یعنی ۱۷۸۴ء میں جو ارکانی مشرقی بنگال میں ہجرت کر گئے تھے، حقیقت میں وہ بنگالی نہ ہی تھے بلکہ ارکانی ہی تھے، اور ۱۹۴۲ء کے ہنگامۂ رستخیز کے علاوہ دیگر موقعوں میں ہجرت کر جانے والے مسلمان جن کی تھوڑی تعداد واپس لوٹ سکے تھے، وہ بھی ارکانی مسلمان تھے، ارکان سے ہجرت کر کے بنگال یا دوسرے علاقہ جات میں رہائش پذیر ہونے سے وہ بنگالی نہیں ہو سکتے، اس حوالے سے ان دونوں بزرگوں کی غلط فہمیاں دیکھی جانے والی تھیں اور ہیں، چنانچہ حضرت الاول کے بیانات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ ارکانی مسلمان مختلف خونی رشتوں سے وجود میں آئے ہیں، اب وہ تمام کے تمام ارکانی مسلمان ہیں، ہجرت کر جانے سے ان کا وطنی اور قومی رشتہ ختم نہیں ہو سکتا، ان کو تقسیم کرنا یہ کسی بھی اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس لئے ان دونوں بزرگوں کے مواقف ہمارے یقین کے مطابق حقیقت پر مبنی نہیں تھے اور نہیں ہیں، ہم سب ارکانی ہیں، روہنگیا ہیں، اس سے بڑھ کر ہم مسلمان ہیں، اور ارکان ہمارا وطن ہے، بس۔

یاد رہے کہ ۱۹۴۵ء میں مسٹر زین الدین نے جناب محمد حسین المعروف بہ شوئے کائیں اور اور جناب محمد یسین وغیرہ کو ساتھ لے کر ایک وفد کی قیادت کرتے ہوئے ارکان کے ان پچیس ہزار مہاجرین جو ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران ہجرت کر کے رنگپور میں رہائش پذیر تھے کی زیارت کی تھی، انہوں نے حالات کا جائزہ لیا، اور جانچ پڑتال بھی کی، ابھی وہ انکوائری میں مصروف تھے کہ اکیاب سے ان کے یہاں تار آیا کہ حال ہی میں ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا ہے، ویسے ان کو ارکان واپس آنا پڑا تھا۔

بہر حال سیاسی اور ثقافتی حالات سے صرف نظر جناب زین العابدین صاحب مسلم ارکان کے ایک عظیم دانشور تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں اپنی دانست کے مطابق ملک وقوم کی بیش قیمت خدمات کر کے اس جہان فانی سے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سعید الرحمن صاحب، حاجی، راموپاپاروی، بوسیدنگی

محترم جناب الحاج سعید الرحمن بن عبدالمجید کی پیدائش تنگ بازار کی معروف بستی رامویافارہ میں ۱۹۴۱ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنی بستی میں پاکر ساتویں جماعت تک کی تعلیم تنگ بازار کے مڈل اسکول سے حاصل کی، اس کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول سے نویں جماعت کا امتحان پاس کرکے اکیاب کے ڈانیا وڈی ہائی اسکول سے ۱۹۶۷ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے معابعد وطن واپس آگئے تھے۔

سعید الرحمن صاحب علاقے میں چند دن گزارنے کے بعد غالبا۱۹۶۷ء میں مغربی پاکستان چلے گئے، پاکستان کا شہر کراچی میں آپ نے ایک طرف گھڑی سازی کا کام بھی سیکھا تو دوسری طرف اپنی پڑھائی کو بھی آگے بڑھاتے ہوئے بی کم کرلیا تھا۔

سعید الرحمن صاحب ۱۹۷۶ میں بنگلا دیش چلے آئے، اسی سال زاہدہ بنت دولامیان رواسوگری جیمنگ خالوی سے شادی کی، آپ غالبا۱۹۷۹ء میں معاش کی تلاش میں عرب امارات چلے گئے، مگر ایک سال کے بعد پھر بنگلا دیش واپس آگئے تھے۔

۱۹۸۰ء کے دوران آپ جناب نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس کی قیادت میں قائم ہونے والی تنظیم ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) کے ساتھ منسلک ہوگئے، پھر یہ تنظیم روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں تبدیل ہوگئی تو آپ اس میں باضابطہ طور پر شامل ہوگئے، بعد میں نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس وغیرہ کی اختلافات کے نتیجے میں ارایس او دوگروپ میں بھٹ گئی تو آپ نے ڈاکٹر محمد یونس کے ساتھ ہوکر ۱۹۹۷ء تک کام کیا، جس میں آپ مجلس عاملہ کے ممبر تھے، ۱۹۹۷ء میں ارایس او میں پھر اختلافات رونما ہوئے، جن کے نتیجہ میں پھر دوگروپ میں یہ تنظیم بھٹ گئی، ایک گروپ کی قیادت ڈاکٹر محمد یونس صاحب نے سنبھالی، جبکہ دوسرے گروپ کے سرخیل پروفیسر محمد زکریا صاحب قرار پائے، ان اختلافات کے دوران جناب سعید الرحمن صاحب پروفیسر محمد زکریا گروپ میں شامل تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل ہوئی تو جناب سعید الرحمن صاحب اس تنظیم میں پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر پھر مجلس عاملہ میں سکریٹری برائے امور مالیات منتخب ہوئے، مگر چند مہینے گزرتے نہ گزرتے بعض وجوہات کے بنیاد پر آپ اس تنظیم سے مستعفی ہوگئے۔

غالبا سن ۲۰۰۰ء کے دوران سعید الرحمن صاحب نے سعودی عرب کی راہ لی، معاش کی تلاش میں

سرگرداں ہیں، سعودی عرب میں العبیر نامی ایک کمپنی میں کام کرتے رہے تھے، لیکن اس دوران بھی قومی سیاست و قیادت سے قسما لگاؤ رکھتے تھے، آپ رہ رہ کر بعض قومی پروگراموں میں نظر آتے تھے، بہرحال وہاں چند سال گزار کر دوبارہ بنگلا دیش واپس آئے ہوئے ہیں۔

جناب سعید الرحمن صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۸۵ء میں ہوئی، جب سے میں نے دیکھا ماشاء اللہ ایک دیندار اور دل جلے آدمی کی حیثیت سے دیکھا، بطور خاص روہنگیا سالیڈریٹی آرگنائزیشن کے زیر سائے آپ نے بڑی بڑی قوم وملی خدمات انجام دیں، اللہ تعالی آپ کی خدمات کو قبول فرمائے، اور مزید خدمات کی توفیق سے نوازے، آمین۔

سلطان احمد صاحب، کمانڈر، خانوافاروی، منگڈوی

جنوبی منگڈو کی سرزمین بہادروں اور جواں مردوں کی سرزمین ہے، کہتے ہیں کہ اس علاقے کے باشندے عمومی طور پر بہادر اور وسیع الخیال ہوتے ہیں، جس کا بین ثبوت بھی مل چکا ہے، قدرت نے اورتو اور دور آخر میں بھی سینکڑوں بہادر اور جواں مرد اس علاقے میں پیدا کئے، جن میں بستی خانوافارہ کے جناب کمانڈر سلطان احمد صاحب بھی ہیں۔

جناب سلطان احمد صاحب ۱۹۱۷ء میں جنوبی منگڈو کی بستی خانوافارہ کے ایک دین دار اور علم دوست گھرنے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب عالم دوست انسان تھے، اور ایک اطلاع کے مطابق آپ کی والدہ بھی ایک نیک سیرت اور عابدہ خاتون تھی۔

جناب سلطان احمد صاحب نے مکتب نشینی کے بعد دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی خانوافارہ میں پائی، کہتے ہیں کہ آپ کے والدین آپ کو اعلی تعلیم دلانا چاہتے تھے، لیکن آپ کو تعلیم سے زیادہ کھیل کود سے دل چسپی تھی، چنانچہ آپ کی ابتدائی زندگی کھیل کود میں گزر گئی تھی۔

تاہم عنفوان شباب ہی سے جناب سلطان احمد صاحب انقلابی خیال کا آدمی تھے، مگھ برمیوں کے خلاف جہاں سے بھی آوازیں آتیں آپ فوراوہاں پہنچ جاتے تھے، اس حوالے سے آپ نے کئی محاذ آرائی میں شرکت کی تھی، ویسے علاقے میں آپ ایک جری اور بہادر جواں مرد کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے، علاوہ ازیں قدرت نے آپ کو فیاضی کے ساتھ لوگوں سے دوستی اور محبت بڑھانے کے سلیقے سے نوازا تھا، ویسے آپ جہاں کہیں بھی جاتے لوگ آپ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

آپ کو ۱۹۴۹ء میں قاسمی پارٹی ''مجاہد پارٹی'' سے دعوت ملی تو آپ اس میں شامل ہو گئے، عسکری تربیت کے بعد آپ کئی معرکوں میں شریک ہوئے، جہاں بھی جاتے سرخرو ہوکے آتے تھے، بعد میں آپ کی صلاحیت اور عسکری استعداد کو دیکھ کر قاسم راجا صاحب نے آپ کو کمانڈر بنا دیا، اس کے بعد آپ نے مختلف معرکوں میں بحیثیت کمانڈر مجاہدین کی قیادت کی، آپ بعد میں قاسم راجا صاحب کے قریبی دوستوں میں شمار ہونے لگے تھے۔

سلطان احمد صاحب ظلم وعدوان کے خلاف لوگوں کو تیار کرنے کے ماہر تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش ہو گئے، بعد میں آپ کا انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سلطان احمد صاحب، کمانڈر، نائیسافوروی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر سلطان احمد صاحب شمالی منگڈو کی بستی نائسافورو میں ۱۹۱۶ء میں ایک دین دار کا شکار گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک نیک دل اور سخاوت پسند آدمی تھے، کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ مرحومہ بھی ایک نیک خوخاتون تھی۔

ارکان کے عام لڑکوں کی طرح سلطان احمد صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، کچھ بڑے ہوئے تو آپ کو شمالی منگڈو کی معروف بستی قاضی آباد کے سرکاری اردو اسکول میں داخل کرایا گیا، وہیں سے پانچویں جماعت تک تعلیم پائی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ گھر کے کام کاج سے منسلک ہوکر اپنے والد صاحب کا ہاتھ بٹاتے رہے، تھے، ایسی حالت میں آپ کے پاس جہادکونسل کی طرف سے جہادی قافلے میں شامل ہونے کے لئے پیغام آیا، چنانچہ اس دعوت کو لبیک کہتے ہوئے آپ جہادکونسل میں شامل ہو گئے تھے۔

جناب سلطان احمد صاحب عسکری تربیت کے حصول کے بعد مختلف معرکوں میں شریک ہوئے، ابتداء میں آپ جہادکونسل میں ایک عام مجاہد کی حیثیت سے شامل تھے، لیکن بعد میں آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنادیا گیا، جس کے بعد آپ کی خداداد صلاحیت میں نکھار آیا تھا۔

جہادکونسل کی بعض افراتفری سے دل برداشتہ ہوکر آپ نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی، بعد میں محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں چلنے والی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، یہاں بھی آپ ایک کمانڈر کی حیثیت سے منظر عام پر آئے، مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے جہاں کہیں بھی گئے سرخرو ہو کے واپس آئے تھے، اسی وجہ سے قاسم راجا صاحب آپ پر بڑے خوش تھے۔

کہتے ہیں کہ جناب سلطان احمد صاحب ایک گونہ آزاد طبیعت کے انسان تھے، اسی لئے محمد ابوالقاسم راجا صاحب نے آپ کو ''ماری دیا'' یعنی مرفوع القلم سلطان کے لقب سے ملقب کیا تھا، بعد میں آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے تھے، کہتے ہیں کہ آپ بڑے لسان اور بڑے تیز وطرار خطیب بھی تھے، آپ استدلالی خطابت سے لوگوں کے دل موہ لیتے تھے، قاسمی پارٹی کی تباہی کے بعد سلطان احمد صاحب عرصۂ دراز تک وطن کے اندر روپوش رہے، حکومت نے آپ کو ڈھونڈ نکالنے کی بھرپور کوشش کی، لیکن ناکام ہوگئی تھی، بعد میں آپ کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

سید عبداللطیف صاحب، سیاسی، فوئمالوی

جناب سید عبداللطیف بن سید اکبر بن سید نذیر حسین بن سید امیر حسین بن سید قاسم میاں ۱۹۳۸ء میں بوسیدنگ کے معروف قصبہ فوئمالی میں پیدا ہوئے، سید عبداللطیف صاحب ایک تو مورخ ہیں، پر اپنے خاندان کے متعلق بہت خوب معلومات بھی رکھتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کا خاندان سادات سے تعلق رکھتا ہے، خاندان کے مورث اعلی سرزمین ارکان میں اس وقت تشریف لائے جب ارکان میں اسلام کی روشنی پڑنی شروع ہوئی تھی، آپ کے مطابق آپ کا جداعلی عربوں کے اس جہاز میں سوار تھا جو ارکان کے بعض مورخین کے مطابق جزیرۂ رامبری/رامری کے قریب ٹوٹ کر تباہ ہوگیا تھا، یوں آپ کا جداعلی اس حادثہ سے بچ کر ارکان میں وارد ہوا اور ہمیشہ کے لئے یہاں پڑاؤ ڈال دیا، سید عبد اللطیف صاحب کے مطابق آپ کے جداعلی نے یہاں کی ایک مقامی لڑکی سے شادی کی، جس کے نتیجہ میں اس خاندان کا سلسلہ شروع ہوا، سید صاحب کا مزید کہنا ہے کہ:

> ''ابتداء میں میرا خاندان روشنگ (پتھری قلعہ) میں سکونت پذیر تھا، بعد میں بعض وجوہات کی بنیاد پر آنوک پرانگ میں آبسا، ۱۳۷۵ء کے اوائل میں میرا خاندان انوپرانگ سے فوئمالی منتقل ہوکر یہاں کے جنگلات کو آباد کرکے سکونت پذیر ہوگیا، میرے خاندان کے بزرگوں میں سے بعض افراد ارکان کے مختلف ادوار حکومت میں وزراء اور ارباب بست وکشاد بھی رہ چکے ہیں''۔

سید عبداللطیف صاحب کے والد مرحوم سید اکبر صاحب ایک زمیندار اور سخی منش تھے، انہوں نے پانچویں جماعت تک کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، آپ کے نانا مرحوم مولانا وجیہ اللہ صاحب رنگیا دنگی ایک داعی اور مرشد برحق بزرگ تھے، اور سید عبدالطیف صاحب کی والدہ مرحومہ بھی ایک دیندار اور خدا ترس خاتون تھی۔

سید عبداللطیف صاحب کی تعلیم کا آغاز نانہال کی بستی رنگیا دنگ سے ہوا، پرائمری اپنے نانہال میں پڑھ کر بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، ۱۹۵۸ء میں اکیاب ہائی اسکول سے امتیازی نمبرات کے ساتھ مٹرک پاس کرکے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، ۱۹۶۲ء میں رنگون یونیورسیٹی سے آپ نے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد سید عبداللطیف صاحب نے ایک سرکاری نوکری لی، سول سپلائی مینجمنٹ کے افسر بنے، یوں تو دوران تعلیم آپ روہنگیا سیاسی جماعتوں سے منسلک رہے، لیکن تعلیم سے فراغت کے بعد روہنگیا مسلمانوں کی سیاست سے باضابطہ طور پر وابستہ ہوگئے، چنانچہ ۱۹۶۴ء میں روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے سینئر ممبر بنے، بعد میں زیرزمین جاکر محمد جعفر حسین ثانی کی قیادت میں کام کرنے والی تنظیم میں شامل ہوکر جہاد کا فریضہ انجام دیا، یادرہے کہ آپ کو قومی سیاست کے دوران مختلف الزامات واتہامات بلکہ ناکردہ جرم کی سزا کے بطور تین مرتبہ جیل بھی جانا پڑا تھا۔

سید عبداللطیف صاحب نے ۱۹۶۹ء میں مشرقی پاکستان میں ہجرت کی، ہجرت تو کی مگر ارکانی بلکہ قومی سیاست کو اپنا مقصد ہی بنالیا، ۱۹۷۳ء میں حضرت محمد جعفر حبیب کی قیادت میں روہنگیا فدائین محاذ کی بنیاد پڑی تو سید عبداللطیف صاحب نے اس میں شامل ہونے کے بجائے ار پی ایف کی اعلی قیادت سے اختلاف کیا، یوں بعض امور میں اختلافات کی وجہ سے مخصوص طور پر آپ اور قائد حبیب کے درمیان کشمکش بھی ہوئی، بالآخر ۱۹۷۴ء میں جمعیت علمائے اسلام ارکان جو اس زمانے میں مولانا عبدالقدوس مظاہری اور مولانا عقیل احمد قاسمی کی قیادت میں کام کررہی تھی میں شامل ہوگئے، آپ جمعیت علماء کی مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر بنے اور اس پارٹی کی تباہی تک آپ باضابطہ طور پر اس میں شامل رہے تھے۔

ہجرت کے بعد آپ ایک طرف قومی سیاست وقیادت سے وابستہ رہے تو دوسری طرف آپ نے کوکس بازار میں اپنی نجی تجارت بھی شروع کررکھی تھی، ماشاء اللہ آپ کی تجارت میں بڑی برکت ہوئی، اور آپ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے شہرت کے حامل بھی ہوئے۔

ماشاء اللہ سید صاحب بڑے زیرک اور ہشیار سیاست دان ہیں، سرزمین ارکان کی تاریخ پر آپ کی نظر خاصی گہری اور عمیق ہے، ارکان کی مسلم تاریخ پر آپ نے ایک مسودہ بھی تیار کیا ہے، جو آج تک منظر عام پر نہ آسکا، علاوہ ازیں آپ ایک شاعر بھی ہیں، برمی زبان میں آپ کی شاعری قومی تاریخ کی عکاس ہے، آپ پالی اور سنسکرت جیسی زبانوں سے بھی واقف ہیں، آپ کی شاعری کی وسعت تخیلات پر خود پالی اور سنسکرت کے علماء بھی متحیر ہوجاتے ہیں، آپ سے راقم کی جتنی بھی ملاقاتیں ہوئیں، آپ نے اسے اپنی شاعری سے محظوظ کئے بغیر نہیں چھوڑا، اور ارکان کی تاریخ دانی کا یہ عالم ہے کہ تاریخ ارکان کے حوالے سے جو دقیق باتیں آپ سے ملیں وہ کسی بھی معاصر مورخین کے خیالات سے بلندوبرتر ہیں۔

میرے ناقص خیال میں آپ کی نجی اور قومی سیاسی زندگی کامیاب رہی ہے، سیاست کے میدان میں آپ کو

ایک دردمند اور عمیق النظر انسان پایا، تاریخ کے حوالے سے جو بھی بات کہتے ہیں، دلائل کے بغیر نہیں کہتے ہیں۔
آپ کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، ماشاءاللہ سارے کے سارے زیور تعلیم سے راستہ ہیں:

(۱) بڑا لڑکا جناب سید ہمایوں کبیر راجشاہی یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرکے آج کل سعودی عرب میں مقیم ہے، اور اپنی نجی تجارت کو فروغ دینے میں مشغول ہے۔

(۲) دوسرا لڑکا سید خلیل نمیر ایم اے کی ڈگری حاصل کرنے بعد میں استنبول (ترکی) یونیورسیٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے، جو آجکل ترکی میں مقیم ہے۔

(۳) اسی طرح سید محمد شکیل الکٹرانک میں بی ایس سی کرنے کے بعد آجکل ترکی کی ایک یونیورسیٹی میں زیر تعلیم ہے۔

(۴) سیدہ حبیبہ جمالیدہ ڈھاکہ کے ایک میڈیکل کالج میں زیر تعلیم ہے۔

گزشتہ چند سالوں سے سید عبد اللطیف صاحب شدید علالت میں مبتلا ہیں، بواسیر نے آپ کو نیم جان بنا رکھا ہے، چند مرتبہ آپریشن کے باوجود یہ مرض جانے کا نام نہیں لے رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو شفائے کاملہ عطا کرے۔ اور آپ کا سایہ ہم پر تادیر باقی رکھے۔

شبیر احمد صاحب، سپہ سالار، شہید، تنگ بازاری، بوسیدنگی

نائب سپہ سالار مجاہدین جناب محترم شبیر احمد صاحب نے ۱۹۵۹ء میں ارکان کے مردم خیز قصبہ تنگ بازار کے ایک شریف خاندان میں آنکھ کھولی، ہوش سنبھالتے ہی روایت کے مطابق محلہ کے مکتب اور مسجد میں بٹھا دیئے گئے، جہاں انہوں نے قرآن کریم کا ناظرہ، کلمے، نماز، دعا وغیرہ مبادیات دین کی تعلیم حاصل کرلی، پھر سرکاری پرائمری اسکول میں داخل کرادیئے گئے، شبیر احمد صاحب کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیل کود میں فٹ بال، بیڈمنٹن، والی بال اور جسمانی ورزش، تن سازی اور فن خود حفاظتی میں خاص طور پر جوڈو اور کراٹے سے دلچسپی تھی، کہا جاتا ہے کہ سکنڈری اسکول میں پہنچنے کے بعد وہ نصاب سے زیادہ ورزش اور وہ بھی مارشل آرٹ کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے تھے۔

سن ۱۹۷۶ء میں وہ دسویں جماعت کے ایک طالب علم تھے، ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ اسکول سے چھٹی ہونے پر تنگ بازار کے بھرے بازار سے گزرتا اپنے روزانہ کے معمول کے مطابق قریبی بستی میں واقع گھر کو لوٹ رہا تھا، پولیس چوکی کے پاس پہنچا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا، ایک مسلمان بیٹی آہ وزاری اور چیخ وپکار میں مصروف تھی، اور چند برمی درندے قہقہوں کے ساتھ دست درازی میں مشغول، سترہ سالہ نوجوان شبیر احمد نے چند لمحے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی مل جائے تو اس کے ساتھ مل کر اپنی اس مجبور بہن کی آبرو بچائے، مگر وہاں ہر طرف نفسی نفسی کا عالم تھا، اب شبیر نے سوچا کہ سینکڑوں میل دور سے ایک بہن کی صرف آواز پر آج سے ہزار سال پہلے ایک نوجوان محمد بن قاسم اگر اس وقت کی عالمی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لئے آسکتا ہے تو میری بہن تو میری آنکھوں کے سامنے مدد کے لئے پکار رہی ہے، میں اسے لٹتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور اس کی چیخیں بھی سن رہا ہوں، میری عمر بھی تو سترہ سال ہے، میں ابن قاسم کی طرح دشمن پر فتح بھی نہ پاؤں تو جان دے کر رسم شبیری تو ادا کرسکتا ہوں، یہ فیصلہ کرتے ہی انہوں نے اسکول کا بستہ کندھے سے اتارا، آستین بھی چڑھائیں، زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، چشم زدن میں بدمست فوجیوں پر قہر الٰہی بن کر ٹوٹ پڑا، وہ تعداد میں چار تھے، یہ اکیلا، اس لڑکے نے جوکراٹے اور جوڈو دونوں میں پچھلے ہی مہینے اپنے اسکول میں اول پوزیشن حاصل کرچکا تھا، ایک فوجی کے منہ پر زبردست لات اور دوسرے کے زیر ناف پر زوردار کک رسید کی، تیسرے کو جوڈو کے ایک ہی وار میں پٹخ دیا، دیکھتے ہی دیکھتے تین درندے بے سدھ پڑے زمین چاٹ رہے تھے،

چوتھے کی طرف بڑھا تو وہ بزدل انجام دیکھ کر ہاتھ میں پکڑے بندوق سمیت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا، اتنی دیر میں تماشائی جمع ہونے لگے تھے، اس لڑکے نے مظلوم بہن کی بچی کھچی چادر اس کے سر پر رکھی، اور تیزی سے دوڑتا ہوا اسے اس کے گھر تک پہنچا دیا۔

مظلوم بہن کو اُس کے گھر پہنچا کر شبیر احمد وہاں سے اس حالت میں صرف اسکول کے کپڑوں میں نام نہاد مہذب انسانی بستیوں اور آبادی کو چھوڑ کر تن تنہا صرف اللہ کے بھروسے پر خطرناک جنگل اور پہاڑ میں گھس گئے، انہوں نے سن رکھا تھا کہ اس سلسلۂ کوہ کے مغربی کنارے پر کسی جگہ بنگلہ دیشی سرحد کے قریب روہنگیا مجاہدین کی تنظیم روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) کا کیمپ واقع ہے، شبیر احمد کئی دن اور راتوں کے سفر کر کے اللہ کے فضل سے صحیح وسلامت وہاں پہنچ گئے، مجاہدین اور تنظیم کے سربراہ محمد جعفر حبیب نے گرمجوشی سے ان کا استقبال کیا، ان کی روداد سنی، آمد کا مقصد معلوم کیا، اور مجاہد کی حیثیت سے جماعت میں شامل کر لیا تھا۔

شبیر احمد صاحب چھ سال روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) میں رہے، عام مجاہدین سے ترقی کرتے کرتے کمانڈر کے رتبے تک پہنچے، ہر قسم کی دستیاب جہادی، جسمانی، حربی، فنی، اسلامی تعلیم اور تربیت حاصل کی، بدقسمتی سے روہنگیا پیٹریاٹک فرنٹ (RPF) بحران اور قیادت کے اختلاف کی شکار ہو کر انتشار کی نذر ہو گئی تھی، اور مجاہدین بھی قسما تتر بتر ہو گئے تھے۔

شبیر احمد صاحب نے واپسی کا نہیں سوچا، سرحد پار کر کے پڑوسی ملک چلے گئے تھے، وہاں کسی طرح رابطہ عالم اسلامی کے تحت شروع ہونے والے دو سالہ ''ویلیج ڈاکٹر کورس'' میں داخلہ حاصل کر لیا، اور امتیاز کے ساتھ اس کی تکمیل کر کے گویا ایک طرح سے مستند قانونی معالج اور ڈاکٹر بن گئے تھے۔

سرٹیفیکٹ حاصل کرنے کے بعد شبیر احمد صاحب کے لئے بڑا اچھا موقع تھا کی وہ بے خوف وخطر اپنی دنیا بناتے، معاشی حالت سدھارتے، بیماروں کا علاج کرتے، اور عطائیوں کے دیس میں مسیحا بن کر لاکھوں میں کھیلتے، لیکن انہوں نے اس پر کشش ذریعۂ معاش کو ایک دن کے لئے بھی اختیار نہیں کیا، وہ چند مریضوں کا نہیں پوری قوم جو خطرناک ترین مرض کفار کی ذہنی وجسمانی غلامی میں مبتلا ہے، اس کا علاج اور پائدار صحت اور تندرستی چاہتے تھے، کورس مکمل کر کے نکلے تو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) قائم ہو چکی تھی، اور اس کے مجاہدین تربیت پا رہے تھے، شبیر احمد صاحب رابطہ کمپلکس سے سرٹیفیکٹ جیب میں لے کر کہیں کلینک کھول کر بیٹھنے اور نوٹ گننے کے بجائے سیدھا آر ایس او کے مرکز

پہنچ گئے، اور خود کو نظم کا حوالہ کر دیا، قائدین اور مجاہدین نے بھی ان کا بھرپور استقبال کیا تھا۔

شبیر احمد صاحب ایک تربیت یافتہ مجاہد کمانڈر تھے، یہاں انہوں نے مجاہدین کی تربیت شروع کی، اپنے گذشتہ تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تدریب وتربیت کے نت نئے طریقے ایجاد کئے، پرانے طریقوں میں اصلاح کی اور نئے اسالیب اختیار کئے تھے۔

کمانڈر اور اعلی ذمے دار ہونے کی وجہ سے انہیں نظم وضبط کا پابند تو ہونا ہی تھا، وہ تمام ماتحتیوں اور مجاہدین کے اندر بھی اس وصف کو بدرجۂ اتم دیکھنا چاہتے تھے، اس لئے زبانی تلقین کے ساتھ ساتھ کڑی نگرانی کا بھی انتظام کرتے تھے، موصوف پابندئ وقت میں اپنی مثال آپ تھے، اوسط قدو قامت کے حامل، مضبوط جسم کے مالک اور انتہائی پھرتیلے شبیر احمد میں بڑی عاجزی اور انکساری بھی تھی، خود نمائی اور نام ونمود کا جذبہ انہیں چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

وہ راتوں کو چھپ چھپ کو عبادت کرتے، بچپن میں قرآن کا ناظرہ پڑھا تھا، اور کیمپ میں آکر قرآن کریم کو باضابطہ تجوید کے ساتھ دوبارہ پڑھا، مختصر سورتیں حفظ کر لیں، عام روہنگیا کی طرح اردو گویا ان کی سرکاری زبان تھی، وہ برمیز تعلیم یافتہ تھے، اس لئے لکھنے پڑھنے کا کام اس سے لیتے تھے، انگریزی بھی بقدر ضرورت آتی تھی، ان میں ایک صفت تھی کہ بات منہ پر اور سامنے کہتے تھے، غیبت کے سخت خلاف تھے، جو بات ناگوار گزرتی کہ آدمی چھوٹا ہو یا بڑا اس کا اظہار برملا اس کے سامنے کرتے تھے۔

شبیر احمد صاحب محنت، خلوص اور جدوجہد کے نتیجے میں مجاہدین کے مربی ومدرب کی حیثیت سے ترقی کرتے کرتے آر ایس او کی مرکزی مجلس شوری اور اس کے بعد مرکزی مجلس عاملہ کے لئے بھی منتخب کر لئے گئے، بعد ازاں تمام مجاہدین آر ایس او کے نائب سالار اعلی مقرر ہوئے، اس حیثیت میں انہوں نے معسکر اور مجاہدین میں بہت ہی مفید اقدامات کئے تھے۔

ماسٹر شبیر احمد صاحب نے ۱۹۸۶ء میں شادی کی سنت بھی ادا کر لی تھی، ان کی اہلیہ آر ایس او کے امیر ڈاکٹر محمد یونس کی سگی بہن ہیں، چار بچے ان کے پس ماندگان میں شامل ہیں۔

۱۹۹۴ء میں باقاعدہ جہاد کا فیصلہ ہوا تو ماسٹر شبیر احمد صاحب نے مشاورت کے بعد اپنے لئے جنوبی منگڈو کا علاقہ پسند کیا، جو حربی اعتبار سے سب سے مشکل حطہ ہے، ان کی کمپنی نے وہاں دشمن کے ناک میں دم کر دیا تھا، شب خون اور گھات لگا کر حملے کے ذریعے ''مارو اور بھاگو'' کی گوریلا حکمت عملی اپنا کر دشمن کو زچ کر دیا تھا، مولانا محمد یونس جہادی شہید، مولانا صدیق الرحمن شہید، مولانا محمد حسن شہید اور کئی

چوٹی کے کمانڈوز اپنے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان کے زیر کمان تھے۔

وہ مہینوں لڑتے رہے، ڈٹے رہے، مقابلہ کرتے رہے، مارتے رہے اور خود بھی زخمی اور شہید ہو کر آیات قرآنی کی عملی تفسیر اپنے خون سے رقم کرتے رہے، بالآخر برمی حکومت بالکل عاجز آ گئی، اور پے در پے ہزیمتوں اور بھاری مادی اور جانی نقصانات کی وجہ سے اس کے جنرلز باولے کتوں کی مانند پاگل ہو گئے، اور بہت نفری فوج کی بھاری مقدار میں ہر قسم کا اسلحہ، گن شپ، ہیلی کاپٹر، توپ خانے سمیت منگوا لیا گیا، ان سب کی مدد سے مٹھی بھر مجاہدین کو کچلنے کی زبردست مہم اور کاروائی شروع کی گئی، صورت حال کو دیکھتے ہوئے مجاہدین نے بھی نئی حکمت عملی مرتب کر لیں، اب وہ بہت محتاط طریقے سے حملے اور نقل وحرکت کرتے رہے، حکومت برمانے مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا، زندہ یا مردہ مجاہدین کو پکڑنے یا ان کے ٹھکانوں کی نشاندہی کرنے والوں کے لئے خطیر رقم کے انعامات کا اعلان کر دیا، ہزاروں برمی فوجی چپے چپے میں پھیل گئے، ان کی وجہ سے مسلم آبادیوں کو لاحق خطرات جو پہلے بھی کچھ کم نہ تھے اب دوچند ہو گئے تھے۔

ان حالات میں تنظیم کی اعلی قیادت نے شبیر احمد صاحب کو پیغام بھجوایا کہ وہ چاہیں تو کاروائی میں کچھ عرصے کے لئے عارضی وقفہ کر کے واپس بھی آ سکتے ہیں، لیکن شبیر احمد صاحب نے یوں جواب دیا کہ میں یہاں واپس جانے کے لئے نہیں آیا ہوں، اور مجاہدین میں سے بھی کوئی واپس جانے کو تیار نہیں ہے، اس لئے میں واپسی کے نام تک لینے کو سزاوار نہیں سمجھتا ہوں۔

شبیر احمد صاحب بشمول کمانڈوز اور مجاہدین سخت حالات میں تھے، رسد کی فراہمی اور آبادی سے رابطہ مطلقا منقطع ہو چکا تھا، ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے ہلکے اور بھاری اسلحے سے لیس برمی فوج شکاری کتوں کی طرح مجاہدین کی بو سونگھتی پھر رہی تھی، لیکن مجاہدین اپنے اپنے مورچوں میں ڈٹے ہوتے تھے،

کمانڈر محمد یونس جہادی، کمانڈر محمد حسن اور کئی مجاہدین ایک ایک کر کے مختلف معرکوں میں شہید ہوتے گئے، ماسٹر شبیر احمد کے ساتھ بس ۲۸ مجاہدین رہ گئے تھے۔

جہاں تک ماسٹر شبیر احمد صاحب کی شہادت کا تعلق ہے کہ ایک روایت کے مطابق نہ وہ شہید ہوئے اور نہ برمی افواج کے ہاتھ میں گرفتار، اس کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ اگر وہ شہید ہوتے تو برمی حکومت ان کے جسد مبارک کی نمائش اور بالتصویر نام کی تشہیر ضرور کرتی، اور دنیا سے داد بھی طلب کرتی، جس طرح اس نے دیگر شہداء کی لاشوں کے ساتھ کیا ہے، اسی طرح اگر وہ زندہ گرفتار ہوتے تو تب بھی یہی سلوک

ہوتا، آخری معرکہ کے شہداء کے نعشوں کو بھی جن لوگوں نے دیکھا ہے، اور ان کی شناخت کی ہے، وہ بھی کہتے ہیں کہ ماسٹر شبیر احمد صاحب ان میں نہیں تھے، آج کئی سال گزر چکے ہیں، لیکن ماسٹر شبیر کا کوئی پتہ نہیں ہے، یوں بھی تو شہداء مرتے نہیں، خدا معلوم آپ کہاں ہیں؟۔

ایک دوسری روایت کے مطابق جناب شبیر احمد صاحب کو شاعر مشرق علامہ اقبال کا یہ شعر بہت پسند تھا، جو ہر وقت بھنورے کی طرح گنگناتے تھے:

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری	کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین وادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی	کہ یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو رسم شبیری ادا کرنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

شبیر احمد معروف بہ "شبو" سرزمین ارکان کے نامور گلوکار

تعارف

اہل علم و دانش کو یہ ضرور معلوم ہے کہ سرزمین ارکان قدیم زمانے سے شعر و شاعری اور گیت وسنگیت کا ایک گہوارہ رہی ہے، یہاں کی سوانحی تاریخ میں ان فنون کے حوالے سے انگنت ستارے ملتے ہیں، ۱۶۶۰ء سے پہلے یہاں کے معروف ومشہور عظیم شاعر وسنگیت کار حضرت کے الاول نے اپنی مدھور اور مدبھری آواز اور دلسوز راگ راگنی سے اس سرزمین کو مخمور کر رکھا تھا، تاریخ میں ان سے پہلے اور بعد میں بھی بہت سے ستارے ایسے نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے زمانے میں یہاں کی خزاں دیدہ فضاء کو عطر بہار سے بھر دیا تھا، الاول جی سے پہلے سید سلطان اور قاضی دولت اور بعد میں مولوی اسماعیل ثاقبؔ وغیرے ایسے ایسے ستارے تھے، جنھوں نے اپنی شعر و شاعری اور راگ و راگنی سے پوری سرزمین کو مخمور کر دیا تھا، اسی طرح دور آخر میں بھی بے شمار شعراء اور گلوکاروں کے تذکرے ملتے ہیں، جنھوں نے اپنے اپنے دور میں خراج تحسین حاصل کیا، تو اس سلسلے میں ہمارے محترم ومرحوم شہید شاعر و گلوکار عظیم مرد مجاہد حضرت محمد جعفر حسین قوال نے تو کمال کر دیا تھا، ان کے بعد ہمارے اس زمانے میں ایک جس شاعر و گلوکار کا نام بھی تاریخ ارکان میں سنہرے حروف سے لکھنے جانے کا ہے، وہ جناب محترم شبیر احمد معروف بہ "شبو" کا نام ہے۔

جناب شبیر احمد صاحب کی ولادت ۲/اپریل/۱۹۴۸ء میں موضع شقدار فارہ منگڈو میں ہوئی، ان کے والد مرحوم اظہار میاں صاحب ایک دیندار، متواضع اور پرہیزگار آدمی تھے، اور والدہ مرحومہ بھی ایک نیک سیرت اور اخلاقی خاتون تھی، یہ دونوں بزرگ اپنی دینداری اور تقوی شعاری میں اپنی مثال آپ تھے۔

جناب شبیر احمد صاحب کی تعلیم بستی کے مکتب کے علاوہ سرکاری اسکول سے شروع ہوئی، پھر شقدار فارہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے انھوں نے ۱۹۶۵ء میں آٹھویں جماعت تک کی تعلیم برمیزا اور انگریزی میں حاصل کی، اور جہاں تک اردو کا تعلق ہے، وہ انھوں نے اپنی طور پر سیکھی تھی، ماشاء اللہ موصوف اردو زبان میں بھی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔

جہاں تک میرا ناقص خیال ہے کہ گلوکاری بھی دیگر فنون لطیفے میں شامل ایک فن ہے، یوں تو آواز کی

دلکشی اور مدھورپن فطرت سے ملتی ہے، تاہم اسے سنوارنے اور فن کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کے لئے تعلیم اور تربیت سے کام لینا پڑتا ہے، اللہ تعالی نے موصوف کو آواز کی دلکشی عطا کی، مگر اسے فن سے ہم آہنگ کرنے کے لئے انہیں کوئی باضابطہ تربیت و تعلیم نہیں ملی، انہوں نے اپنے طور پر جتنا سنوارا ہے، اسے ایک انوکھا پن بھی کہا جا سکتا ہے۔

موصوف ابھی دوسری جماعت کے طالب علم تھے کہ زمانہ گراما فون کا تھا، جس میں ہندو پاک اور بنگال کے گلوکاروں اور گلوکاراؤں کی آوازیں بجائی جاتی تھیں، ایک دن کا واقعہ تھا بستی کے ایک صاحب اپنے گراما فون میں محمد رفیع مرحوم کے نغمے بجا رہے تھے، شبیر صاحب اس میں "پروردگار عالم" جیسا دعائیہ نغمہ سنا تو ان کو بہت اچھا لگا، انہوں نے یوں تو پورا کلام یاد نہ کر سکا، مگر چند مصرعے ضرور حفظ کر لئے تھے، اب اسے نقل کرنے کی کوشش کی تو وہ کامیاب نکلے، موصوف کہتے ہیں کہ یہ میرا پہلا نغمہ تھا، جس نے مجھے اس دنیائے گلوکاری میں اتارا، قدرت کو یہی منظور تھا کہ اس نغمہ سے آغاز تو ہوا لیکن زندگی کے اواخر تک اس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

ایک موقع پر موصوف نے مجھ سے کہا ہے کہ:

> "میرا ایک دوست تھا، اس زمانے میں وہ بستی کے لڑکوں کو میری آواز کی جادوگری میں پھنساتا تھا، پہلے مجھے ایک بڑا ڈرام میں چھپا دیتا اور لڑکوں کو بلا کر کہتا تھا کہ میں تمہیں ایک جادو دکھاؤں گا، لڑکے جمع ہو جائے تو مجھے اشارہ کرتا کہ گانا شروع کرو، جب میں گانا شروع کرتا تو سارے لڑکے متعجب ہو جاتے تھے کہ واقعی یہ ایک زبردست اور انوکھا جادو ہے"۔

اب تعلیم کے ساتھ ان کی آواز کی جادوگری کی شہرت بھی عام ہونی شروع ہوگئی تھی، انہوں نے یکے بعد دیگرے چند اور گانے حفظ کر لئے تھے، یوں ان کی گلوکاری کی صلاحیت بڑھنے اور علاقے میں عام ہونے لگی تھی، ہر کجا لوگ ان کی آواز کی دلکشی اور صلاحیت کے گن گانے لگے تھے۔

چاندنی راتیں ہوتیں تو بستی کے معمر حضرات ان کو اپنی محفل میں بلاتے، وہ گانے کی فرمائش پر اپنی سریلی اور مدھور آواز سے لوگوں کو مخمور کر دیتے تھے، ویسے وقت کے ساتھ ساتھ ان کی آواز کی شہرت ملک بھر میں پھیلنے لگی تھی، وقت وقت پر دوسری بستیوں سے لوگ آتے اور ان کو اپنی محفل میں مدعو کر کے لے جاتے تھے۔

۱۹۶۵ء کا واقعہ تھا کہ انہوں نے ابھی تعلیم سے دست بردار ہوتے ہوئے اپنی معاش کے لئے ایک ٹیکنیکل مصنع میں کام کا آغاز کیا، اس دوران کے ایک دلچسپ واقعہ کے حوالے سے انہوں نے کہا ہے کہ:

''ایک روز بستی نلبنیہ سے چند جوان مجھے بلانے آئے، ابھی میں مصنع سے باہر تھا، تو مصنع والوں سے پوچھنے پر انہوں نے دور سے تشریف لاتے ہوئے میرے والد کی طرف اشارہ کیا کہ وہی شبیر احمد ہے، دونوں جوان میرے والد کے پاس پہنچتے ہی ان کو محفل میں دعوت دی، اب میرے والد ذرا سہم سے گئے، لیکن کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں گھر سے آتا ہوں، گھر پہنچتے ہی میری والدہ سے کہا کہ تمہارے لڑکے نے کیسا کام شروع کر رکھا ہے کہ لوگ اس کو بلانے آتے اور مجھے دعوت دینے لگتے ہیں، ہم شبیر احمد کی حرکات وسکنات سے بہت پریشان ہیں''۔

غرض شبیر احمد صاحب کے والدین ان کے گانے بجانے سے متنفر تھے، بارہا منع بھی کرتے رہے تھے کہ بیٹا! تم گانے بجانے سے باز آجا، یہ کام شرفاء کا نہیں ہے، مگر قدرت کی عجیب کاری گری تھی کہ ہزار منع کرنے کے باوجود بھی فطرت سے جو چیز ان کو ملی، اس کی راہ روکی نہ جاسکی تھی۔

گانے کے ساتھ بجانے کا فن انہوں نے جناب مرحوم عبدالحی بن نور احمد صاحب سے سیکھا، عبدالحی صاحب ان کے جگری دوست تھے، مرحوم ایک بڑے دردمند اور قوم کے زبردست خیر خواہ انسان تھے، جہاں تک معلوم ہوا کہ ایسے جوان ڈھونڈے سے ملنا مشکل ہے، مرحوم کی زندگی مگھوں سے کشمکش کرتی گزر گئی تھی، اس سلسلے میں انگنت واقعات لوگوں کی زبانی سنے گئے ہیں، وہ بڑے بہادر اور جواں مرد تھے، کونفو، اور باکسنگ کے ماہر تھے، ویسے شبیر احمد صاحب بھی اپنے خیر اندیش دوست کی طرح بڑے جواں مرد ثابت ہوئے ہیں، ان دونوں نے بہت سے موقعوں پر بڑی بے جگری سے مگھوں سے لڑے تھے، مگھ لونڈے ان دونوں کو دیکھتے ہی خواس باختہ ہو جاتے تھے۔

جیسی عرض کی گئی ہے کہ موسیقی انہوں نے مرحوم عبدالحی سے سیکھی، مگر جو موسیقی انہوں نے مرحوم سے سیکھی تھی وہ تھی مینڈلون، لیکن بعد میں الکٹرانک موسیقی (PIANO) اور ہارمونیم کا بجانا انہوں نے اپنی طور پر سیکھ لیا تھا، جہاں تک میرا خیال ہے کہ مینڈلون سے الکٹرانک موسیقی کی طرف ان کا خیال اس لئے گیا تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مینڈلون ان کے مختلف موضوعات کے راگ پر گائے جانے والے نغمے کے لئے بالکل ناکافی ہے، پھر یہ بھی سچ ہے کہ یہ الکٹرانک آلۂ موسیقی بھی ان کے ہر

گانے لئے ناکافی ہے، مگر پھر بھی مینڈلون سے یہ الکٹرانک آلۂ موسیقی بڑے کام کا ثابت ہو رہا تھا۔

غرض شہرت کے ساتھ دور دراز کے علاقوں سے لوگ ان کو بلانے آرہے تھے، اور وہ بھی فرصت پر جانے لگے تھے، جب گراما فون کی جگہ ٹیپ رکارڈنگ نے لی تو ان کے ساز و آواز کے ریکارڈ کردہ گانے کیسٹوں کی اشاعت وتوزیع کے ذریعے عام ہونے لگے تھے، یہ نہ صرف ارکان میں بلکہ ارکان سے ملحق بنگلا دیش کے صوبۂ چاٹگام میں بھی ان کی آواز کی گونج سنائی دینے لگی، صرف یہ نہیں بلکہ دیگر ملکوں میں جہاں جہاں روہنگیا مسلمان ہجرت کی زندگی گزار رہے تھے، وہاں بھی ان کی آواز نے جادو کا کام شروع کر دیا تھا۔

گانے کے سلسلے میں انہوں نے اپنے دوست عبدالحی کی معیت میں بارہا ٹیکناف اور کوکس بازار کے سفر کئے تھے، جہاں بھی پہنچے خراج تحسین کے گلدستے لے آئے تھے، اس سلسلے میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ ٹیکناف کے علاقے میں ایک روز گلوکاروں کی محفل سج گئی تھی، جس میں بنگال کا ایک گلوکار مع ایک گلوکارہ آیا ہوا تھا، اس نے بنگلا زبان کے علاوہ اردو زبان میں نغمے گائے، وہ بڑے تکبر اور غرور و پندار میں ڈوبا ہوا تھا، اب علاقہ کے چند جوان جوش میں آگئے، اور خیال کیا کہ کیوں نہ ہم ارکان سے شبیر احمد کو بلا لاتے؟ اب وہ جوان منگڈو پہنچے، اور ان کو دعوت دی، مگر عبدالحی اور شبیر صاحب کے پہنچنے سے پہلے گلوکار چمپٹ ہو گیا، لیکن گلوکارہ رہ گئی تھی، جس سے شبیر صاحب کا مقابلہ ہوا تو خراج تحسین کے سارے گلدستے ان کے ہاتھ آئے تھے، اسی طرح کوکس بازار کے علاقے میں بھی انہوں نے اپنے ساز و آواز کی جادوگری سے لوگوں کو بارہا مخمور کیا تھا۔

روہنگیا مسلمانوں کی معروف تاریخی ڈرامہ ''روہنگیا رورا'' کی باری آتی تو آواز کی بیک گراؤنڈ کے لئے اس ڈرامہ بورڈ نے شبیر احمد کی آواز کا انتخاب کیا، جہاں تک میرا خیال ہے کہ اس وقت ان کی آواز کا انتخاب اس لئے کیا گیا تھا کہ وہ آواز کے شہنشاہ ہونے کے ساتھ ایک قومی ہمدردی کے حامل انسان تھے، پھر دوسری طرف اس زمانہ میں نہیں بلکہ آج بھی روہنگیا قوم میں ان جیسے آواز اور راگ وراگنی کے جادوگر منظر عام پر نہیں آسکے ہیں، انہوں نے اپنی آواز کی جادوگری سے اس قومی ڈرامہ کو بڑا کامیاب بنایا، اگر یہ کہا جائے کہ اسے ڈرامہ کی تاریخی خلفیات نے نہیں بلکہ شبیر صاحب کے ساز و آواز نے کامیاب بنایا تھا، بالکل سچ رہے گا، جہاں تک میرا خیال ہے کہ اگر اس ڈرامہ کی کامیابی کا سارا سہرا شبیر احمد کا سر ہے، تو یہ دعوی بالکل بجا رہے گا، غرض روہنگیا مسلمانوں کے تایخی خلفیات پر مشتمل یہ ڈرامہ ملک کے چند بڑے شہروں کے علاوہ مختلف قصبوں میں بھی دکھایا گیا تھا، ہر کجا انہوں

نے اپنی سریلی اور مدبھری آواز سے اس ڈرامہ کو کامیاب بنا چھوڑا تھا، بعد میں اگرچہ متعصب حکومت نے اس ڈرامہ کو بند کر دیا، مگر شبیر صاحب کی آواز رکتی نہ رکی جا سکی، آج تک ان کی آواز اس ملک کے مسلمانوں کا ایک قومی سرمایہ کے بطور زندہ ہے، مگر باضابطہ فن موسیقی کے ساتھ ان کی آوازوں کی ریکارڈنگ آج تک محفوظ نہ ہوسکی، زندگی تو جانے والی تھی اور گئی بھی ہے، آج وہ دنیا میں نہیں ہیں:

زندگی پیار کی دو چار گھڑی ہوتی ہے

خدا کرے کہ ان کی آواز باضابطہ طور پر محفوظ ہو جائے، اور ارکان کے اس عظیم گلوکار کے ساز و آواز یہاں کے مسلمانوں کے لئے کارآمد ثابت ہو۔

شبیر احمد صاحب ہر ایک موضوعات پر نے گاتے رہے، مراثی، غزلیں، منقبت، نعتیہ کلام، حمد باری، قوالی، قومی ترانے و نغمے، گیت اور سنگیت غرض ہر ایک زمین میں طبع آزمائی بھی کرتے اور آواز بھی دیتے رہے، وہ نغمہ سرائی کے دوران بڑی باریک بینی اور نکتہ سنجی سے کام لیتے تھے، فطرت نے تو ان کو سریلی آواز سے نوازا، جہاں تک ساز کا تعلق تھا، اس میں بھی بڑی نکتہ آفرینی کا مظاہرہ کرتے رہے تھے، حقیقت یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر بھی گاتے، گانے کا حق ادا کر دیتے تھے، یوں تو وہ دوسرے بڑے بڑے گلوکاروں کی آوازیں نقل کرتے رہے تھے، مگر بعض راگ و راگنی بذات خود گڑھ بھی لیتے تھے، خاص طور پر قومی زبان میں قومی ساز و سنگیت کو اپناتے ہوئے روایتی انداز میں گانے میں بڑے ماہر نظر آتے تھے۔

موصوف یوں تو ہند و پاک اور بنگال کے بڑے بڑے گلوکاروں کی آوازیں نقل کرتے تھے، مگر ان تمام گلوکاروں میں خاص طور پر محمد رفیع صاحب اور لتا جی کی فطری آواز کے بڑے مداح تھے، اس سلسلے میں تعجب کی بات یہ ہے کہ موصوف جس گلوکار کی آواز نقل کرتے جاتے، اس میں بڑی مہارت سے کام لیا کرتے تھے، بہر حال چنگ و رباب تو ویسی نہیں ہوسکتی تھی، مگر لب و لہجے، دھن و ترنم، زیر و بم اور اتار چڑھاؤ، مدوجزر بالکل منقولہ گلوکار یا گلوکارہ جیسی ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ ویسے آواز کے حوالے سے اصل و نسل میں فرق کرنا بڑا مشکل سا ہو جاتا ہے، پھر کبھی کبھار ایسا محسوس ہوتا کہ کاش منقولہ گلوکار یا گلوکارہ کی آواز شبیر صاحب جیسی ہوتی تو بڑی خوب ہوتی، حقیقت یہ ہے کہ محمد رفیع صاحب مرحوم کی آواز نقل ہو کر جب شبیر صاحب کی زبان سے نکلتی تو محسوس ہوتا تھا کہ اصل سے نقل میں دلکشی و جاذبیت زیادہ ہے، یوں تو شبیر صاحب ہر بڑے گلوکاروں اور گلوکارہ کی آوازیں نقل کرتے تھے، مگر گلوکارہ

خواتین کی وہ آواز نقل کرتے، جو مردوں کے لئے بھی بجا ہوسکتی ہو، موصوف محمد رفیع صاحب، لتا جی، شمسا دبیگم، نور جہان، ثریا، مکیش، کشور کمار، طلعت محمود، شبیر کمار، مہدی حسن، مہندر کفور، ہیمن کمار وغیرہ کے علاوہ بنگال کے نامور گلوکار عبد العلیم کی آوازوں کو بڑی متانت کے ساتھ نقل کرنے میں مہارت اور فطری صلاحیت سے کام لیتے تھے۔

شبیر صاحب ساز و آواز کے دوران جذباتیت سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ جذباتیت کے بجائے حقیقت پسندی اور واقعات پر زور دیتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ اس دوران ان کے تن بدن سے منفعلانہ انداز کا مظاہرہ نہیں ہوتا تھا، گانے کے دوران منہ زیادہ سے زیادہ کھولنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے تھے، نہ ان کو تن بدن کو ہلانے کی ضرورت ہوتی تھی، ہونٹ جنبش دیئے جاتے تو آواز ساز اور ترنم کے ساتھ نکلتی جاتی تھی، کوئی بھی ساز و آواز کی گہرائیوں سے واقف یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ واقعی شبیر صاحب کی آواز قدرت کی ایک زبردست کرشمہ اور ودیعت ہے۔

موصوف کی اردو بڑی صاف اور تلفظ بڑے شفاف ہوتے تھے، اردو زبان کے ایسے اجنبی گلوکار کے تلفظ، زبان و لب و لہجے بڑے حیرت انگیز تھے، ان کی آواز سے یہ محسوس کبھی نہیں ہوتا تھا کہ یہ ایک اردو کے اجنبی گلوکار کی آواز ہے، صرف گیت اور نغمے نہیں بلکہ غزل اور قوالی جیسی پر کٹھن زمینوں میں بھی وہ اپنی اردو دانی کے لوہے منواتے رہے تھے، ان کے مطابق اردو انہوں نے سیکھی تھی بس اخبار و مجلّات پڑھنے کی نیت سے، مگر قدرت کو ان کی اس تعلیم سے کام لینا تھا، آخر کار اردو ان کے اپنے فن کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوئی، ہم نے بنگال اور ارکان کے بہت سے گلوکاروں کو دیکھا، ان کے نغمے اور گیت سنے، ان کے تلفظ بڑے بھونڈے ہوتے ہیں، لیکن شبیر احمد صاحب اہل زبان جیسے تلفظ کرنے میں ماہر نظر آتے تھے۔

موصوف نے غالبا ۱۹۷۵ء میں شادی رچائی تھی، مگر یہ شادی ان کی زندگی کے لئے پھلدار ثابت نہ ہو سکی، شادی کے چند دن بعد اچانک ان کو ترک وطن پر مجبور ہونا پڑا، اور سعودی عرب کی راہ لینی پڑی تھی، چند دن گزرتے نہ گزرتے ان کی اہلیہ دوسری کی ہوگئی، ان کی زندگی کے لئے یہ ایک بڑا حادثہ تھا، اس واقعہ کی وجہ سے ان کے دل میں ایک زبردست دھچکہ لگا، شاید اس بے وفائی نے مرتے دم تک ان کو ستایا ہوگا، مرتے دم تک انہوں نے دوسری شادی نہیں کی، شاید کہ اس بے وفائی نے انہی درد و غم کا ایک چلتا پھرتا پیکر یا پتلا بنا رکھا تھا۔

شبیر احمد صاحب تقریباً ۱۹۸۰ء سے ۲۰۰۹ء تک سعودی عرب میں مقیم تھے، مدینہ منورہ میں مدتوں رہے، اس کے بعد مرتے دم تک جدہ میں رہائش پذیر تھے، جہاں کہیں بھی رہے وہ اپنے فن کا مظاہرہ کرتے رہے، جہاں تک میرا خیال ہے کہ زندگی کے ساتھ ساتھ تجربات نے ان کے فن میں چار چاند لگا دیئے تھے، وہ اپنی آواز کو باضابطہ طور پر ریکارڈنگ کرانے کا لئے ہمیشہ کوشاں تھے، مگر جہاں اس کام کو پایۂ تکمیل میں پہنچانے کے لئے ایک معقول سرمایہ کی ضرورت تھی وہاں ریکارڈنگ کے لئے ضروری موسیقی کی بھی ضرورت تھی، ان کے بعض احباب اور خیر اندیش اس سلسلے میں کوشش کر رہے تھے، لیکن ہزار کوششوں کے باوجود یہ کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا تھا۔

شبیر احمد صاحب ذاتی طور پر ایک دیندار آدمی تھے، ساتھ ہی ساتھ سماجی بھی، عرصۂ دراز تک ایک طرف وہ کچھ اپنے ذریعہ معاش کے لئے تو دوسری طرف سماجی کام کے حوالے سے خدمات کے بطور ہماری برادری میں افادۂ عام کے لئے کھولے جانے والے شفا خانہ میں کام کرتے رہے تھے، علاوہ ازیں ارکان میں پائے جانے والے بعض بڑے بڑے مدارس کی بہبودی لئے بھی کام کرتے رہے تھے، مدرسوں کے لئے جلسے منعقد کرانے کے دوران وہ اپنے فن سے کام لیتے رہے، اس سلسلے میں ان کی کوشش بڑی بارآور ثابت ہوئی تھی۔

شوق دیدار

عمر کے لحاظ سے ہم بہت ہی چھوٹے تھے، زمانہ گراما فون کا تھا، اس زمانے میں شبیر صاحب کی آواز کان پڑی؟ ٹیپ ریکارڈنگ کا زمانہ آیا تو ارکان میں ہر کجا ان کی آواز گونج رہی تھی، دکانوں، ہوٹلوں، گھروں اور محفلوں میں ریکارڈنگ کے ذریعے ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، ہم بہت چھوٹے تھے، لیکن پھر بھی دل چاہتا رہا تھا کہ منگڈو جا کر اس سریلی آواز والے جادوگر سے ملاقات کر آؤں، لیکن میرے لئے وہیں جانے کا کوئی راستہ نہیں ہو سکا، اس شوق دیدار میں زمانے گزرتے گئے اور شوق بھی بڑھتا ہی چلا گیا، پھر اچانک ایک روز سننے میں آیا کہ شبیر صاحب نے ارکان چھوڑ کر سعودی عرب کی راہ لی ہے، یہ بات کان پڑی تو بڑا ہی افسوس ہوا کہ شاید زندگی میں اس عظیم ارکانی گلوکار سے ملاقات نہیں ہو سکے گی، اس افسوس اور حسرت کے عالم میں سالوں گزر گئے، اس دوران اتنی سی خبر

ہمیشہ ملتی رہی تھی کہ وہ سعودی عرب میں مقیم ہیں اور اپنے نغموں سے لوگوں کو مسحور کرتے رہے ہیں۔

غالباً ۱۹۸۴ء کا واقعہ تھا کہ میرے داد ہال نائن چنگ کا ایک نوجوان سعودی عرب میں چند سال گزارے اپنے وطن آیا ہوا تھا، انہوں نے ایک ٹیپ ریکارڈنگ بھی ساتھ لایا، میرا ان کے اُدھر سے گزر ہوا تو اس جدید اور خوب صورت ٹیپ ریکارڈنگ میں شبیر احمد صاحب کی آواز کی کیسٹ بج رہی تھی، وہ نوجوان میرے رشتہ داروں میں سے تھا، جس کے ساتھ میرا دوستانہ تعلقات بھی تھے، میں نے اس سے کہا کہ تمہارے یہاں ان کی کیسٹ کیسی؟ تو اس نے بتایا کہ:

> ''شبیر صاحب آج کل سعودی کے شہر مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، وہاں انہوں نے روہنگیا قوم اور ہمارے جہادی پروگراموں پر مشتمل بہت سے نئے اردو اور ہماری زبان میں گانے ریکارڈ کرا چکے ہیں، سلامت سے ہیں، کام بہت اچھے کر رہے ہیں، ہماری برادری کے لوگ انہی اپنے درمیان پا کر بہت خوش ہیں، ان سے تعاون کرتے ہیں، آپ یہ جو نغمے سن رہے ہیں یہ اس سلسلے کی ایک کڑی ہی ہے''۔

اس کیسٹ میں دیگر چند نغموں کے ساتھ شہید ملت محمد جعفر حسین قوال کا ایک نغمہ بھی شبیر صاحب کی آواز میں موجود تھا، نغمہ کے مضمون اور زمین سے زیادہ ساز و آواز کے جادو نے دل کو داد دینے پر مجبور کر دیا تھا، تو لیجئے اس نغمے کے چند مصرعے:

مجھ کو معلوم نہ تھا تم سے محبت ہوگی		رنج پہ رنج مصیبت پہ مصیبت ہوگی
تو نہ پہنچا کبھی درۂ افق میں ابھی تک		ورنہ اسلام کے میدان میں اتر جاؤ گی
خونِ ارکانی کی قسم اور قسم خونِ شجاع		دوبارہ ہاتھ میں مسلم کی تلوار ہو گی
خدمتِ قوم میں سر بھی گیا جان بھی دوں		یہاں نہ مل جائے اگر حشر میں دیدار ہو گی

اس واقعے کے بعد مدت گزر گئی، ارکان کے بعد بنگلا دیش میں میری تعلیم ہوئی، پھر اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں ہندوستان کا سفر نصیب ہوا، غالباً ۱۹۹۹ء کے اواخر میں میرے ایک قابل قدر دوست ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی طرف سے مندوب بنے سعودی عرب جا رہے تھے، انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں تو حجاز مقدس جا رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اگر حج اور زیارت مدینے کے بعد دوبارہ یہاں آنا نصیب کیا تو میں آپ کے لئے وہاں سے بطور ہدیہ کیا لاؤں؟ میں نے جواباً کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ

کے سفر حجاز مبارک کرے، مدینہ طیبہ پہنچیں گے تو روضۂ اقدس میں میرا اسلام کہنا، اگر آپ کی واپسی ہوگی تو میرے لئے اگر ممکن ہو تو ایک دو شبیر صاحب کے وہ نغمے والی کیسٹ جن میں ہمارے قومی اور ملی کلام کے علاوہ نعتیہ کلام پر مشتمل مضامین ہوں ضرور لانا، موصوف سعودی عرب تشریف لے گئے، اور چند دن گزر جانے کے بعد موصوف کا ایک یادنامہ موصول ہوا، پڑھ کے دیکھا تو دیگر تمام چیزوں کا تذکرہ جو ہمارے متعلق تھا موجود، مگر شبیر صاحب کی کیسٹ اور ان کے اشعار کے حوالے سے کوئی بات تک نہیں، بعد میں میں نے ٹیلیفون کے ذریعے انہی میری وہی بات یاد دلائی تو جواب میں انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کی فرمائش پوری کرنے کی کوشش کی مگر میں بری طرح ناکام ہوگیا ہوں۔

پھر اللہ تعالی کو منظور تھا کہ ۲۰۰۳ء میں میرا حجاز مقدس جانا نصیب ہوا، مکہ معظّمہ اور اس کی اطراف میں تقریبا میرا ایک مہینہ گزر گیا، اس کے بعد مدینہ کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھا، اس دوران شبیر صاحب کی یاد دل سے نکل گئی تھی، میرے دل و دماغ میں مدینۃ الرسولؐ کی زیارت کا شوق چھایا ہوا تھا، سرکار کے دربار میں باریابی کے بعد جدہ واپس آیا تو اب دل میں شبیر صاحب کی یاد تازہ ہوگئی، اور افسوس ہوا کہ مدینہ میں ان سے ملاقات کیوں نہ کر آیا ہوں، اب میں نے اس شوق دیدار کا تذکرہ میرے ایک محسن دوست کے سامنے کیا تو انہوں نے جھٹ سے بولا: جناب من! شبیر صاحب تو عرصۂ دراز سے یہاں جدہ میں رہائش پذیر ہیں، آپ چاہیں تو کیلو اربعہ عشر میں جا کر ملاقات کر سکتے ہیں، اب میری خوشی کی انتہا ہوگئی تھی۔

دوسرے روز شام ڈھلے میں مذکورہ محسن کی گاڑی پر سوار ہوکر کیلو اربعۃ عشر گیا، مغرب سے پہلے شبیر صاحب کی رہائش گاہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ نماز مغرب کے لئے مسجد گئے ہوئے ہیں، ہم نے بھی سیدھی مسجد کی راہ لی، نماز سے فراغت کے بعد ہم دونوں ان کی رہائش گاہ کے آنگن میں آ ٹھہرا، اب ادھر سے ایک آدمی کوٹ پتلون میں ملبوس جھکی ہوئی نگاہیں اور آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا، میرے محسن دوست نے کہا کہ دیکھو تو سہی آپ کے شبیر صاحب تشریف لا رہے ہیں، اب میں آگے بڑھا اور سلام کیا، جواب سلام کے بعد پوچھا آپ کون صاحب ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟ میں نے اپنا مختصر سا تعارف کرایا اور شوق دیدار کا تذکرہ بھی کیا، اب انہوں نے اپنی رہائش گاہ جو اس وقت بہت مختصر سے ایک کمرہ پر مشتمل تھی میں بٹھایا، اور بہت ہی محبت اور شفقت سے اپنی کچھ گزری ہوئی داستانیں سنائیں، اس مختصر سی ملاقات میں جتنی باتیں بتائیں وہ تو بہت ہی تھیں، البتہ چند

کلمات جو ہمیشہ میرے ذہن میں رہے اور شاید آئندہ بھی رہیں گے وہ یہ ہیں:

”جناب من! میں ایک چھوٹا سا گلوکار ہوں، جو کچھ بھی ہوں لیکن اپنی قوم اور اپنی ملت پر بہت کچھ گا چکا ہوں، مگر میں اپنی پوری زندگی میں اپنی قوم میں مخلص انسان بہت کم پایا ہوں، ہر کوئی کہتے ہیں کہ شبیر صاحب آپ کو ایسا کرنا چاہیئے اور ویسا کرنا چاہیئے، مگر جب تعاون کی بات سامنے آتی ہے تو سب منہ موڑے چلے جاتے ہیں، اور تو اور میں نے اپنی قوم اور اپنے مصیبت زدہ بھائی بہن کے حالات پر مشتمل بہت سے نغمے گائے، ان کی باضابطہ حفاظت کے لئے ایک پروگرام بعض دوستوں کے سامنے رکھا تو انہوں نے میرے سامنے تعاون کا وعدہ تو کیا مگر بعد میں ایک آدمی بھی اس کام کے حوالے سے سامنے نہیں آیا، کہنے میں تو میرے بہت سے مخلص ساتھی اور احباب ہیں، مگر وقت پر کوئی کام نہیں آتے ہیں“۔

روہنگیا نیشنل لیبریشن پارٹی (RNLP) میں چند دن

سرزمین ارکان کے عظیم مرد مجاہد حضرت محمد جعفر حسین قوال شہید کے زمانے میں وہاں اردودانوں اور اردو سے گہرے تعلق رکھنے والے دانشوروں کی بھرمار تھی، ہر کہیں اردو کے گن گائے جاتے تھے، اردو سے دلچسپی رکھنا گویا علم دوستی کی علامت تھی، برطانوی دور حکومت کے دور آخر سے لے کر تقریبا اونو دور کے اواخر تک اردودانوں کی کمی اس سرزمین میں نہیں تھی، حضرت محمد جعفر حسین قوال صاحب نے مسلح جہادی جماعت کی بنیاد رکھی تو اس جماعت میں دانشوروں، رہنماؤں اور کمانڈروں کی اکثریت اردودانوں یا کم سے کم اردو سے شدبد اور دلچسپی رکھنے والوں کی ہی تھی، ایک طرف حضرت شہید کی مدبھری آواز کی جادوگری، ان کی موسیقی کی دل کشی، ان کی نمایاں شخصیت کی جاذبیت پھر دوسری طرف ان کی آواز میں حضرت شاعر مشرق علامہ اقبال کے علاوہ ہندوستان کے نامور شاعروں کی مدھور اور مدبھری شاعری نے ارکان کے اردودانوں کو مسحور کر رکھا تھا، شاید حضرت شہید کی گلوکاری کا اثر ہو کہ کم سے کم حضرت محمد جعفر حبیب مرحوم کے دور قیادت تک ارکان کی مسلح جہادی جماعتوں میں اردو سے دلچسپی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی، شہید ملت حضرت محمد جعفر حسین کی شہادت کے بعد محمد عباس، قاسم راجا، کرنل

احمد حسین، کرنل ربیع اللہ/ راغب اللہ، کرنل مستفیض الرحمن اور کیپٹن باسا میاں صاحب وغیرہ کے ادوار میں بھی محمد جعفر حسین قوال کی شاعری، گلوکاری اور موسیقی کا اثر برابر جاری تھا، ہمارے جہادی پروگراموں میں اردو ہر کہیں چھائی ہوئی تھی، اب مرحوم محمد جعفر ثانی کا دور شروع ہوا تو مجاہدین میں اردو دانی کا ایک بار پھر دورہ شروع ہوا، شاید اس لئے بھی ہو کہ محمد جعفر ثانی خود بھی عالم اور عالم دوست ہونے کے علاوہ اردو کی شاعری اور گلوکاری سے دل چسپی رکھنے والے تھے، فنون لطیفہ سے ان کا گہرا رشتہ تھا، خود شاعری بھی تھے اور موسیقی اور گلوکاری کے دلدادہ بھی، کہتے ہیں کہ وہ بذات خود شاعر ہونے کے علاوہ موسیقار بھی تھے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں ہمارے ممدوح گلوکار شبیر احمد صاحب طالب علم تو تھے، لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی مدھور اور مدبھری آواز کی شہرت کی ابتداء ہو چکی تھی۔

کسی مجاہد ساتھی کی زبانی شبیر صاحب کی آواز کی جادوگری کی خبر جناب محمد جعفر ثانی کے کان پڑی تو حکم ہوا کہ ان کو جماعت مجاہدین میں شامل ہونے کی دعوت دی جائے، ابھی حکم ملنا ہی تھا کہ چند مجاہدین رات کی اندھیری میں شقدارفارہ پہنچے، تلاش وجستجو کے بعد شبیر صاحب ملے تو ان کے پاس محمد جعفر ثانی کی دعوت پہنچائی گئی، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر جماعت مجاہدین میں شامل ہونے سے انکار کر دیا کہ:

> ''ایک طرف میں ایک طالب علم ہوں تو دوسری طرف میری طبیعی میلان بھی اب اس کوچہ سے گزرنے کا نہیں ہے، مجھے عوامی حلقوں میں رہ کر اپنی صلاحیت اور خدا داد استعداد کو چار چاند لگانا ہے، میرے خیال میں یہ اس لئے ضروری ہے کہ میری صلاحیت کو ابھارنے اور نکھارنے کے لئے مجاہدین کے تنگ وتاریک اور سراسیمہ حلقوں سے زیادہ وسیع وعریض عوامی حلقے میرے لئے ناگزیر ہیں''۔

لیکن مجاہدین نے ان کی باتوں کو مسترد کرتے ہوئے انہی گرفتاری کی شکل میں مرکزی معسکر راسیدنگ میں لے گیا، دوسرے روز ان کو جناب محمد جعفر ثانی کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے محمد جعفر ثانی کی فرمائش کو قبول کرتے ہوئے اردو کے چند نغمے سنائے تو انہوں نے داد تحسین دیتے ہوئے کہا کہ:

> ''آپ ہمارے مجاہدین کے لئے بہت ضروری آدمی ہیں، آپ کی آواز کی جادوگری ہمارے جہادی پروگرام میں قومی جذبات کو ابھارنے کے حوالے سے بہت ضروری ہے، آپ ہمارے ساتھ شریک سفر ہوں گے تو ہم اور ہمارے مجاہدین کی بڑی خوش قسمتی ہوگی''۔

مگر شبیر صاحب نے بروقت کوئی جواب نہ دیا اور ایک طرح کی خاموشی اختیار کی، ویسے چند روز گزر گئے، اب محمد جعفر ثانی نے سمجھ لیا کہ شبیر صاحب کو جماعت مجاہدین میں شمولت سے انکار ہے، چنانچہ مزید چند دنوں کے بعد انہی اختیار دیا گیا کہ آپ چاہیں تو مجاہدین کے ساتھ رہ سکتے ہیں ورنہ واپس جا سکتے ہیں، ویسے انہوں نے مجاہدین کے ساتھ مزید دن گزارنے سے زیادہ عوامی حلقوں میں جانا مناسب سمجھا اور گھر واپس آگئے تھے۔

اس واقعہ کے حوالے سے جہاں تک خبر ملی کہ محمد جعفر ثانی مرحوم شبیر صاحب کے ساز وآواز اور ان کی اردو دانی سے بڑے متاثر ہو گئے تھے، اور کہا تھا کہ انشاء اللہ یہ نوجوان گلوکار آگے جا کر قومی تاریخ میں ایک انمول ستارہ بن کر چمکے گا، اللہ تعالی اسے سلامت سے رکھے۔

چنانچہ اس حوالے سے میرا خیال ہے کہ جناب محمد جعفر ثانی کی امید اور توقع بالکل سچی ثابت ہوئی کہ آگے جا کر ارکان کا یہ قومی ستارہ ایک سورج بن کر ارکان کے افق پر چمکا، اور اس وقت تک چمکا کہ جب تک زوال کی تقدیر نے انہی اپنے آغوش میں نہ لیا ہو۔

روہنگیا ڈرامہ اور شبیر احمد صاحب

گئی صدی کے ساٹھ کی دھائی میں روہنگیا قومی اور تاریخی ڈرامہ ''روہنگیا رورا'' تخلیق کی گئی تھی، یہ اس لئے ہے کہ اس وقت کی حکومت نے چاہا کہ ہر قوم اپنی تاریخ پر مشتمل ایک ڈرامہ یوم آزادی کے موقع پیش کرے، چنانچہ اس سلسلے میں ارکان کے دیگر نسلی گروہوں نے بھی اپنے اپنے خیالات کے مطابق کسی نے ڈرامہ اور کسی نے پہاڑی قسم کے فنون لطیفے پیش کئے، مگھوں نے بھی ایک قسم کا ڈرامہ رچایا، اب روہنگیا قوم کی تاریخی خلفیات پر مشتمل ایک ڈرامہ تیار کرنا تھا، اس کی تخلیق اور تکمیل کے لیے منگڈو اور بوسیدنگ کے بعض اہل فکر اور ارباب فن نے عبد الصمد صاحب بوسیدنگی (جنہیں بعض لوگ ارکان کے محبوب خان بھی کہتے ہیں) سے گزارش کی کہ آپ اس فن سے خاصی دلچپسی رکھتے ہیں، اور بعض امور میں دیکھا گیا تھا کہ آپ کے اندر ایسی ایسی فطری صلاحتیں اور جواہر ہیں، جن کی بنیاد پر آپ اس کی تکمیل ضرور کر سکیں گے، اس حوالے سے جناب شبیر احمد صاحب کا کہنا ہے کہ:

> ''چنانچہ مشورے کے بعد جناب عبد الصمد صاحب بوسیدنگی کو اس تخلیقی اور تاریخی

کام کا ڈائرکٹر بنایا گیا، میرے خیال میں یہ انتخاب بالکل درست تھا، کیوں کہ جہاں تک معلوم ہوا کہ اس کام کی انجام دہی کے لئے اس وقت اور شاید اب بھی ہو کہ ان سے زیادہ باصلاحیت آدمی اور کوئی نہیں تھا، وہ اس فن کے راز اور پیچ وخم سے بخوبی واقفیت رکھنے ولا ایک موزون انسان تھا، ان کے اندر فطری صلاحیت تھی، چنانچہ انہوں نے اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے دن رات کو ایک کر دیا تھا، انہوں نے اپنی فطری صلاحیت سے کام لیتے ہوئے اس ڈرامہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر قوم سے خراج تحسین وصول کیا، وہ اس ڈرامہ کو کامیاب تر بنانے کے لئے قوم کے دیگر فنکاروں سے مشورہ کے بعد اپنے تن من اور دولت وثروت کو قربان کیا، اور ایسی خوب صورتی سے پیش کیا، جیسے وہ کوئی ہندوستانی فلم کے ڈائرکٹر ہیں''۔

جناب عبد الصمد صاحب بوسیدنگی نے اس ڈرامہ کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے بڑی محنت کی، انہوں نے اس کے لئے اس زمانے کے دیگر فنکاروں سے مشورہ لینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی، غرور و پندار کو قریب تک آنے نہیں دیا، اس سلسلے میں جہاں تک پلے بیک کا سوال تھا، اس حولے سے وہ بڑے پریشان تھے، کہ اس کام کے لئے کس کی آواز کا انتخاب کیا جائے، یوں تو ارکان میں اس وقت بھی گلوکاروں اور گانے بجانے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی، اس وقت چند نامور قوال بھی ارکان میں موجود تھے، اور مقامی سنگروں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، لیکن انتخاب کے حولے سے جناب ڈائرکٹر صاحب بڑے تردد میں مبتلا تھے، اس وقت ہمارے ممدوح جناب شبیر احمد صاحب کی آواز کی شہرت کی ابتدا تھی اب کسی نے آ کے جناب عبد الصمد صاحب کو یہی اطلاع دی کہ شقدار فارہ منگڈو میں ایک نوجواں ہے، جس کی آواز بہت خوب ہے، آپ چاہیں تو انہی بلا کر ان کی آواز سن سکتے ہیں، یوں عبد الصمد صاحب نے شبیر احمد کو بلایا، وہ آئے تو ان کی آواز سنی گئی، اگر چہ ظاہر ہے کہ ان کو آواز بڑی اچھی تھی، لیکن ایک فکر بھی لاحق ہوئی کہ وہ ایک نوجوان سنگر ہونے کے ساتھ کام کے پیچ وخم سے ناواقف ہیں، کام میں لانے کے لئے ضرورت تھی کہ ان کی چند روز تربیت کی جائے، چنانچہ ان کی تربیت کے لئے عبد الصمد صاحب نے خود کمر کس لی، اور دن رات کی محنت سے ان کو کام کا بنالیا، چونکہ شبیر احمد صاحب کے اندر فطری صلاحیت تھی، چنانچہ چند دن جاتے نہ جاتے وہ کندن بن گئے تھے۔

دراصل یہ ڈرامہ روہنگیا مسلمانوں کی تاریخی خلفیات پر مشتمل ایک داستان پر مبنی تھا، جس میں محبت اور

رومانس کے رنگ وروغن کے ساتھ انسانوں کو انسان دوستی اور قومی رواداری کے یادگار نمونے دکھائے گئے تھے، اطلاع کے مطابق اس میں روہنگیا مسلمانوں کی اس جنت نشاں سر زمین میں وجود و بقا اور دوام واستحکام کے حولے سے چند چیزیں دکھائی گئی تھیں، ڈرامے کے تمام کردار کے حوالے سے اس میں خاصی چیزیں قابل تعریف تھیں، لیکن چند چیزیں قابل تنقید بھی، قابل تعریف چیزوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بس ڈرامے میں دکھایا گیا کہ ارکان کے روہنگیا مسلمان یہاں کے قدیم اور اصلی باشندے ہیں، انہوں نے اس گلستان کو سنوارنے کے لئے ہر دور میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی، انہوں نے اس حسین چمن کو اپنے خون جگر سے سینچا اور سنوارا ہے، یہ ان کا وطن ہے، انہوں نے اپنے وطن کو محبت کی پھولوں سے بھر دینے کے لئے تاریخ کے مختلف ادوار میں جو کردار ادا کیا، وہ دوسرے نسلی گروہوں کے خواب وخیال میں بھی نہیں تھا، انہوں نے اپنے وطن سے محبت کی، اور انسانوں کو انسانوں سے محبت کرنا سکھایا، اور وطن کے دیگر نسلی گروہوں نے بھی ان سے انسانوں سے محبت کرنا سیکھا، ان کی انسان دوستی سے سبق حاصل کیا تھا، یہ اور ان جیسی چیزیں اس ڈرامہ میں بہت قابل تعریف تھیں، جن کی بنیاد پر ڈائرکٹر صاحب اور ان کے ہم نوا وہم سفر قابل داد تھے اور ہیں۔

اطلاع کے مطابق اس میں قابل تنقید چند پہلو بھی تھے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ اس ڈرامے میں دکھایا گیا تھا کہ ارکان میں داعیان اسلام حوادث روزگار کے نتیجے میں پہنچے تھے، وہ یہاں بادبانی کشتی کے ٹوٹنے کے نتیجے میں اقامت پذیر ہوئے تھے، نہ کہ ان داعیان اسلام کا رخ سفر ارکان تھا، اس ڈرامے کے نزدیک ملک چین اور چین کے دیگر علاقوں میں جاتے وقت یہ حضرات حادثہ کے شکار ہو گئے تھے، شاید ایک یہ حادثہ کبھی ہوا بھی ہو، لیکن ارکان میں اسلام اور دعاۃ ومرشدین کی آمد اس ڈرامائی حقائق سے بالکل مختلف تھی، تاریخی حقائق ہمارے سامنے ہیں کہ یہاں داعیان اسلام تاریخ کے مختلف ادوار میں دانستہ اور شعوری طور پر اشاعت اسلام کی خاطر آئے تھے، جنہوں نے اپنی حکمت عملیوں کو بروئے کار لاتے ہوئے یہاں اسلام کی اشاعت کی تھی۔

خیر جو کچھ بھی ہو کہ داعیاں اسلام یہاں وارد ہوئے، یہاں والوں سے انہوں نے محبت کی تھی، اور انہوں نے یہاں آ کر اہل سرزمین کو نہ صرف دین سکھایا بلکہ انسانیت کا وہ پیغام دیا، جس کے بغیر انسان دنیا میں بھی بیکار اور آخرت میں بھی ان کے لئے کچھ نہیں، افسوس اس ڈرامے میں اس بات کو اجاگر نہیں کیا گیا تھا کہ داعیان اسلام صرف اس حادثہ کے شکار ہو جانے والے نہ تھے بلکہ ان کے علاوہ بھی

مختلف ادوار میں داعیان اسلام کی ایک بھاری تعداد یہاں اشاعت اسلام کے لئے پہنچی تھی، جنہوں نے یہاں اسلام کی تبلیغ کرکے اس دنیا سے رخصت لی، بایں ہمہ آج کل جتنے مسلمان یہاں پائے جاتے ہیں، وہ یہاں کے اصلی اور قدیمی باشندوں پر مشتمل ہیں۔

جبھی یہ روہنگیا ڈرامہ منظر عام پر آیا تو انسانیت دشمن نادان ظالموں نے اس سے اپنے کام کی بات نکالی کہ روہنگیا مسلمانوں نے اعتراف کرلیا ہے کہ وہ یہاں کے اصلی اور قدیمی باشندے نہیں ہیں، بلکہ وہ ہیں جو حادثہ کے شکار ہوکے یہاں وارد ہوئے تھے، اس لئے وہ اس سرزمین کے اصلی حق دار نہیں ہیں، یہ لوگ بس یہاں کے مہمان ہیں، اور مہمانوں کے لئے ضروری ہے کہ چند روز رہیں، اور دھتکار پڑنے سے پہلے اپنی آبرو سنبھالے چلے جائیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان ظالموں اور نادان دشمنوں کا دعوی بالکل بے اصل اور بے اصولی پر مبنی تھا، لیکن ڈرامہ رچانے والوں کو اس پہلو پر نظر رکھنی ضرور چاہئے تھی کہ اس حوالے سے دشمنوں کی زبانیں بھی کبھی کھول سکتی ہیں۔

اس ڈرامے کے حوالے سے شبیر احمد صاحب کا کردار بہت خوب تر ثابت ہوا تھا، انہوں نے اسے کامیاب بنانے میں اپنی پوری صلاحیت کو بروئے کار لایا، اور اپنے ساز وآواز سے اسے کامیاب بنایا تھا، چنانچہ لوگ کہنے پر مجبور تھے کہ ڈرامہ اور اس کے تاریخی بیانات کی تصویر کشی سے زیادہ شبیر احمد صاحب کی آواز بڑی دل کش اور من موہنی تھی، اگر ان کے ساز وآواز نہ ہوئی ہوتی، شاید یہ ڈرامہ فلاپ بھی ہوجاتا، اس ڈرامہ کی کامیابی کے حوالے سے شبیر احمد صاحب کے ساز وآواز کو جتنی بھی داد دیئے جائیں بہت کم ہیں۔

بہر حال اس ڈرامہ کی وجہ سے شبیر صاحب قومی سطح پر منظر عام پر آگئے تھے، اس سے پہلے وہ ایک علاقائی گلوکار تھے، اور وہ بھی چند نوجوانوں کے مابین ایک حد تک گم نام، اس ڈرامے نے ان کو شہرت کی بلندی پر پہنچادیا تھا، نہ صرف ارکان کے بوڑھے، بچے، مرد، عورت، جوان اور نوجوان بلکہ بڑے بڑوں کی زبانیں بھی انہی داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں، ان کی یہ شہرت ان کے انتقال کے بعد بھی آج تک جوں کا توں باقی ہے، آج تک ان کے گزرے ہوئے بہت سال بیت چکے ہیں، آج تک ان جیسا نہ ہوتو ان کے قریب قریب کا ایک گلوکار ارکان کے افق پر نمودار نہیں ہوسکا۔

ادھر اس ڈرامے کے حوالے سے ایک افسوسناک بات جو مدتوں سے میرے دل میں گزر رہی ہے، اس

پر میں نے بارہا سوچا کہ کہوں یا نہ کہوں، مگر اب کہے بغیر دل مانتا نہیں ہے، ویسے کہتا چلا جارہا ہوں کہ اس ڈرامے کے خالقین نے کردار کے ذریعے لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم بنگال اور اہل بنگال سے کسی قسم کے رشتے نہیں رکھتے ہیں، جس طرح ارکان اور بنگال کو دریائے ناف نے جدا کردیا ہے، ٹھیک اسی طرح نسلی اور قومی طور پر بھی بنگالیوں ارکانی مسلمانوں کے مابین کوئی نسبت نہیں ہے، نہ تاریخی اور نہ سیاسی اور ثقافتی، اس لئے اس پورے ڈرامے کی ڈائلاک میں ایک لفظ بھی بنگلا زبان کا استعمال نہیں کیا گیا، جو میرے نزدیک ایک سوچے سمجھے پلان کے تحت کیا گیا تھا، جب کہ اس ڈرامے کے جتنے نغمے تھے یا تو وہ اردو زبان کے تھے، یا بنگلا کے، اور ڈائلاک میں عربی اور اردو زبانیں تو استعمال ہوئی تھیں، لیکن بنگلا سے بالکل گریز کیا گیا تھا، میرے خیال میں یہ ایک عیاں اور کھلی ہوئے واقعیت اور حقیقت کو چھپانے والا عمل تھا، یہ ایک خطرناک قسم کی ذہنی، سیاسی اور فکری نادانی تھی، جس کا خمیازہ ارکان کے مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اب بھی پڑ رہا ہے، خدا معلوم اس ذہنی نادانی کی سزا مستقبل میں اور کتنی مدتوں تک سہنا پڑے گا۔

یہ تو سچ ہے کہ ڈرامہ رچانے والوں نے اپنی قوم کے ساتھ ساتھ برمی حکام کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم بنگالی نہیں ہیں، ہم روہنگیا ہیں، نسلی اور قومی لحاظ سے روہنگیا مسلمانوں سے بنگالیوں کا کوئی تعلق نہیں ہے، برمی درندے اور مگھ وحشی شر پسند یہ جو دھنڈورا پیٹتے ہیں کہ ارکان کے مسلمان روہنگیا نہیں بلکہ بنگالی ہیں، ان کے خلاف یہاں کے مسلمان اپنے اس دعوی پر ڈٹے ہوتے ہیں کہ ہم روہنگیا ہی ہیں اور بنگالی نہیں ہیں، لیکن کیا ارکان کے مفکرین کو اپنی اصلیت کے اعتراف میں خطرہ محسوس ہورہا تھا کہ ہم اپنے آپ کو بنگالی کہیں گے تو ہمیں ارکان چھوڑ کر بنگلا دیش جانا پڑے گا۔

مگر واقعہ یہ نہیں ہے، بلکہ ہم اس حولے سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ برما کے طول وعرض میں لاکھوں چینی لوگ موجود ہیں، نسلی اعتبار سے بھی اور قومی اعتبار سے بھی وہ لوگ چینی ہیں، اگر وہ لوگ برما کے اصلی باشندے ہوسکتے ہیں تو ارکان کے مسلمانوں کی نسلی نسبت بنگالیوں سے جڑی ہوئی ہوتو یہ کیوں ایک جرم ہوسکتا ہے؟ بنگالی لوگ کروڑوں کی تعداد میں ہندوستان میں موجود ہیں، جو ہندوستانی بنگالی ہیں، وہ کیا ہندوستانی شہری ہونے کے بجائے بنگلا دیشی شہری بن چکے ہیں؟ کیا ان کی سیاسی تقسیم نے بنگالیوں سے جڑے ہوئے رشتے کو کاٹ پھینکا ہے، جس طرح بنگالی ہندوستان میں ہیں وہ انڈین ہیں، اور جو برما میں ہیں وہ برمی ہیں، اور بنگلا دیش کے حدود کے اندر جو ہیں وہ بنگلا دیشی ہیں۔

ارکان قدیم زمانے سے''روہانگ''لفظ سے معروف ہے، جو بنگالی نسل کے لوگ روہانگ کے حدود میں رہائش پذیر ہیں، وہ''روہنگیا''ہیں، یعنی روہانگ کے باشندے، جس طرح چاٹگام کے بنگالیوں کو چٹانگیا کہا جاہے، ڈھاکہ والوں کو ڈھاکایا، بریسال والوں کو بریسالیا، کلنا والوں کو کلنایا، کلکتہ میں رہنے والوں کو کلکاتایا، ٹھیک اسی طرح روہانگ میں رہنے والے بنگالیوں کو''روہنگیا'' کہنے میں کیا خرج ہے؟ جبکہ ظاہر ہے کہ ان تمام بنگالیوں کا نسلی، ثقافتی اور زمانوں تک سیاسی رشتہ ایک دوسرے سے جڑا ہوا تھا اور ہے، یہ ہے حقیقت، جسے نادانوں نے خود اپنے پاؤں پر کلھاڑی مارنے کی شکل میں تجاہل عارفانہ کیا تھا۔

شادی خانہ آبادی

شادی خانہ آبادی سے سالوں پہلے شبیر احمد صاحب کی شہرت ارکان کے طول وعرض میں کافی پھیل چکی تھی، بحیثیت ایک گلوکار بہت سارے دھنی لوگوں کی نظریں ان پر پڑ چکی تھیں، چند لوگوں نے اپنی لڑکیوں کے خطبے بھی دے چکے تھے، مگر انہوں نے ہر ایک کو ٹھکرا دیا تھا، چنانچہ ان کے قریبی دوستوں اور ساتھیوں سے جہاں تک معلوم ہوا کہ انہوں نے شروع ہی سے شادی کے حوالے سے اپنا دل اپنی ماموں زاد بہن کو دے چکا تھا، تو وجہ یہی تھی کہ انہوں نے خود اپنے دل کی بات سن لی، اور شادی کے متعلق دوسرے کسی سے منہ موڑ لینا اپنا شیوہ بنالیا تھا۔

شادی سے پہلے موصوف اپنے والدین سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، ویسے والدین کے انتقال کے صدمے انہی ستارہے تھے، ادھر ان کی اکلوتی بہن لالہ(۱) کی شادی کے لئے وہ ہرکجا نظریں دوڑا رہے تھے، ان کی چاہت تھی کہ ان کی شادی سے پہلے لالہ کی شادی ہوجائے، لیکن ان کے ماموں مولوی محمد ابراہیم شقدار فاروی نے نہیں مانا، والدین کے انتقال کے وقت یہ دونوں بھائی بہن والد کے جس مکان میں

(۱) لالہ شبیر احمد صاحب کی اکلوتی بہن ہے، والدین کے انتقال کے وقت اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، بعد میں موصوف کی شادی کے بعد لالہ کی بھی شادی ہوگئی تھی، شبیر احمد صاحب شادی کے تقریبا چھ مہینے بعد سعودی عرب چلے گئے، اور چند سال کے بعد اپنی بہن مع اس کے خاوند کو بھی وہاں لے گئے تھے، بعد میں لالہ بنگلا دیش چلی آئی، آج کل ۲۰۰۸ء کا زمانہ ہے کہ وہ چاٹگام میں مع اہل خانہ مقیم ہے، راقم السطور کے گھر والوں سے ان کا قریبی تعلقات ہیں، شبیر احمد صاحب کے انتقال کے چند سال پہلے ان کے بہنوی کا انتقال ہو چکا تھا۔

رہائش پذیر تھے، کسی نے اس پر اپنا حق جتایا تو ماموں نے کہا کہ:

''بھانجہ شبیر احمد! تم اپنا مکان حق جتانے والے کا حوالہ کر کے ہمارے مکان میں آجاؤ، یہاں تمہاری شادی میری بیٹی سے کردی جائے گی، تم دونوں بھائی بہن بشمول میری بیٹی کے میرے گھر میں آرام سے رہ سکوگے''۔

شبیر احمد صاحب نے ماموں کی بات مان لی، اور شادی کے بعد دونوں بھائی بہن ان کے گھر میں ارام و عزت سے رہنے لگے تھے۔

مولوی محمد ابراہیم صاحب نے شادی خانہ آبادی کے حوالے سے اپنے بھانجے اور داماد کے خوشیوں میں کسی قسم کی کمی نہیں رکھی تھی، باضابطہ اپنے گھر کے آنگن میں شادی کا ہال بنا لیا گیا تھا، چراغاں کیا گیا تھا، بھانجے کی طرف سے ولیمہ کا بندوبست کیا تھا، قوالوں کو بلوایا تھا، ہر طرف خوشیوں کا سماں چھایا ہوا تھا، لطف کی بات تھی کہ ابھی رات آدھی ہوتی جارہی تھی کہ قوالوں نے راگ راگنی اور شعر وشاعری سے شبیر احمد صاحب کے دل کو خوشیوں سے بھر دینا چاہا، لیکن سامعین کی طرف سے مطالبہ ہوگیا کہ شبیر صاحب خود اپنی شادی کے موقع پر کچھ سنا کے لوگوں کے دلوں کو مخمور کردیں، فرمائش پر فرمائشیں ہونے لگی تو انہوں نے اپنی آواز کھولی اور چند ایسے نغمے سنائے کہ لوگ کہنے لگے کہ آج ان کی آواز میں جان پر جان آگئی ہے۔

مولوی محمد ابراہیم بھی بڑے خوش طبع انسان تھے، لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ یہاں قریب رہیں گے تو مارے شرم کے شبیر احمد کچھ بھی نہیں سنائیں گے، اب انہوں نے اپنے جسم کو کسی آڑ میں چھپالیا، اور چھپتے چھپاتے اپنے داماد کے راگ وراگنی سے محظوظ ہونے لگے تھے۔

ابھی شبیر احمد کی آواز گونج اٹھی تو زنانے میں ان کی بہن لالہ نے آہ وزاری شروع کردی، اپنے اکلوتے بھائی کی شادی کے اس موقع پر والدین سے محرومی اس کو ستانے لگی، خواتین نے اس کو تسلی تو دی، لیکن آخر میں اس نے اپنے بھائی کو سینے سے لگا کر ہی دم لیا تھا۔

افسوس ہے کہ اس شادی کے چھ مہینے بعد سعودی عرب کے سفر نے دونوں بھائی بہن کو جدا کردیا تھا، اور درمیان کے چند مہینوں کو چھوڑ کر دم آخر تک ان دونوں کے درمیان پھر سے ملاقات نہ ہوسکی تھی، ادھر وہ سعودی عرب چلے گئے تو چند مہینے گزرتے نہ گزرتے ان کی اہلیہ نے بھی بے وفائی کی، اور ان سے ہمیشہ کے لئے بچھڑتی ہوئی دوسری شادی کرلی تھی، چنانچہ اس بے وفائی نے ان کو اتنا بڑا

صدمہ بلکہ ان کے دل میں دھچکہ لگایا کہ اس اہلیہ کی یاد پر زندگی میں انہوں نے اور کوئی شادی نہیں کی تھی۔

سعودی عرب جاتے وقت وادیٔ پرخار کے اس مسافر شبیر احمد کو امید تھی کہ ان کی اہلیہ ان کی زندگی بھر کی ساتھی نکلے گی، مگر وہ سوختہ نصیبی سے دوچار ہوئے، ہم سفر نے تو اور ایک سفر شروع کر دیا، مگر ایسے سوختہ اور درماندہ مسافر نے زندگی میں ایک ایسا راستہ اختیار کرلیا، جس پر چلتے چلتے آبلہ پا ہونے کے ساتھ معرکۂ سوز وساز میں زخم سے چور ہو کے بھی سرخرو نہیں ہوسکے، اس سفر کے حوالے سے یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس آبلہ پا، سوختہ نصیب اور زخم دل سے چور مسافر کو اپنی زندگی میں نہ کوئی قرار ملا اور نہ ان کی جان آشنائے سکون ہوسکی۔

حجاز مقدس کی طرف

شبیر احمد صاحب کی شادی ہوئی ابھی پانچ مہینے بھی گزرنے نہیں پائے کہ جروال مکہ مکرمہ میں رہائش پذیر روہنگیا برادری کے چند لوگوں نے مشورے سے طے کرلیا کہ کسی بھی طریقے سے شبیر احمد کو سعودی عرب بلالیا جائے، فیصلہ کے بعد ان کو لانے کے لئے مولوی عبدالحق گراخالوی (۱) کو مقرر کیا گیا کہ کسی بھی طریقے سے ان کو سعودی عرب پہنچا کے دم لیں، مولوی صاحب سے کہا گیا کہ جتنے بھی پیسے کی ضرورت ہو دینے کے لئے ہم تیار ہیں، ان لوگوں کے دلوں میں یہ آرزو اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ موصوف ایک بڑے گلوکار ہیں، سردست ارکان میں ان کے گانے کو ریکارڈ میں لانا ممکن نہیں ہے، اگر ممکن ہو بھی گیا تو برمی حکومت ان کو جینے نہیں دے گی، اس لئے ان کو سعودی عرب میں لایا جائے گا تو ارکانی مسلمانوں کے بیتے ہوئے حالات اور جہاد ارکان پر مشتمل گانے ریکارڈ کر کے دنیا کے سامنے پیش کرسکیں گے، جس سے قوم کا اور قوم کی تحریک کا کافی فائدہ ہوگا، مذکورہ لوگوں میں سے ایک سے زیادہ حضرات

(۱) مولوی عبدالحق گراخالوی صاحب ۲۰۱۱ء کے دوران جدہ میں رہائش پذیر تھے، راقم السطور سے ان کے قریبی تعلقات تھے، ٹھنڈے دل ودماغ کے انسان تھے، رفاہ عام کے لئے بڑے کوشاں نظر آتے تھے، انہوں نے ہمارے سامنے بھی انگنت یتیموں، مسکینوں اور ناداروں کی خدمات کیں، انہوں نے خود شبیر احمد صاحب کی علالت کے دوران بھی کافی خدمات کیں، موصوف کی آخری علالت کے دوران وہ بہت کام آئے تھے، نہ جانے آج کل مولوی صاحب کہاں ہیں، حیات سے ہیں یا ان کا انتقال ہوچکا ہے پتہ نہیں۔

سے راقم نے ملاقات کی تھی، ان کا بیان تھا کہ:

"ہم نے مولوی عبدالحق گراخالوی کو بتایا تھا کہ آپ شبیر احمد صاحب کو یہاں پہنچانے کے عوض میں کتنے پیسے لیں گے؟ مولوی صاحب نے جواب میں بتایا کہ مجھے چھ سات ویزے نکال دیجئے، ان میں سے متوقع جو منافع ہوں گے، ان ہی سے شبیر صاحب کے لئے ممکنہ مصارف ہم نکال لیں گے، ویسے ہم نے چھ سات ویزے نکال کر مولوی صاحب کا حوالہ کیا، اس کے بعد مولوی صاحب نے ارکان پہنچ کر شبیر احمد صاحب سے ملاقات کی، تفصیلات بیان کیں تو موصوف بڑے خوش ہوئے اور سعودی عرب کے لئے راضی ہوگئے تھے، چند روز کے بعد مولوی عبدالحق صاحب ان کو لے کے بنگلادیش پہنچے، جہاں شبیر احمد صاحب نے اپنے قریبی ساتھی کالافوتو (کراٹے) سے ملاقات کی، اس زمانے میں کالافوتو چاٹگام اور ڈھاکہ کے مختلف مقامات میں کراٹے کے استاد تھے، انہوں نے موصوف کو چند گلوکاروں اور فلمی ستاروں سے ملایا، ان میں سے جولیانامی فلمی ستارہ قابل ذکر اس لئے ہے کہ ایک روز کالافوٹو نے شبیر صاحب کو جولیا کی رہائش گاہ لے گیا، تعارف کے بعد جولیا نے کہا کہ اگر برا نہ مانیں تو مجھے چند نغمے سنائیں، اب شبیر صاحب نے فرمائش قبول کرتے ہوئے اسے چند نغمے سنائے، اب جولیا کہنے لگی کہ آپ سعودی عرب جانے کا عزم ترک کردیں، اور ہمارے ساتھ کام کریں، آپ کی مدھور اور مدھری آواز مجھے بہت پسند آئی ہے، انشاءاللہ آپ یہاں رہیں گے تو کام اور شہرت کی بلندی پر پہنچ جائیں گے لیکن شبیر صاحب کو حجاز مقدس، مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی آرزو کے سامنے اس ستارے کی بات پسند نہیں آئی اور سفر حجاز کا عزم باندھ لیا تھا"۔

ڈھاکے میں چند روز گزارنے کے بعد جب ڈھاکہ ایرپورٹ کے لئے موصوف روانہ ہوئے تو کالافوتو اور ان کے چند ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد الوداع کہنے کے لئے ایرپورٹ پہنچی، انہوں نے پھولوں کے چند مالے گلے ڈالے موصوف کو الوداع کہا، اس حوالے سے مرحوم نے راقم السطور کو بتایا تھا کہ:

"یوں تو میں سعودی عرب، مکہ مکرمہ اور مدینۃ الرسول کی زیارت کا عزم کر چکا تھا، لیکن میرا مقصد سعودی عرب میں مستقل طور پر رہنے کا نہیں تھا، چند مہینے یہاں گزار کے دوبارہ ارکان نہ ہو تو کم سے کم بنگلادیش واپس ہونے کا ارادہ تھا، مگر میری

اہلیہ کی بے وفائی نے مجھے دے مارا، اگر اس کی بے وفائی نہ ہوئی ہوتی تو میں ضرور اپنے وطن کی طرف کو واپس جاتا، خیر تقدیر کا لکھا یہی تھا کہ شاید آب ودانہ اور خاک گور نے مجھے یہاں رکھ لیا ہو، اور سالوں تک یہاں بے اطمینانی، پریشانی اور مصائب وآلام سے دوچار رہا ہوں"۔

حج بیت اللہ اور زیارت و مدینہ نصیب ہوئی تو وہ بڑے خوش تھے، لیکن وطن کی طرف واپسی کا جو ارادہ تھا وہ آخر تک نہیں ہو سکا، ان کے دل میں وطن کی محبت ہمیشہ انگڑائیاں لیتی رہی تھیں، ان کے چند نغموں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مرحوم اپنے وطن سے کیسی محبت رکھتے تھے، ان نغموں میں سے قومی زبان میں صرف ایک نغمہ بطور مثال حاضر خدمت ہے:

اصل روہنگیا نغمہ		اردو ترجمہ
(۱) آ گے نہ بوز یلام، دیش کینے سار یلام		پہلے نہیں سمجھا، وطن کیوں چھوڑا
شے شے مور یلام دکھے دکھے رے		آخر میں مجھے کلفت وآلام نے دے مارا
(۲) آمارو دیش شان، سائیلے فول باغان		ہمارا وطن، دیکھنے میں ایک گلستان ہے
کینے آئیلام فیلی رے		کیوں میں اسے چھوڑ چلا آیا
(۳) کوکیلا کوشوریر، آمارو دیشے		میرے وطن میں کوئل کوکتے ہیں
بوشیا فولر ڈالے رے		بیٹھے بیٹھے پھولوں کی ڈالیوں میں
(۴) نیتتی فائیتام، بوشنتیر ہوا		ہر وقت بسنت کی ہوئیں چلتی ہیں
زورائیتام آمار پرانو رے		میں اپنی جان کو سکون دے سکتا تھا
(۵) خوتو پھل دوئرا سے، آماروزمینے		میری زمین میں کتنے پھل لگے ہوئے ہیں
خائیتام شے پھل سیری رے		اسے توڑ کر کھا سکتا تھا
(۶) آمار دیشر فانی، گورا فورائی آنی		میرے وطن کا پانی، گھڑا بھر کر لاتا
خائیتام مودور روشے رے		جسے شہد کی طرح پی سکتا تھا
(۷) نہ بوزی نوبافی، آئیلام تورے ساری		ناسمجھی میں میں نے تجھے چھوڑ چلا آیا
نہ فائلام مونر شانتی رے		یہاں دل کو کسی قسم کا سکون نہیں ملا ہے

مرقومہ نغمہ ان کی زبان سے اس وقت نکلا جب ان کو یقین ہو چلا تھا کہ وہ وطن کی زمین سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو چکے ہیں، وطن کی جدائی میں وہ ہمیشہ ترستے رہے، لیکن ہمیشہ ایک موقع کی تلاش میں رہے کہ وطن کی طرف دوبارہ کس طریقہ سے واپس ہو سکیں گے، مگر قدرت کو منظور نہیں تھا، وہ وطن کی محبت میں ترستے اور تڑپتے ہوئے مالک حقیقی سے جا ملے۔

رسول اللہؐ سے محبت وعقیدت

گئی صدی کے ستر کی دہائی میں ہر کجا شبیر احمد صاحب کی آواز ارکان میں گونج رہی تھی، بزرگوں کے جلسوں، جوانوں اور نوجوانوں کی محفلوں، گلیوں اور بازاروں، گھروں اور ہوٹلوں میں جہاں بھی ٹیپ ریکارڈ پائے جاتے ہوں، وہیں ان آواز سنائی دینے لگی تھی، اس سے پہلے عام تو عام بلکہ خاص طور پر گانوں، نغموں اور شعر و شاعری سے دلچسپی رکھنے والے لوگ بنگال کے عبدالعلیم، عباس علی اور ہندوستان کے طلعت محمود، محمد رفیع، لتا منگیشکر اور شمساد بیگم وغیروں کے گانے ریڈیو اور ٹیپ رکارڈنگ میں سنتے تھے، جب شبیر صاحب کا دور شروع ہوا تو ارکان میں ہر کجا مذکورہ گلوکاروں کی جگہ انہوں نے لے لی تھی، اور یہاں ہر کہیں ان کی آواز میں نغمے سنے جانے لگے تھے۔

شبیر احمد صاحب نے اب ہر قسم کے نغمے، ترانے، نعتیہ کلام، مرثیہ، منقبت رکارڈنگ کرانا شروع کر دیا، ان کی آواز میں قوالی اور رنگ وروغن کے گانے ریکارڈ ہونے لگے تھے، ان تمام چیزوں میں بطور خاص ان کے نعتیہ کلام اور منقبت نے تقریبا ہر طبقے کے لوگوں کے دل موہ لیا تھا، یوں بھی علماء وطلباء کے علاوہ بھی ارکان کے عام مسلمان نعتیہ کلام کے دلدادہ ہیں، پند ونصیحت کی محفلیں ہوں یا مدرسوں کے جلسے غرض جہاں کہیں بھی مسلمان کسی بھی حوالے سے محفل سجاتے، وہیں کلام الہی کی تلاوت کے معا بعد نعتیہ کلام بغیر مزامیر وموسیقی کے ترنم سے پڑھے جاتے تھے اور پڑھے جاتے ہیں۔

شبیر صاحب کی آواز میں رسول انسانیتؐ سے ان کی محبت نمایاں طور پر ظاہر ہوتی تھی، پھر ان کی سریلی آواز اور کلام کے بول نے سونے پر سہاگے کا کام دیا تھا، ان سے مل کر جہاں تک میں نے اندازہ کیا کہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت، عقیدت اور لگاؤ تھا، رسول خدا کا نام آتا ہے تو ان کی آواز میں ایک قسم کا جادو چل جاتا تھا، ان کی آنکھوں میں آنسو اور دل میں الفت بھری دھڑکن

محسوس ہوتی تھی، زندگی میں ان کی جاں سوز آواز میں درجنوں مرتبہ نعتیہ کلام سننے کا موقع ہوا، پہلی مرتبہ براہِ راست ان کا مندرجۂ ذیل نعتیہ کلام سنا تو خود میرے اندر بھی ہلچل سی مچ گئی تھی، ان کی آواز کا جادو تھا کہ مدینہ منورہ اور گنبد خضراء میری آنکھوں کے سامنے پھر گیا تھا، ایسا محسوس ہوا تھا کہ میں درِ رسالتِ مآب میں حاضر ہوں، اور خود اپنی طرف سے درِ اقدس میں نعتیہ کلام پیش کر رہا ہوں، اس دوران اپنے اندر جو محبت کی رو چلی تھی اسے بیان کرنے سے قاصر ہوں، تو لیجئے ان کی آواز میں شاعر کا یہ کلام:

باد صبا اڑ اکر لے چل مجھے مدینہ		سن لے خدا فریاد پہنچا مجھے مدینہ
برسے جہاں پہ دن رات رحمت خدا کی برسات		ایسی زمین پر جاؤں، مولا یہی ہے حاجات
رستہ ذرا بتادے کیسے چلوں مدینہ		باد صبا اڑ اکر لے چل مجھے مدینہ
چوتھی فلک پہ عیسی، پانچویں فلک پر موسی		سدرہ میں رہ گئے ہیں روح الامین فرشتہ
عرش علی پہ پہنچا، میرے شہِ مدینے		باد صبا اڑ اکر لے چل مجھے مدینہ
چلتے ہوئے قمر کو تکڑا کیا ہے تو نے		مٹھی میں کنکروں کو کلمہ پڑھایا تو نے
بخشا تجھے خدانے رحمت کا یہ خزینہ		باد صبا اڑ اکر لے چل مجھے مدینہ
جنگ احد میں حضرت دنداں گرا دیے ہیں		امت کی خاطر اپنا سر بھی لٹا دیے ہیں
بگڑی بنانے والے، رحمت کا تو سفینہ		باد صبا اڑ اکر لے چل مجھے مدینہ

۲۰۰۴ء کا کوئی مہینہ تھا کہ ایک روز وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ ہمیں اللہ کی اس پاک سرزمین میں آنے کی سعادت ہوئی، کیوں نہ ہم ایک ایسی جگہ کی زیارت کو جائیں، جہاں حضرت رسول انسانیت ؐ کی والدہ آسودۂ خاک ہیں، میں نے انہی بتایا کہ جناب من! وہ جگہ تو مقام ابواء میں ہے، یوں تو خاص سفر کے ساتھ اس مقام کی زیارت کو جانا صحیح نہیں، اگر زندگی نے وفائی کی اور ادھر سے گزر ہوا تو انشاء اللہ ہم ضرور حضرت ماں آمنہ کی زیارت کریں گے، پھر میں نے کہا کہ حضرت ماں آمنہ کے حوالے سے آپ کے پاس کوئی کلام ہو تو عطا کیجئے، جواب میں انہوں نے کہا کہ میرے پاس حضرت ماں آمنہ بشمول حضرت دائی حلیمہ سعدیہ پر ایک ہی کلام ہے، جو سن لیجئے:

آجا میرے سرکار حلیمہ کے دلھارے		اے آمنہ خوش ہو ترے چمکے ہیں ستارے
کوئی یہ ندا دے دے اب آتے ہیں محمد		نینوں کو بچا دیں گے ہم قدموں پہ تمہارے
مانا کہ گنہگار و خطا کار ہوں لیکن		کہنا خدا سے بخش دے سب امت تمہارے
محشر میں نبی امت پہ اتنا تو کرم ہو		کشتی کو بحر غم سے لگا دینا کنارے
یاشاہ رسل کیجئے اک لطف ادھر بھی		پڑھتے ہیں تیری یاد میں ہم تیس یہ پارے
للہ اب انورؔ کو مدینے میں بلا لو		دل آج پارے پارے جگر آج ہے پارے

ارکان کے گلوکاروں میں عاشق رسول ؐ بہت تھے اور ہیں، حضرت محمد جعفر حسین قوال مرحوم کا حال اس حوالے سے جہاں تک معلوم ہوا کہ وہ جب نعتیہ کلام پڑھتے تھے تو ان کی آنکھوں میں محبت کی ایک بجلی سی دوڑ جایا کرتی تھی، اور آواز اتنی بلند ہو جاتی تھی کہ سننے والے یہ محسوس کرتے تھے کہ اب کان پھٹنے والی ہیں، محبت، عشق اور الفت بھرے جذبات ان کے ساز و آواز میں رونما ہو جاتے تھے، شبیر صاحب کے یہاں بھی ہم نے بار ہا محسوس کیا تھا کہ جب وہ نعتیہ کلام شروع کرتے تو ان کے انداز نغمہ سرائی میں نمایاں فرق آجاتا تھا، وہ عشق رسول ؐ اور آپ سے عقیدت و محبت میں سراپا ڈوبے نظر آتے تھے، ایک روز کا واقعہ تھا کہ وہ مندرجہ ذیل کلام سنا رہے تو ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے، اور سننے والے بھی پورے طور پر آنسوؤں میں ڈوبے نظر آئے تھے، تو لیجئے وہ کلام:

کیا محمد نام ہے اچھا رسول اللہ کا		ہو گیا اللہ بھی شیدا رسول اللہ کا
یا الٰہی کیا کریں بے چین ہیں آنکھیں بہت		دیکھنے کے واسطے روضہ رسول اللہ کا
ہم گنہگاروں کی یا رب حشر کے میدان میں		آبرو رکھ لیجئے صدقہ رسول اللہ کا
آفتابِ حشر کی گرمی سے گھبراتے ہو کیوں		سر پہ ہوگا مومنو! سایہ رسول اللہ کا
کون کہتا ہے کہ خالی جائیں گے دنیا سے ہم		ساتھ لے کر جائیں گے کلمہ رسول اللہ کا
کیوں نہ ہو جائیں فدا حور و ملک جن و بشر		جب خدا خود ہو گیا شیدا رسول اللہ کا
یا الٰہی جب قریب مرگ ہو ترار شیدؔ		ہو نظر کے سامنے چہرہ رسول اللہ کا

ایک روز موصوف نے مجھ سے کہا کہ:

''جناب طاہر صاحب ! میں عنفوان شباب میں تھا، دراں حالیکہ جبھی ہمارے علماء اور بزرگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے بارے میں سنتا تو میرا دل چاہتا تھا کہ میں مدینے کی زیارت کرآؤں، لیکن ارکان کہاں اور مدینۃ الرسول کہاں، مگر جب میں مندرجہ ذیل کلام ''صبا لے چلے جا درودوں کی مالا'' پڑھتا تو میرا دل کہتا تھا میرا یہ کلام بادِ صبا لے جا کر مدینہ الرسول میں پہنچا رہی ہے، اور اس بارے میں مجھے کوئی فکر نہیں تھی، یقین تھا اگر چہ میں مدینے سے دور ہی سہی، مگر میرا اسلام دراقدس میں ضرور پہنچ رہا ہے''۔

اب لیجئے پورا کلام:

صبا لے چلے جا درودوں کی مالا		مرے باغ الفت کی پھولوں کی مالا
خدا کے لئے تو دورِ مصطفی جا		خدا کے لئے تو حبیبِ خدا جا
خدا کے لئے تو شہِ دوسرا جا		صبا لے چلے جا درودوں کی مالا
صبا واسطہ ہے حضرت آمنہ کا		صبا واسطہ ہے حضرت فاطمہ کا
صبا واسطہ ہے حضرت آل عبا کا		صبا لے چلے جا درودوں کی مالا
قسم ہے قسم تم کو ابن علی کی		قسم ہے قسم تم کو حق ولی کی
قسم ہے قسم تم کو پیارے نبی کی		صبا لے چلے جا درودوں کی مالا
ہنرؔ کے لئے جب محبت کا توبہ		ہنرؔ کے لئے جب یہ حسرت کا توبہ
ہنرؔ کے لئے داغِ الفت کا توبہ		صبا لے چلے جا درودوں کی مالا

مرقومہ بالا کلام ان کی آواز میں سننے کے بعد میں نے عرض کیا کہ جناب من ! اس کلام میں بعض چیزیں خلاف اسلام ہیں، آپ چاہیں تو پڑھنا ترک بھی کر سکتے ہیں، جیسے کہ قسم صرف اللہ تعالی کی ہوسکتی ہے، اس کے علاوہ دوسرے کسی کی قسم خلاف دین ہے، چونکہ آپ ایک معروف گلوکار ہیں، آپ کے نغمے ہمارے لوگ بہت محبت اور دل لگی سے سنتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آواز کی وجہ سے لوگوں کے عقیدے ومسلک خراب ہو جائیں، اس حوالہ سے دیگر اور چند چیزیں بتائی گئیں تو انہوں نے فورا کہہ دیا

کہ آج سے میں اس کلام کو پڑھنا چھوڑ کردوں گا، جو کلام ہمارے عقیدے اور دین کے خلاف ہوں گے انہیں میں کیسے پڑھ سکتا ہوں، اسی روز کے بعد سے میں نے ان کو آخری دم تک مرقومہ بالا شعر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، اور نہ سنا، اب اس حوالے سے مجھے ایک بات کہنے میں علمائے دین کو شرم آتا ہے کہ مجھے اس میں شک نہیں کہ ہمارے یہاں کے علمائے دین تو گانے بجانے سے حد درجہ متنفر ہیں، اور ان کی یہی نفرت بجا بھی ہے، مگر وہ خاص علماء جو ان کے کلام اور ان کے نغمے سننے کے شوقین ہیں، اتنے دن گزر گئے کہ ان کے کلام سے وہ چیزیں جو خلاف اسلام ہوں، کیوں نہیں نکال سکے ہیں؟ حاکم بدہن اور گستاخی معاف ! شبیر احمد صاحب کے نغموں میں بعض چیزیں ایسی بھی تھیں، جو عقیدے اور مسلک کے خلاف تھیں، اس حوالے سے میں نے ان سے ایک روز تفصیلی گفتگو کی تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ:

''جناب مولانا صاحب ! میں جانتا ہوں کہ میں ایک گنہگار آدمی ہوں، میں اپنی پچھلی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے اپنے آپ پر ترس آتا ہے، مجھے اپنی خیر وفلاح کی جھولی بالکل خالی نظر آتی ہے، میں اپنے پروردگار کے سامنے کس طرح حاضری دوں گا یہ بھی مجھے معلوم نہیں، بس صرف ایک چیز ہے کہ اللہ بہت بڑا غفور اور رحیم ہے، اس کی رحمت کا دریا بحر بیکراں سے بھی بڑھ کر وسیع ہے، میں اپنے رب کی رحمت کی امید اور توقع پر جیتا ہوں، ظاہر ہے کہ میں عالم تو نہیں ہوں، مگر عالم دوست ضرور ہوں، وہ علمائے کرام جو برسوں سے میرے کلام سنتے رہے ہیں، انہوں نے کبھی بھی مجھے اس طرف توجہ نہیں دلائی، خیر آپ نے جو توجہ دلائی تو آپ کو شکریہ کے ساتھ عرض ہے کہ میرے نغموں سے ایسی تمام چیزیں نکال دیجئے، جو ہمارے دین کے خلاف ہوں، مجھ سے جو ہو گیا سو ہو گیا ،اب زندگی کے آخری ایام میں مزید گناہوں کے ساتھ جینا نہیں چاہتا ہوں''۔

اسی مجلس میں آپ نے مجھے مندرجۂ ذیل دعائیہ نغمہ بھی سنایا اور وعدہ لیا کہ میں ان کے تمام نغموں سے وہ چیزیں نکال دوں، جو اسلام اور عقیدہ ومسلک کے خلاف ہیں؟ تو لیجئے وہ دعائیہ نغمہ:

یارحمن یا رحیم، یا ستار، یا غفار!		تم ہو پالنہار میرا کر دو بیڑا پار
یا رب تو کر عطا مجھے عشق رسول بھی		ہاں کر عطا تو صدقۂ آل بتول بھی
ہم بیکسوں کا کون ہے یا رب تیرے سوا		کوئی نہیں ہے اب میرا یارب تیرے سوا

منجدھار میں پھنسا ہوں کوئی نا خدا نہیں	جز تیرے کوئی اپنا میرا اے خدا نہیں
سرکار دو جہان کے صدقے میں اے خدا	رنج والم سے اے خدا دے مجھ کو دے رہا
میں ہوں گنہگار تو رب ہے غفور ہے!	ہر حال میں تیری نظر مجھ پر ضرور ہے!

موصوف یہ کلام پڑھتے رہے اور آنسو بہاتے رہے، چنانچہ میری آنکھیں بھی ضبط نہ ہوسکیں، اس کے بعد میں نے وعدہ دیا کہ ان تمام نغموں سے وہ چیزیں نکالنے کی ضرور کوشش کروں گا جو عقائد اسلام کے خلاف ہیں، بعد میں میں نے اپنا کیا ہوا وعدہ بحمد اللہ پورا بھی کیا، تب سے مرتے دم تک کوئی خلاف دین اسلام کلام انہوں نے نہیں پڑھا تھا۔

ریکارڈنگ کے حوالے سے کچھ باتیں

سرزمین ارکان فنون لطیفہ سے خالی سرزمین نہیں ہے، یہاں پر ایک زمانے میں شعر وشاعری سے دلچسپی لینے والوں کے ساتھ سنگیت اور راگ وراگنی کے ماہرین رہ چکے ہیں، یہاں شاعروں اور نغمہ سراؤں کی کوئی بھی کمی کسی بھی دور میں محسوس نہیں کی گئی ، بطور خاص پندرھویں صدی سے لے کر آج تک شاعروں، نغمہ سراؤں، سنگیت کاروں اور گلوکاروں کا ایک طویل سلسلہ یہاں نظر آتا ہے۔
ارکان کے عظیم شاعر اور روشن ضمیر سنگیت کار حضرت الاول نے اپنے زمانے میں شعر وشاعری، سنگیت اور راگ وراگنی کی ایک حسین دنیا بنا سجا رکھی تھی، جس زمانے میں سرزمین بنگال ادب وشاعری اور سنگیت کاری سے تقریباً محروم تھی، اسی زمانے میں سرزمین ارکان ادب وشاعری اور سنگیت ونغمہ سرائی سے معمور تھی، الاول جی کے پہلے بھی اور بعد میں بھی بہتوں نامور شعراء اور سنگیت کار یہاں موجود تھے۔
اسی طرح دور آخر میں سینکڑوں گلوکاروں اور قوالوں کی بیچوں بیچ ایک نام سورج کی طرح جو روشن نظر آتا ہے، وہ ہے ارکان کے بانی تحریک آزادی حضرت محمد جعفر حسین قوال شہید کا نام، جنہوں نے اپنی آواز کی جادوگری اور ساز کی دل کشی سے مدتِ دراز تک اپنے چاہنے اور سننے والوں مسحور کر رکھا تھا۔
لیکن افسوس کی بات ہے کہ دنیا کے دیگر خطوں کے ساتھ ہندو بنگال کے گلوکاروں کی آوازیں جب ریکارڈ ہو رہی تھیں، تب بھی سرزمین ارکان ریکارڈنگ کی دنیا سے بالکل نابلد تھی، ہندو بنگال میں کتنے

پرانے گلوکاروں، سنگیت کاروں اور نغمہ سراؤں کی آوازیں ریکارڈ ہوگئیں، لیکن ارکان میں اتنے بڑے بڑے گلوکاروں کے ہوتے ہوئے بھی آج ان کا ایک نغمہ تک کا ریکارڈ نہیں ملتا، خاص طور پر شہید ملت و قوم حضرت محمد جعفر حسین قوال کی آواز جو آج قوم کی ایک ضرورت ہے، وہ بھی ریکارڈ شدہ کہیں نہیں ملتی، حضرت شہید کے مدح سراؤں کے مطابق ان کی آواز میں جو جادوگری اور ساز میں جو دلکشی تھی، تقاضا تھا کہ ان کی آواز کو محفوظ کیا جاتا، اتنے چاہنے والوں کے ہوتے ہوئے بھی مگر کسی نے ان کی آواز کو محفوظ کرنے کی طرف توجہ نہیں دی تھی، اور تو اور خود ان کی تنظیم نے بھی ان کی آواز کو محفوظ کرنے کی کوئی بھی کوشش نہیں کی، انفرادی کوشش کو چھوڑ کر اگر تنظیم نے اس جانب توجہ دی ہوتی تو آج ہم اور آنے والی نسلیں ان کی بدبھری آواز اور مدھور سنگیت سے محفوظ ہوسکتیں۔
تقریباً ۱۹۶۵ء کے بعد جناب شبیر احمد صاحب گلوکاری کے میدان میں اتر چکے تھے، ابھی ہم نے ہوش سنبھالا ہی تھا کہ گراما فون اور ٹیپ ریکارڈ میں ان کی اور سنائی دینے لگی تھی، لیکن ریکارڈنگ کیسی؟ بس ان کے بعض دوستوں اور احباب نے اپنے طور پر کوئی شادی کی محفل میں اور کوئی دوسرے جلسوں میں ان کی آواز کو محفوظ کر لیا تھا، اس سے زیادہ کچھ نہیں، یعنی باضابطہ طور پر ان کی آواز کو محفوظ کرنے کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی تھی، اندرون وطن میں ان کی زندگی ویسی گزر گئی، اور سعودی عرب پہنچنے کے بعد چند لوگوں نے اس طرف توجہ تو دی تھی، لیکن ان تمام ریکارڈنگ کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ فنی اعتبار سے ان تمام ریکارڈنگ میں کوئی جان نہیں ہے، اس سلسلے میں مکہ، مدینہ اور جدہ میں رہائش پذیر ان کے بہتوں چاہنے والوں نے خاصی کوششیں کیں، لیکن فنی اعتبار سے کہا جائے تو ان کی تمام کوششیں رائگاں ہوگئی ہیں، ان کی تمام کوششوں کا نتیجہ اب ہمارے سامنے ہے، ڈیڑھ دوسو سے زائد نغمے ریکارڈ تو ہو چکے ہیں، مگر تمام کے تمام ریکارڈ شدہ نغمے خامیوں اور خلاؤں سے پر ہیں۔
۲۰۰۴ء کے بعد میں نے جدہ میں اس سلسلے میں بعض احباب سے گفتگو کی (۱)، ان سے کہا گیا تھا کہ

---

(۱) یاد رہے کہ یہ گفتگو اور کوششیں صرف اور صرف قومی جذبات کی بنیاد پر تھیں، نہ کہ کسی دوسرے جذبات کی بنیاد پر، ہم جانتے ہیں کہ ارکان کے دین دار، دین پسند اور مذہبی جذبات رکھنے والے افراد اس قسم کی سنگیت کاری اور فنون لطیفہ سے نفرت نہ کہوں تو دلچسپی اور لگاؤ نہیں رکھتے ، بلکہ دین سے جڑے ہوئے حضرات ان سے خاصی نفرت بھی رکھتے ہیں، مگر ارکان کے مسلمانوں کے مابین مجموعی طور پر بحیثیت ایک قوم ان فنون لطیفہ کی ضرورت محسوس کرنے والے بھی بہت پائے جاتے ہیں، جن میں مجھ ناچیز کو بھی شمار کیا جا سکتا ہے۔

موت کس کی کس وقت آنے والی ہے یہ تو کوئی پتہ نہیں، یوں شبیر صاحب بھی آئے دن کم زور سے کم زور تر ہوتے جارہے ہیں، کیوں نہ برادری کے لوگ ان کی آواز کو باضابطہ طور پر محفوظ کرنے کی کوشش کرتے؟ میری توجہ دلانے اور اس سلسلے میں پیہم کوشش کے نتیجے میں میرے چند احباب ریکارڈنگ کے مصارف برداشت کرنے پر راضی ہو گئے، ریکارڈنگ کے ضروری سامان بھی ایک جگہ پر جمع کیا گیا، جہاں ریکارڈنگ کے لئے مشکلات بھی نہیں تھیں، لیکن دوستوں نے آج کے کام کل کے لئے ٹالتے ٹالتے میری یہ کوشش بھی رائگاں ہوگئی تھی۔

اس سلسلے میں خود میں نے جناب شبیر احمد صاحب سے بھی گفتگو کی تھی، انہوں نے کہا کہ یہاں والوں کے ذریعے ریکارڈنگ جیسا یہ کام کبھی بھی نہیں ہو پائے گا، میں بھی اپنے دوستوں اور چاہنے والوں کو مدتوں اس طرف توجہ دلاتا رہا، لیکن کام کتنا ہوا وہ ظاہر ہے، اب میں نے ان کے سامنے ایک یہ تجویز رکھی کہ آپ میرے ساتھ بنگلا دیش چلیں، وہاں فن کاروں اور فنون لطیفہ سے دلچسپی رکھنے والوں کی کوئی بھی کمی نہیں ہے، آپ میرے ساتھ جائیں گے تو بہت کم مدت میں آپ کے ضروری تمام نغمے ریکارڈ ہو جائیں گے، اور مصارف کا جہاں تک سوال ہے کہ میرے بعض دوستوں کے تعاون اور خود میری کوشش کے نتیجے میں وہ بھی پورے ہو جائیں گے، آپ اس حوالے سے بے فکر رہیں، اب موصوف تیار ہو گئے تھے، مگر آج ان پر بیماری کا دباؤ ہے تو کل خبر ملتی کہ پاسپورٹ کی تجدید کا سوال ہے، ویسے دن گزرتے گئے اور مذکورہ پروگرام بھی ٹلتے گئے تھے، بالآخر اس کشمکش میں بات یہاں تک سامنے آئی کہ اب ریکارڈنگ سے زیادہ ان کے علاج وتشخیص کی ضرورت ہے، پھر بھی دوستوں نے تعاون کے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا کہ آپ جو کچھ بھی ہو بنگلا دیش چلے جائیں، وہاں آپ کا معالجہ ہوگا، اگر خدا کو منظور ہے تو شفایابی کے بعد ریکارڈنگ کا کام بھی مکمل ہو جائے گا۔

ان دنوں ان کی رہائش گاہ کیلو اربعہ عشر میں تھا، وہ جناب شیخ احمد کے مستودع کے بغل میں رہائش پذیر تھے ، شیخ احمد صاحب ان کے بہت چاہنے والوں میں تھے، انہوں نے اپنے مستودع کے بغل میں ایک کمرہ مہیا کیا تھا، وہ ان کی بہت دیکھ بال اور خدمت کرتے تھے، مگر بعد میں بعض ناقابل بیان وجوہات کی بنیاد پر یہ کمرہ ان کو خالی کرنا پڑا تو شبیر صاحب کے اور ایک دل سے چاہنے والے جناب ڈاکٹر فیاض احمد شقدار فا روی (جوان قریبی کے رشتہ داروں میں سے تھے) نے انہیں بہت احترام اور عزت کے ساتھ اپنی رہائش گاہ میں مستقل قیام کی گزارش کی، جبھی انہوں نے یہ گزارش قبول کی تو ڈاکٹر صاحب نے اپنے مکان کی

چھت پر ایک مخصوص کمرہ ان کے لئے تعمیر کروایا، تیاری کے بعد ان کو وہاں لے جایا گیا تھا۔

شبیر احمد صاحب کی آواز کے ریکارڈنگ کے حوالے سے ڈاکٹر فیاض احمد صاحب نے کچھ کامیاب کوشش کی، اس کوشش سے پہلے اس سلسلے کی چند اور کوشش کا ذکر کرتا چلوں کہ:

(۱) ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا حالیہ صدر محترم جناب الحاج نور الاسلام صاحب نے اپنے متبعین کو شبیر احمد صاحب کی آواز کی حفاظت کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن ان کے متبعین نے ذرا تساہل سے کام لیا تھا، پھر بھی ان کی نامراد کوشش جاری تھی، ویسے جناب صدر صاحب کی آرزو پوری نہ ہوسکی، یاد رہے کہ جناب صدر صاحب جب بھی سعودی عرب کے دورہ پر آتے شبیر صاحب کی زیارت کئے بغیر واپس نہیں جاتے تھے، یوں بھی شبیر صاحب جناب نور الاسلام صاحب کے بڑے مداح تھے، ارکان روہنگیا سلامک فرنٹ (ARIF) کی صدارت کے زمانے سے لے کر شبیر صاحب کی وفات تک وہ جناب نور الاسلام صاحب کی جماعت کے حامی رہے، اور نور الاسلام صاحب بھی ان کی شخصیت اور آواز کے بڑے مداح تھے۔

۲۰۰۸ء کے اوائل کا واقعہ تھا کہ نور الاسلام صاحب لندن سے سعودی کے دورہ پر آئے ہوئے تھے، اور ساتھ کچن لیڈر ہانگ اونگ شوے (جو برما کی آزادی کے بعد پہلے صدر شوے سوتائک کا بیٹا ہے) ان کے ساتھ تھے، ان دونوں کے استقبالیہ کے لئے ہم نے (راقم سطور اس وقت ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) رکن مرکزی عاملہ اور صدر برائے امور شریعہ کے علاوہ سعودی برانچ کا صدر بھی تھا) فندق دار البیضاء، شرفیہ جدہ میں ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں نے شبیر صاحب کو آنے کی دعوت نہیں دی، کیوں کہ اس وقت ان کی طبیعت بہت خراب تھی، اب میں نے اس اجلاس کے بعد ایک پروگرام بنایا کہ صدر صاحب کو شبیر صاحب سے خصوصی ملاقات کرائی جائے، لیکن شبیر صاحب کو مجھ پر تھوڑی غلط فہمی سی ہوگئی تھی کہ میں نے ان کو سوچھ سمجھے اس اجلاس میں نہیں بلایا، بہر حال اجلاس کے دو روز بعد میں نے ایک ایلچی ان کے پاس بھیجا کہ کل صبح دس بجے نور الاسلام صاحب ان سے ملاقات کرنے ان کی رہائش گاہ تشریف لائیں گے، تو انہوں نے اس ایلچی کو اپنے دل کی بات بتادی کہ میں نے سمجھا کہ طاہر صاحب نے مجھے سوچھ سمجھے نظر انداز کردیا تھا، مگر اب سمجھ میں آیا کہ ان کے دل میں میرے لئے کتنی جگہ ہے، دوسرے روز پروگرام کے مطابق نور الاسلام صاحب بشمول میں اور برادر نظام الحسن رونی ان کی رہائش گاہ جو اس وقت ڈاکٹر فیاض صاحب کے گھر کی بالائی

منزل پر تھی میں ملاقات کرنے گئے تو وہ بڑے خوش ہوئے ، یہ ملاقات تقریبا پونے گھنٹے پر مشتمل تھی ،اس ملاقات کے دوران انہوں نے نورالاسلام صاحب سے بتایا تھا کہ :

’’جناب من! ممکن ہے کہ آپ سے یہ میری زندگی کی آخری ملاقات ثابت ہو،اور طاہر صاحب نے اب جو عزت مجھے دی ہے،اسے کبھی بھولے سے بھلایا نہیں جاسکتا،میں ان سے دارالبیضاء والے اجلاس کے حوالے سے کچھ خفا سا تھا،لیکن اب سمجھ آیا ہے کہ انہوں نے مجھے وہاں کیوں نہیں بلایا تھا،دراصل ان کو میری صحت کا خاص خیال ہے‘‘۔

چلتے چلتے نظام الحسن رونی بن انجینئر جمال صاحب کی ایک کوشش کا بھی تذکرہ کر دیا جائے کہ آج سے کوئی سات آٹھ سال پہلے انہوں نے شبیر صاحب کی آواز کی حفاظت کی ایک کوشش کی تھی ،شاید وہ اپنے طور پر ہو یا نورالاسلام صاحب کی ایماء پر کہ انہوں نے تقریبا سات آٹھ ہماری قومی زبان پر مشتمل قومی نغمے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے ویب سائٹ میں ڈال دیا تھا، وہیں یہ نغمے شاید اب بھی پائے جاتے ہوں ،اور رونی نے مجھ سے کہا تھا کہ شبیر صاحب کے قومی نغمے مزید حاصل کر کے ہمارے ویب سائٹ میں محفوظ کر دئے جائیں گے ،لیکن بعد میں یہ کام بھی نہ جانے کس وجہ سے بند ہو گیا تھا ،اور مذکورہ نغموں کے علاوہ مزید کام آگے نہ بڑھ سکا ، ماشاءاللہ برادر رونی شبیر صاحب کے متعلق بہت ہی نیک خیال رکھتے ہیں۔

(۲) ریکارڈنگ کے حوالے سے روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے سابق صدر حضرت مولانا دین محمد مرحوم کی کوشش بھی قابل ذکر ہے، انہوں نے شبیر صاحب کے کم سے کم ان نغموں کو جو قومی زبان اور روہنگیا قومی حالات پر مشتمل ہیں، تنظیمی تعاون کے ذریعے ریکارڈ کرانے کی کوشش کی تھی ، مولانا مرحوم نے ایک دو مرتبہ مجھ سے (باوجودیکہ میں موخر الذکر تنظیم کا کوئی کارکن نہیں تھا) ذاتی طور پر شبیر صاحب کے مذکورہ نغموں کے ریکارڈنگ کے حوالے سے گفتگو کی تھی ، انہوں نے بتایا تھا کہ مولانا! شبیر صاحب کے وہ نغمے جو قومی زبان پر مشتمل ہیں ،قومی سرمائے ہیں، ان کی حفاظت ایک قومی ذمے داری ہے، موصوف کی طبیعی حالت آئے دن خراب ہوتی جارہی ہے، قریبی مدت میں اس کا ریکارڈنگ نہ ہوا تو خدا نہ کرے قوم کا ایک بڑا نقصان ہو جائے گا، جو نا قابل تلافی ہوگا، میرے خیال میں موصوف کے مذکورہ قومی نغمے ہمارے لئے ایک رأس المال ہے، جو آئندہ قوم کے بہت کام آئیں گے۔

مولانا مرحوم کی اس نیک تمنا کے حوالے سے ایک روز شبیر صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ :

’’مولانا دین محمد صاحب مرحوم بڑے دور اندیش انسان تھے اور درد مند بھی ،میرے قومی نغموں کے حوالے سے انہوں نے جو اور جتنی کوششیں کیں وہ کبھی بھی بھلائی جانے کی نہیں ہیں، انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کو روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے مصارف پر بنگلا دیش لے جایا جائے گا، اور آپ کے نغموں کا ریکاڈنگ بھی کیا جائے گا، اس کے لئے جتنے بھی مصارف کی ضرورت ہوگی ،اسے تنظیم برداشت کرے گی، آپ ذہنی طور پر تیار رہیں، انشاءاللہ اول فرصت پر میں آپ کو بنگلا دیش لے جاؤں گا، مگر ان کی تمنا پوری نہ ہو سکی ، کیوں کہ اس بات کے بعد چند دن گزرتے نہ گزرتے آپ سعودی عرب کے دارالحکومت ریاض میں ایک سرکاری سفر کے دوران انتقال فرما گئے ، بعد میں اور کسی نے بھی اس تنظیم کی جانب سے اس حوالے سے میرے ساتھ رابطہ نہیں کیا ، دراصل ان کے انتقال پر تنظیم بھی تقریبا درہم برہم ہوگئی ہے‘‘۔

مولانا دین محمد صاحب مرحوم سے راقم السطور کے بہت سارے سیاسی اختلافات تھے، یہ اختلافات میدان عمل و تطبیق میں بعد کی پیداوار تھے، نہ کہ شروع ہی کے، مگر اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ایک دل درد مند اور فکر ارجمند کے مالک انسان تھے، موصوف کی وہ کوشش جس کا تذکرہ اوپر گزر چکا ہے، خالص قومی اور وطنی جذبات کی بنیاد پر تھی، ورنہ میرا خیال ہے کہ عملاً آپ سنگیت وموسیقی، راگ وراگنی، نغمہ سنجی اور نغمہ سرائی کی دنیا سے کوسوں دور تھے ، چہ جائیکہ موصوف دنیا کے دیگر گلوکاروں سے نسبت رکھتے ، بلکہ آواز زاغ زغن سے اتنی نفرت رکھتے تھے کہ جتنی آگ کو پانی سے،قومی اور وطنی جذبات کے بطور شبیر صاحب کی آواز کی حفاظت کا خیال مولانا مرحوم کی زندگی کا ایک انوکھا پہلو تھا، جو چھپا ہوا تھا۔

تقریباً ۲۰۰۷ء کے اواخر سے شبیر صاحب جناب شیخ احمد صاحب کی بخشی ہوئی رہائش گاہ سے نکل کر ڈاکٹر فیاض احمد صاحب کے مکان میں رہائش پذیر تھے، ڈاکٹر صاحب ماشاءاللہ بڑے دلنواز، ملنسار، اور ہر دلعزیز شخصیت کے مالک انسان ہیں، انہوں نے مرحوم کی بہت ہی خدمات کیں، ان کی سہولت کے لئے ممکن حد تک کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی ، یوں بھی موصوف اپنی قوم اور اپنی برادری کی خدمات کے لئے ذہنی اور عملی طور پر ہر وقت حاضر رہتے ہیں، پھر شبیر صاحب سے ان کا معاملہ بہت ہی انوکھا تھا، وہ اور ان کے اہل خانہ ان کے نہ صرف مداح بلکہ فدا تھے، انہوں نے مرحوم کی زندگی کے آخری ایام بلکہ آخری لمحوں

کی بڑی قدر کی، جس کے نتیجے میں ایک ایسا کام ہوا کہ جسے کبھی بھی بھولے سے بھلایا نہیں جاسکتا۔

ڈاکٹر فیاض احمد صاحب نے ریکارڈنگ کے لئے بنیادی چیزیں اور ساز وسامان مہیا کئے، اور چند قابل افراد بھی بجانے کے لئے حاضر کیا، ویسے چند مہینوں کی انتھک کوشش کے نتیجے میں ایک درجن سے زیادہ ریکارشدہ کیسٹیں سامنے آگئیں، جن میں تقریباً شبیر صاحب کی دیڑھ سو سے زائد نغمے محفوظ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شبیر صاحب کی آواز کی نسبت سے ساز کی کوئی قابل ذکر حیثیت نہیں، مگر پھر بھی جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنی حد تک کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی کہ آواز سے ساز کی نسبت قائم ہو جائے، اس حوالے سے اتنی سی بات بتا دیتا ہوں کہ مرحوم کی زندگی میں ان کی آواز کا اب تک جتنا بھی ریکارڈنگ ہوا، ان میں ڈاکٹر صاحب کا کارنامہ سب سے بلند درجہ پر ہے، موصوف مرحوم کے بڑے قدردان ہیں، ان کی آواز پر جان چھڑکنے والے ہیں، یوں بھی فطری طور پر ڈاکٹر صاحب آواز وساز کی پیچ وخم سے واقف ہیں، انہوں نے اپنی فطری صلاحیت اور لیاقت کی بنیاد پر جتنی بھی کوشش کی، وہ کارآمد ثابت ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کی کوشش کے ساتھ ساتھ اور ایک نوجوان کا تذکرہ نہ کیا جائے تو شاید حق تلفی ہوگی، وہ ہے ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی محمد انور صاحب، یہ نوجوان بڑا سادہ سیدھا، فعال اور ہر دلعزیز ہے، اور روں کے لئے جو کچھ بھی کیوں نہ ہو، لیکن شبیر صاحب کے لئے میرے علم کے مطابق اس نے بہت کچھ تھا، وہ ان کو اپنے دل وجان سے زیادہ چاہتے تھے، وہ ان کا اپنے بھائی کی طرح قدردان تھا، اس کی کوشش اگر نہ ہوئی ہوتی تو جتنے بھی نغمے ریکارڈنگ ہو سکے، شاید اتنے بھی ہو سکتے، ریکارڈنگ کے حوالے سے اس نے بہت ہی کامیاب کوشش کی، جو کارآمد ثابت ہوئی۔

اس طرح جناب ابوالفیاض شقدار فاروی مرحوم اور محمد جوہر شقدار فاروی کی کوشش بھی اس حوالے سے رہی ہے، یہ دونوں شبیر احمد صاحب کے پرانے عزیز ساتھی تھے، زندگی میں میرے علم کے مطابق ان دونوں نے مرحوم کی جتنی خدمت کی، شاید اس نوعیت کی خدمت کسی اور سے ہوسکی ہوگی، ان دونوں نے بھی ریکارڈنگ کے حوالے سے بہت ہی اچھا کام کیا، انہوں نے مرحوم کا ساتھ دیا، اور کوشش کو بارآور کرنے میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔

شبیر صاحب اور جہاد ارکان

مسائل ارکان کے متعلق لوگوں نے بہت کچھ کہا اور لکھا، میڈیا میں یہاں کے مسلمانوں کے حوالے سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں، لاکھوں اور کروڑوں باتیں محفوظ ہیں، یہاں کے مسلمانوں کی مشکلات ومصائب اور ان کے پائدار حل کے لئے لوگوں نے بہتوں آراء پیش کیں، کوئی ان مشکلات کے حل کو برما میں جمہوریت کی بحالی پر دیکھتے ہیں تو کوئی دوسرے طریقے پر، لیکن شبیر احمد صاحب کی نظر میں خاص طور پر مسلمانان ارکان کی مشکلات ومعضلات کے پائدار حل صرف اور صرف جہاد اسلامی سے ہوسکتا ہے، یہاں انسانی حقوق کی جو پامالی ہورہی ہے، وہ اپنی مدھور اور بے مثال آواز کے ذریعے قوم کے اہل نظر اور دنیا کے دیگر انسانی درد رکھنے والوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں، ارکانی مسلمانوں پر بیتنے والے حالات پر مشتمل ان کے بہتوں نغمے ریکارڈ ہو چکے ہیں، جو اکثر اپنی قومی زبان میں ہیں، علاوہ ازیں اردو میں بھی چند نغمے اس موضوع کے ریکارڈ ہو چکے ہیں، اب ضروری ہے کہ ان انگنت قومی زبان کے نغموں میں سے چند نغمے ناظرین کے سامنے پیش کئے جائیں:

قومی نغمہ		اردو ترجمہ
(۱) اورے مسلمان، گروز یبون دان		مسلمانو! جانیں قربان کرو!
لارائی نہ گوئیلے، نہ فائیبا حقان		لڑوگے نہیں تو حق نہیں ملیں گے
(۲) ہائیلا بھائیے، دکھے شکھے		کاشتکار بھائیوں نے دکھ سکھ سے
روئے ارودھان، باسائیتوفوران		جان بچانے کے لئے دھان بویا
حکومتے ہاری لوئیا زار گوئی		حکومت ہڑپ کر لے جارہی ہے
ماریا فیلر، غریبور حقان		غریبوں کے حقوق پامال کررہی ہے
(۳) کیئے گوریر کھیتی خولا		کوئی کھیت کلیان کررہا ہے اور
کیئے گوریر آروبرورفان		کوئی پان کی کاشت کررہا ہے
نیزر بھائیورے، نیزے لگائی دی		کوئی اپنے بھائیوں کے خلاف مخبری کرتے ہوئے
ماریازور گوئی، نیزر ذاتیر جان		اپنی قوم کی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے
(۴) گھروت مازے سوئل دھان کیسونائی		گھر میں دھان ہے اور نہ چاول

فوت زیور فیرٹ دانہ فانی نائی		بچے بچیوں کے پیٹ میں نہ دانہ ہے اور نہ پانی
نائی رے خامانی، نائی گھروت سامان		نہ کوئی کمائی ہے اور نہ ہی گھر میں سامان
کینے باسائیوم بچھارزیبون نان		ہم اپنے بچوں کی زندگیاں کیسے بچائیں گے
(۵) قلی لوئیزارجوان بورا		جونوں اور بوڑوں کو پکڑ کر بیگار کے لئے لے جاتے ہیں
خانانہ دیرتارارے تھورا		ان کو تھوڑے کھانے بھی نہیں دیئے جاتے
مورات فونزالوئی، ہانڑی نہ فائیلے		بوجھ لے کر پہاڑوں میں نہ چل سکیں تو
گولی دی ماریر، ختو بھائیرجان		گولیوں سے کتنے بھائیوں کو مارا جارہا ہے
(۶) دکھیر ختو ہارے بوزائیوم		کلفت و پریشانی کی باتیں کس کو بتاؤں
کافرورزالا، ارختو شوئیوم		کافروں کا ستم اور کتنی برداشت کروں
زوددورلا گی ملیازوگوئی		اب لڑائی کے لئے سب تیار جاؤ
آزاد گوریوم، شونالی ارکان		ہم سنہرے ارکان کو آزاد کر چھوڑیں گے

مرقومہ بالا گیت میں ملاحظہ کیجئے کہ بند نمبر تین میں ایک افسوسناک حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے، کہ ہماری برادری کے بعض افراد خود اپنے بھائی بندوں کے خلاف دشمنوں کے جاسوسی چیلے بنے کام کرتے رہے ہیں، ان بدبختوں کی جاسوسی کی وجہ سے کتنے مظلوم مسلمان اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، یوں بھی میں نے شبیر احمد صاحب کو بارہا دیکھا کہ ان بدبختوں کا تذکرہ آجاتا تو وہ تڑپ کر رہ جاتے تھے، کہتے تھے کہ ہمیں ان بدبختوں کے خلاف دشمنوں کے خلاف لڑنے سے پہلے جہاد کا اعلان کر دینا چاہئے، دشمنوں کو مارنے سے پہلے ہمیں اپنے گھر کو صاف کر لینا چاہئے، ان کی نظر میں دنیا کے سب سے بدبخت ترین وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اپنے دین وایمان، اپنی ماں وبہن اور اپنے وطن سے غداری کی ہے، جب تک سماج ان ناپاک غداروں سے خالی نہ ہو جائے گا، تب تک ارکان کے مسلمان امن وآشتی سے ہمکنا نہیں ہوسکیں گے، مجاہدین اسلام ارکان کے لئے ضروری ہے کہ مسلم سماج کو ان ناپاکوں سے صاف کرنے کی کوشش کریں، ورنہ دشمنان اسلام ان کے نیک عزم کے خلاف ان غداراں سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ روڑے اٹکاتے رہیں گے۔

اسی طرح مرقومہ گیت کے آخری مصرعہ بھی ملاحظہ کیجئے! جس میں انہوں نے بڑی اولوالعزمی اور بلند

حوصلگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اپنے وطن ارکان کو آزاد کر کے ہی دم لیں گے، یہ ایک مرد مجاہد کی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی تھی، جن کا مظاہرہ انہوں نے اپنے اس نغمے میں کیا ہے، اور وہ چاہتے تھے کہ ایسی بلند حوصلگی اور اولوالعزمی ارکان کے ہر نوجوانوں اور جوانوں کے دلوں میں ہو، اور وہ اپنے وطن وقوم اور اپنے دین وایمان کے لئے کٹ مرنے کو تیار ہو جائیں۔

شبیر احمد صاحب جہاد کے لئے تیار تھے

دراصل ارکان میں جہاد اسلامی ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے زمانے سے شروع ہو چکا ہے، جہاد اسلامی ارکان کے حوالے سے یہاں ہونے والے تاریخی واقعات نے بہت سی انگڑئیاں لے چکی ہیں، اس ضمن میں بہت ساری اسلامی اور قومی جماعتیں ابھر کر سامنے آئیں، بہت سارے مجاہدین نے اپنے خون جگر سے داستانِ شہادت رقم بھی کی، بہت سے لوگ شہید اور بہت سے افراد غازی بنے، جہاد کے حوالے سے لوگوں کی کوششیں متنوع تھیں، کسی نے زبان وقلم سے جہاد میں حصہ لیا تو کسی نے توپ و تفنگ سے دشمنوں کے خلاف لڑ کے اپنی بہادری اور جان فروشی کا ثبوت پیش کیا ہے، یوں تو ہمارے ممدوح جناب شبیر احمد صاحب بقول ان کے ہر وقت جہاد کے لئے کوشاں تھے، لیکن عملا انہوں نے اپنے نغموں اور جہادی گیتوں کے ذریعے جوانوں اور نوجوانوں کے دلوں کو گرمایا، میرے ناقص خیال میں یہ کام صرف اور صرف ان ہی کے حصہ میں تھا، یوں انہوں نے سونے والوں کو جگایا، اور جاگنے والوں کو میدان کارزار میں اترنے کی تاکید کی، اب ان کا جہاد دشمنان اسلام اور برمی ظالموں کے خلاف کیوں تھا، اس حوالے سے چند باتیں سامنے آئیں کہ:

(۱) ان کے مطابق ارکان کا جہاد ارکان میں اسلام کی بقاء اور استحکام کی خاطر تھا۔

(۲) ان کے مطابق ارکان کا جہاد مسلمانان ارکان سے چھینے گئے حقوق کی بحالی کی خاطر تھا۔

(۳) انہوں نے جہاد میں جان ومال کی قربانی کی تاکید اپنے وطن مقدس کے لئے کی تھی۔

(۴) ارکان میں پائے جانے والے مدارس ومساجد کی عزت کی بحالی کے لئے ان کا جہاد تھا۔

(۵) ماں اور بہنوں کی عزت وناموس اور عصمت وآبرو کے لئے ان کا جہاد تھا۔

(۶) نغموں کے ذریعے ان کا اعلان جہاد صرف اور صرف اللہ کے نام کی سربلندی کے لئے تھا۔

(۷) ویسے وہ اپنے اعلان کے مطابق حقیقی معنی کے جہاد میں خود بھی شریک ہونا چاہتے تھے۔

(۸) وہ حقیقی جہاد میں نہ شریک ہونے والوں کو گنہگار سمجھتے تھے۔

یہ اور ان جیسے مقاصد پر مبنی ان کے چند نغمے اور گیت ریکارڈ ہو چکے ہیں، جن میں سے چند نغمے بطو مثال یہاں حاضر خدمت ہیں، جن میں ان مذکورہ تمام حقائق پر مبنی باتیں آ چکی ہیں، جن سے ایک بلند نظر قاری اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ موصوف کس قسم کا جہاد سرزمین ارکان میں چاہتے تھے:

قومی نغمہ	اردو ترجمہ
(۱) روہنگیا نوجوانو! دشمنو رے ہوئی دو	اے جوانانِ روہنگیا! تم دشمنوں سے کہہ دو
آنرا خوئیلام رے تیار جہاد رلا گیا	ہم جہاد کے لئے تیار ہو چکے ہیں
(۲) ارکانی مسلمانو! کلمہ فوری زو	اے ارکانی مسلمانو تم کلمہ پڑھ پڑھ کے نکلو
ارساتھے ساتھے زوز و ددورلا گیا	اور ساتھ ساتھ چلو لڑائی کے لئے
(۳) کافرو لے لوئی زار گوئی خاری	کافر چھینے لے جا رہے ہیں
جگہ زمین ار گھر و باری	جائدادیں اور ہمارے گھر بار
ماں ار بہنور خوئی زار بےعزتی	ماں اور بہنوں کی بےتوقیری ہو رہی ہے
لوئی زار ماں تون فوائن سوائن خاری	وہ مان سے بچے چھین کر لے جا رہے ہیں
ایخون گرولا رائی حقر لا گیا	اب اپنے حقوق کے لئے لڑتے جاؤ
(۴) مسجد یتے آگون لگائی دی	مسجدوں میں آگ لگا کر
قرآن گین لوئی فیلا رفاڑی	قرآن کے نسخے پھاڑے جا رہے ہیں
خونو فارا اکان نہ راکھی، بنائی فیلا ردیشتا باغی	بستیوں کو چھوڑے بغیر، مسلمانوں کو باغی بناتے ہیں
ایخون ہوئی زو قربان دیشر لا گیا	اب وطن کے لئے قربان ہو جاؤ
(۵) زرموستانے گور یرا اشارہ	جنم استان ہمیں اشارہ دے رہا ہے
کیتی ارخولا فارکولر سورا	کھیت اور کلیان اور اس پار کی نہریں
ایخون توانرا ہارے سائی روئیو	اب تم کس کی طرف دیکھ رہے ہو
نیز ردیشان کینے ہارائی لا	تم نے اپنے وطن کو کیوں کر کھو دیا

ایخون کفن باندھو اللہ رنام لوئیا	اب سر پر کفن باندھ لو اللہ کے نام لے کر
(۶) مکتا مانیک گھروت نہ راکھی	ہیرے جواہرات کو گھر میں چھوڑے بغیر
روہنگیا ذاتی ہاتھے ہاتھ دھری	روہنگیا تم ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر
ماں بہنور و عزوتر لا گی	ماں اور بہنوں کی عزت کی بحالی کے لئے
نیز رمال جان قربانی دی	اپنے مال اور جان کی قربانی دے کر
خونو کیسو گورو ماں بہنر لا گیا	کچھ تو کرو ماؤں اور بہنوں کے لئے
(۷) آنرا مسلمان، آنرار قرآن	ہم مسلمان ہیں اور قرآن ہمارا ہے
دینِ محمدی آنرار ایمان	دینِ محمدی ہمارا دین ہے
اللہ رحکم مانی آئیلام	ہم اللہ تعالی کے احکام مان کے آئے ہیں
رسولر طریقات، سولی آئیلام	رسول خدا کی سنت پر چلتے آئے ہیں
ایخون گورو تیاری دینور لا گیا	اب تم دین کے لئے تیاری کرو

شبیر احمد صاحب کی آواز ارکانی مسلمانوں کو جگانے کے لئے ایک موثر ہتھیار ہو سکتی اور ہو سکے گی، مگر اس حوالے سے ایک کمی یہ رہ گئی ہے کہ ان کی آواز کو الکٹرانک میڈیا کے ذریعے استعمال میں لانا ہوگا، جسے آج تک ارکانی مسلمانوں نے حاصل نہیں کر سکا، ٹیوی، ریڈیو کے ذریعے اگر ان کی آواز کو نشر کیا جائے تو سوئے ہوئے روہنگیا مسلمانوں کو جگانا آسان ہوگا، میرے ناقص خیال میں ارکان کے خوابیدہ نوجوانوں کو بیدار کرنے کے لئے ان کی آواز سے بڑا اور موثر ہتھیار اور کچھ نہیں ہے، بہر حال مذکورہ بالا گیت کی طرح اور بھی ان کے گیت ہمارے سامنے ہیں، ان میں ایک ایسا گیت بھی ہے، جس کا مطلع کچھ ناصحانہ ہے، اور دیگر مصرعوں میں تاریخی خلفیات کے علاوہ روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم اور استبداد کا تذکرہ ہے، موصوف اپنی قوم کے سامنے ان تاریخی حقائق کو دھرا کے یہ بتانا چاہتے تھے کہ ارکان کے مسلمانوں پر جو مظالم ہو رہے ہیں، ان کو آئے دن دہرانے، ان پر آنسو بہانے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ ان استبداد اور مظالم کو ختم کر کے اپنی قوم کو بچانے کے لئے خون کی ندیاں پار کرنی ہوں گی، اگر اس حال میں شہادت نصیب ہوئی تو رضائے الٰہی کے ساتھ شہادت ملے

گی ،اگر غازی بنیں گے تو عزت وآبرو کی زندگی نصیب ہوگی ،تو لیجئے وہ گیت :

قومی نغمہ	اردو ترجمہ
(۱)مو کے لوٹیا اللہ رنام رائیبا گوری دینو رخام	منہ میں اللہ کے نام لے کر دین کے کام کئے جاؤ
او مسلمان مجاہد بنی دیشر لاگی دیبا جان فران	مسلمانو! مجاہد بن کر وطن کے لئے جان قربان کرو
(۲)ہزار بسر آگے برمات روہنگیا رنام آسے	برما میں ہزاروں سال سے مسلمانوں کے نام ہیں
برما یے خورار کا نیتے توانرار کی آسے	برمی کہتا ہے کہ ارکان میں تمہارا کچھ بھی نہیں ہے
حقر لاگی کافرورے گوریا خان خان	حق کے لئے کافروں کو تکڑے تکڑے کردو
(۳)دن بدن برمائے مسلمان گولی دی ماریر	روز برمی لوگ مسلمانوں کو گولیوں سے مارتے ہیں
زادو خاندیر ماں ماں گوری، کئے ہائے ہائے رے	بچے ماں کہے روتے ،کوئی ہائے ہائے کرتے ہیں
برما یے خورروہنگیا رلائی بنائے گولرفان	برمی کہتا ہے کہ روہنگیا کے لئے پھندے تیار ہیں
(۴)جنتی خوئی اللہ ہوئے ،فائیلے شہید رنام	اللہ نے شہیدوں کو جنت باسی کہا ہے
دینر لاگی شیش گوریا برمار نام نشان	دین کے واسطے تم برما کے نام ونشان کو مٹادو
ہاتھت بیرنگان لوئیا خاندوت توپ کمان	ہاتھ میں بیرنگن اور کاندھے پر توپ کمان لے کے
(۵)سائیرومیکہ سائیلے دکھت روہنگیا مسلمان	ہر کہیں روہنگیا مسلمان مشکلات کے شکار ہیں
فوابورا لیخادوگوئی مجاہدت نام	چھوٹے بڑے ہر کوئی مجاہد میں نام لکھوادو
آدھا بوشت جنت خامائی لوئیبا نوجون	آدھی عمر میں اے نوجوانو جنت کمالو!

شہید یا غازی بننے کی تمنا

جناب شبیر احمد صاحب نے اپنے ایک گیت میں شہید یا غازی بننے کی تمنا کی ہے،لیکن بظاہر یہ تمنا پوری نہیں ہوسکی، دربار خداوندی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، اگر مالک نے چاہا تو نیت کا پاس ولحاظ بھی ہو سکتا ہے،اللہ تعالی مرحوم کوشہادت کا درجہ نصیب فرمائے،تو لیجئے وہ گیت :

قومی نغمہ	اردو ترجمہ
روہنگیا دیشی روہنگیا باشی	روہنگیا دیسی اور روہانگ باسی ہونے کے باوجود
روہنگیا ہوئی اداشی	روہنگیا اداس کیوں ہیں؟
تلوارے جواب دیبوآنرا ارکان باشی	تلوار جواب دے گی کہ ہم ارکان کے باسی ہیں
(۲) کافرو لے خوئیا سیلو تونرا بیدیشی	کافر ہمیں پردیسی کہتے پھرتے ہیں
شے خوتا فونی بھائیائن آنرا خوتوہانشی	یہ بات سن کر ہم بھی کتنے ہنستے ہیں
لارائر ومیدانے ہوئیوم شہید یا تو غازی	ہم میدانِ جنگ میں شہید یا غازی بنیں گے
(۳) جنو تیرو ہوا سولیر روہنگیا ردیشر اورے	روہنگیا کے وطن میں جنت کی ہوئیں چلتی ہیں
آسمان زمین لوح وقلم جیلی میلی گوریر	آسمان، زمین، لوح اور قلم سب چمکتے ہیں
حور ملائک ہوئے خوشی شہید یر ولاگی	حور وملائک شہیدوں پر خوشیاں مناتے ہیں
(۴)ماں بہن ایروعزت باسوز وتو بھائی نوجون	جتنے نوجوان ہیں وہ ماں بہن کی عزت بچائیں
اے دیش آمار لاگی ہوئی بوجنو تیرو فول باغان	یہ ملک ہمارے لئے جنت کا باغ بنے گا
آگے بڑھی زائیوم آنرا کلمہ فوری فوری	ہم کلمہ پڑھتے پڑھتے آگے بڑھیں گے
(۵)غافیلوتی نو گوریو اورے مسلمان	اے مسلمانو تم غفلت شعار مت بنو!
فکافا کی نیت گوری اللہ رے ایک زانو	اللہ تعالی کو ایک جان کر پکی نیت کرلو
لارائیرو میدنے سولو روہنگیا نوجوان ساتھی	روہنگیا نوجوان ساتھیو میدانِ جہاد کو چلو!

اور ایک گیت انہوں نے بڑے بہادرانہ انداز میں گایا تھا، اس میں نوجوانوں کو میدان جہاد اسلامی میں کود پڑنے کی تاکید کی گئی تھی ، انداز ترنم سے ایسا لگتا تھا کہ وہ اور ان کے ساتھی ابھی میدان کارزار میں کرب وبلا کا سامنا کر رہے ہیں، وہ اپنے ساتھیوں کو گویا ایک رہبر کمانڈر کی طرح آڈر دے رہے ہیں کہ جوانو آگے بڑھو! خود فراموشی سے دور رہو اور قربانی اور ایثار کی تاریخ رقم کرڈالو، اپنے دین و ایمان ،اپنے وطن مقدس اور اپنی ماں اور بہنوں کی عزت وناموس کی خاطر قربان ہوجاؤ، بڑھو اور آگے بڑھو، دین اور وطن کے دشمنوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے قتل کرڈالو، بس اللہ کو ڈرو، اس کے بغیر کسی کا خوف دل

میں نہ لاؤ، اللہ کو ڈرو گے تو تمہیں اللہ تعالی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح ہمت عطا کرے گا، بڑھو اور آگے بڑھو، ارکان کو احد و بدر اور حنین وخیبر کا میدان بنادو، تم اپنے مالک پر یقین کرو، تقوی کرو تو تم سے ساری کائنات ڈریں گی، حتی کہ تمہارے ڈر سے نہ صرف دشمنان اسلام سہم جائیں گے بلکہ پہاڑ، جنگلات اور خود میدان کارزار بھی لرز جائے گا، تو لیجئے وہ گیت:

قومی نغمہ	اردو ترجمہ
(۱) دیشر لاگی خوئی زو گوئی قربان اورے نوجوان	نوجوانو وطن کے لئے قربان ہوجاؤ!
(۲) مورا فیرا اوڑ ییو کانفی	پہاڑ اور پربت کانپ اٹھے گی
ایمانر زور تو نزار دیکھی	تمہارے ایمان کی زور دیکھ کر
زائیبا جہاد ور میدانے زون زون	ہرایک میدان جہاد میں اتر جاؤ
مجاہد نام نیز ورلہودی	اپنے خون سے مجاہدین میں نام لکھوادو
آسمانے تے دوگوئی لیکھی	آسمان میں تمہارا نام لکھوادو
اورے زاپ دی دوری	اللہ کی رسی کو پکڑتے ہوئے
کافیر ور گینڑی بانگ	کافروں کی گردنیں توڑ ڈالو
(۳) روہنگیار دشمن آسے خوڑے	روہنگیا کے دشمن کہاں ہیں؟
تووائی تووائی مارو تارے	ڈھونڈ ڈھونڈ کر انہیں ماردو
نوہوئیلے خوئییو خوشٹو	ورنہ بڑی تکلیفیں ہوں گی
جان باسون دیبو اللہ رے دھور یلے	اللہ تعالی تمہاری جان کی حفاظت کرے گا
حضرت علیر ہمت سائیلے	حضرت علیؓ کی ہمت چاہو تو
گورو بدر خیبر احد ور ارکان	ارکان کو بدر واحد اور خیبر بناڈالو

وطن کے حوالے سے اردو نغمے

سرزمین ارکان کے حوالے سے اردو زبان میں لکھے ہوئے نغمے بھی شبیر صاحب نے بہتوں گائے، اور چندان میں سے ریکارشدہ بھی موجود ہیں، جس طرح میں نے پچھلی سطور میں عرض کیا ہے کہ اردو کے اس عجم میں ان جیسے اتنے فصیح اردو اپنی زبان سے نکالنے والے میں نے کہیں نہیں دیکھا، یہ تو میرا ہی خیال ہے، میرے اس طرح کے خیال کا اظہار چند اہل زبان نے بھی کیا ہے، اس حولے سے ایک دن کا واقعہ تھا میں نے شبیر صاحب کی آواز کی ایک کیسٹ ایک اہل زبان جن کا تعلق یوپی (ہندوستان) سے تھا کو سنایا تو انہوں نے ان کی آواز سننے کے بعد سراہتے ہوئے کہا کہ بنگالی لوگوں میں ایسے فصیح تلفظ، سلامت و لطافت کے ساتھ اردو بولنے والا میں نے کبھی نہیں دیکھا اور نہ سنا، میں نے انہیں تفریحا ہنس کے بولا کہ جناب من! اس گلوکار تعلق بنگال یا بنگلا دیش سے نہیں ہے بلکہ سرزمین ارکان سے ہے، شبیر احمد ان کا نام ہے، تو وہ بڑے متعجب ہوگئے تھے۔

شبیر صاحب کوئی اردو کے شاعر نہیں بلکہ اپنی زبان کے شاعر تھے، وہ اردو زبان میں وطن کے حوالے سے جتنے اشعار گایا کرتے تھے، ان میں مرحوم عبدالصمد صاحب ازہری کے اشعار قابل ذکر ہیں، مرحوم ازہری صاحب نے درجنوں نغمے وطن مقدس ارکان کے حوالے سے لکھے، ان اشعار سے جہاں ازہری صاحب کی بلند وبالا شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہاں ان کے سوز دروں اور وطن واہل وطن کے ساتھ محبت اور لگاؤ کا اندازہ بھی ہوتا ہے، ازہری صاحب کے متعلق میں نے ان کے چند احباب سے سنا، آپ بڑے بردوبار حلیم الطبع اور روشن ضمیر وخیال ہونے کے ساتھ ایک بلند پایہ کے عالم اور مفکر تھے، یوں تو پاکستان میں مع اہل خانہ رہائش پذیر تھے، لیکن کبھی کبھار سعودی عرب بھی جایا کرتے تھے، شبیر احمد صاحب سے ان کی خاصی دوستی تھی اور کافی لگاؤ بھی تھا، شبیر صاحب ان کو بہت پسند کرتے تھے، اور کہتے تھے:

> ''مولانا عبدالصمد ازہری جیسے عالم اور مفکر ہماری برادری میں ملنا مشکل ہے، آپ ایک دل درمند اور فکر ارجمند کے مالک اور بڑے روشن ضمیر و خیال کے انسان تھے، وطن اور اہل وطن کے ساتھ ان کی محبت اور لگاؤ کی مثال ملنی مشکل ہے، وہ شاعر بھی تھے اور مفکر عالم دین بھی''۔

مولانا عبدالصمد صاحب ازہری کا لکھا ہوا یہ قومی نغمہ شبیر صاجب بڑے درد بھرے اور دل سوز انداز میں گایا کرتے تھے:

کس نے کہا ہے ہم کو سارا جہاں ہمارا		ساری زمین ہماری سارا سماں ہمارا
روہانگ کی فضا میں پل کر جواں ہوئے ہیں		تاریخ خود گواہ ہے کہ ارکاں ہمارا
آباد وشاد تھے ہم اڑتے پرند کے ماند		ہر شاخ میں بنایا تھا آشیاں ہمارا
ہم نے کبھی نہ سوچا دل میں کبھی نہ آیا		ہم سے جدا رہے گا یہ گلستاں ہمارا
صیاد گھات میں تھا غافل شکار ہم تھے		ہر کھیل میں پڑے تھے بسکہ جواں ہمارا
بن بن کے ہم نشانے گرتے چلے گئے ہیں		بہتا گیا جگر سے خون رواں ہمارا
ہم نے دیا ہے کیا کیا ہم سے لیا ہے کیا کیا		اک آن میں ختم ہے سود و زیاں ہمارا

نغمہ کی زمین اور موضوع سخن سے شبیر صاحب کے ساز وآواز ہم آہنگ ہوکر ایک علیحدہ دنیا گاتے وقت قائم ہوجاتی تھی، نغمہ سرائی کے دوران اس گلوکار کے ذوق وشوق اور اپنے وطن کے ساتھ ان کی الفت اور لگاؤ کی ایک بہار نظر آتی تھی، اور افسوس بھی ہوتا تھا کہ کاش آج ان کی یہی نغمہ سرائی ہمارے وطن کی ریڈیو اور ٹیوی سے نشر ہوسکتی، کاش وطن کے لوگ اپنے اس من موہنی شخصیت اور ان کی آواز کی جادوگری سے محظوظ ہوسکے ہوتے، کاش اختتام محفل کے بعد اس عظیم گلوکار کو پھولوں کی مالاؤں کے ذریعے رخصت کی جاسکتی، کیا ہی خوب ہوتا۔

وطن کے حوالے سے گائے گئے ان کے دیگر اردو نغموں میں درج ذیل نغمہ ان کا بہت پسندیدہ تھا، وہ یہ نغمہ بڑی شان وشوکت اور آن بان سے گایا کرتے تھے، اس دوران ان کے ساز اور ان کی مدبھری اور مدھور آواز سننے والوں کے دلوں کو گرما جاتی، سنتے وقت دل چاہتا تھا کہ ان کی آواز وساز کے مطابق زندگی کی ہر چیز کو راہ خدا میں قربان کردوں:

وطن کی راہ میں اے یا رو زندگی دیدو !		چمن کی زلف پریشاں کو تازگی دیدو
دیار غیر میں اب تم خزاں کے مارے ہو		گلِ بہار کی فرقت میں شاعری دیدو
تمہاری زندگی ہے اب بڑی اداسی میں		چلو دطن کو محبت کی چاندنی دیدو
یہ میکدے بھی تمہارے نہ کام آئیں گے		تم اپنے رندوں کو آداب میکشی دیدو
تمہاری زندگی ہے اب نزاع کے عالم میں		وطن کے سارے جوانوں کو ساحری دیدو

خدا کرے کہ تمہاری اندھیری چھٹ جائے		مگر تم اپنی صداقت کی روشنی دیدو

وطن عزیز کے ساتھ ان کا کس قدر لگاؤ تھا اور وطن کے چمن اور دشت وڈھلوان سے ان کی محبت کس قدر تھی، اور وطن میں وہ اور ان کے جیسے لوگوں کے آشیانے لٹ جانے پر وہ کتنے غم زدہ تھے، وطن کے دھن دولت لٹ جانے پر وہ کتنے پریشان تھے، اور اپنے ملک میں چھوڑ آئے ہوئے محبوب کی یاد پر وہ کتنے افسردہ تھے، اور ہجر کے دوران وصل کی یاد پر وہ کتنے بے قرار تھے، پھر ان تمام تکلیف دہ چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے مستقبل پر کتنے پرامید تھے، ان ساری چیزوں کی غمازی مندرجہ ذیل نغمہ میں دیکھی جاسکتی ہیں، تو لیجئے:

چاندنی رات میں محبوب چمن یاد کرو		ساری دنیا سے حسین اپنا وطن یاد کرو
راتیں گزری ہیں تمنا نہ بھر آئی تیری		آشیاں لٹ گیا ایسی خبر آئی تیری
کس قدر لٹ گیا ارکان کا دھن یاد کرو		چاندنی رات میں محبوب چمن یاد کرو
تو نہ دیکھا کہیں محبوب کی منزل کا نشان		دام طوفاں میں چمکتا ہوا ساحل کا نشاں
کیسا معصوم تھا اپنا ہی سجن یاد کرو		چاندنی رات میں محبوب چمن یاد کرو
ہجر کی رات میں آتی ہیں وصل کی یادیں		کہ مصیبت میں ستاتی ہیں غزل کی یادیں
غم فرقت میں بہاروں کی دلہن یاد کرو		چاندنی رات میں محبوب چمن یاد کرو
زلزلے آگئے ان کفر کے ایوانوں میں		تو نہ گبھرا کبھی منجدھار کے طوفانوں میں
کوہ ارکاں میں چکتی وہ کرن یاد کرو		چاندنی رات میں محبوب چمن یاد کرو

موصوف اپنے وطن کے حال زار پر بڑے نالندہ تھے، ہر وقت بے قراری کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ:

”آہ! وطن کے اس حال زار پر اب رونے والا بھی کوئی نظر نہیں آرہا ہے، ہر ایک کو اپنے اپنے دھن میں ادھر سے ادھر پھرتا نظر آرہا ہے، وطن کی حالت اب اجڑی دیار جیسی ہوگئی ہے، سرزمین اسلام ارکان ہزاروں لاکھوں بزرگان دین متین کو اپنے سینے میں چھپائی ہوئی ہے، وطن کے جیالوں کو اب اپنے بزرگوں کی یاد تک ستا

تی نہیں ہے، کبھی یہاں کی پھولوں کی رعنائیاں دنیا کی دوسرے علاقوں میں پائے جانے والے گلشن کو بہار کی جھلکیوں سے بھر دی تھیں، لیکن آج یہاں کی پھولوں میں نہ ہنسی ہے اور نہ کلیوں میں تبسم، اور بلبلانِ چمن بھی سوکھی ڈالیوں میں پریشان خاطر نظر آتے ہیں، اس بے کسی کے عالم میں ہم بےبسوں کی فریادیں سنیں تو کون سنیں"۔

موصوف کی نظر میں سرزمین ارکان پیار ومحبت اور چاہت والفت کی آبرو ہے، یہاں کے لوگ اپنی محبت کے گیت سنا سنا کے دنیا کے دیگر علاقہ جات کے لوگوں مسحور کردیتے تھے، لیکن آج یہاں کے بزرگ ترین لوگ محبت کے راگ راگنی الاپنے والوں کے گیت سننے کو ترستے ہیں، اس پر دکھ بھری بات یہ ہے کہ یہاں کے بعض لوگ ایسے بن بیٹھے ہیں کہ وہ دوسروں کو کیا خاک پہنچانے بلکہ وہ اپنے آپ کو پہنچاننے میں شدید قاصر ہیں، وہ اپنے کو غیر سمجھنے لگے ہیں اور غیروں کو اپنے:

کیسے بتائیں حالِ غمِ زلف یار کا		گلچین کا گلزار کا فصل بہار کا
اے وادیٔ ارکان تو منزل ہے یار کی		دنیا کو پتا ہے نہ تیرے حال زار کا
تیرے بغیر یار بڑا شرمسار تھا		پوچھا نہ تھا کوئی نہ کہیں خاکسار کا
گلشن میں بلبلیں تھےغزل خوان چارسو		کیا حال زار ہو گیا اجڑی دیار کا
تابندہ تیرے سینۂ الفت میں ہیں لاکھوں		تو گلشن ہزار کا تھا ہے ہزار کا
پھولوں میں ہنسی ہے نہ تبسم ہے کلی میں		بلبل ہے پریشان ترے مرگزار کا
اے یار بے گھروں کا کوئی پوچھتا نہیں		کیسے بتائیں حالِ غریب الدیار کا
اے سرزمینِ پیار تو الفت کی آبرو		تو ہی وطن ہے سینکڑوں خیر الخیار کا
شاعر تیرے اقرار محبت ہے بڑا خوب		غیروں کا پتہ ہے نہ تجھے اپنے یار کا

جوں جوں موصوف کی زندگی کا سورج زوال پذیر تھا، توں توں ان کو اپنے وطن کی یادیں ستاتی گئی تھیں، ادھر وہ اپنے وطن میں پائے جانے والے بےلاگ محبت کرنے والے دوستوں، چاہنے والوں اور محبت کرنے والوں کی یاد کیا کرتے، تو ادھر وہاں (سعودی عرب) کے بعض دوستوں اور احباب کی بے اعتنائیوں کی شکایتیں کرتے رہے تھے، جنہوں نے بظاہر محبت اور چاہت کے گن گائے مگر حقیقت

میں ان کی اس دکھاوے کی محبت میں خود غرضیاں چھپی ہوئی تھیں، موصوف کے خیال میں غیروں کے وطن میں پائے جانے والے احباب میں غیروں جیسا سلوک پائے جاتے ہیں، ویسے ان دوستوں کی بدسلوکی، بے اعتنائی اور دل شکن کردار کا نتیجہ تھا کہ جبھی ان کو وطن کی یاد آجاتی تو وہ آنسو بہاتے چلے جاتے تھے، اور ایک طرح کی شکایت اور گلا کے ساتھ مندرجہ ذیل گیت گاتے تو ان کے درد والم اور بیقراری میں خاصا اضافہ ہوجاتا تھا، تو لیجئے وہ گیت:

کس طرح یاد وطن میں دل مرا گھائل ہوا		دیکھ لو یا رو یہاں جینا بڑا مشکل ہوا
میں چلا آیا بچانے کے لئے دین و دھرم		کچھ نہیں پایا یہاں انسان سے رحم وکرم
میکدے میکش ہیں لیکن دل بڑا بے دل ہوا		کس طرح یاد وطن میں دل مرا گھائل ہوا
تو جسے گلزار سمجھا ، وہ تیرا زندان ہے		زندگی تیری بڑی بے چین ہے ویران ہے
قافلہ ٹھہرا ہوا ہے جس میں تو شامل ہوا		کس طرح یاد وطن میں دل مرا گھائل ہوا
کب تلک تڑپو گے یارو محفل صیاد میں		آرزو ہوتی ہے جینے منزل آباد میں
دیکھ لے شاعر کو ویرانے میں اک بسمل ہوا		کس طرح یاد وطن میں دل مرا گھائل ہوا

اگلی سطور کے ان دونوں گیتوں کو موصوف کی زندگی کے آخری گیتوں میں شمار کیا جاسکتا ہے، جن میں انہوں نے اپنے وطن کے لوگوں کو وطن کی طرف رخ کرنے کی دعوت دی تھی، ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر زندگی نے مزید ساتھ دیا تو میں ضرور وطن کو لوٹ جاؤں گا، اگر اس کی توفیق نہیں ہوئی تو اپنے وطن کے ان مہاجر بھائیوں سے عرض تمنا ہے کہ وہ ضرور اپنے وطن کو لوٹنے یا کم سے کم لوٹنے کی تیاری کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں، تو ملاحظہ ہو:

چلو اپنے وطن کو ہی چلو تم پیار سے لوگو		ذرا محظوظ ہو جاؤ غم دلدار سے لوگو
وطن کے بلبلیں شاخ چمن میں گیت گاتے ہیں		سنو جا کے سنو سیل رواں نغمے سناتے ہیں
سبق سیکھو ابھی ظلم سرِ بازار سے لوگو		چلو اپنے وطن کو ہی چلو تم پیار سے لوگو
بتااے یار ہم پیارے چمن چھوڑے کدھر جائیں		نہ ہوا اپنے وطن کو چھوڑ کر غیروں کے گھر جائیں

بچاؤ اپنے دامن ٹھوکر اغیار سے لوگو	چلو اپنے وطن کو ہی چلو تم پیار سے لوگو
غلامی کی ابھی زنجیر کٹنے کو نکل آؤ	تمہیں ہو شیر دل لوگو جھپٹنے کو نکل آؤ
بہاؤ خون کی ندیاں سر تلوار سے لوگو	چلو اپنے وطن کو ہی چلو تم پیار سے لوگو
سبق سیکھو محبت کا شرافت کا شجاعت کا	اٹھاؤ اپنی دھرتی میں بلند پرچم خلافت کا
بھگاؤ کفر کو ٹوٹے درودیوار سے لوگو	چلو اپنے وطن کو ہی چلو تم پیار سے لوگو

پھر دوسرا گیت بھی ملاحظہ ہو:

آجا تو وطن سے ترے دیدار کئے جا	ارکان کی ہر چیز سے تو پیار کئے جا
تو گلشن ایمان کی اک پھول ہے رنگین	خوشبو سے مہک جائے چمن ہے یہ بالیقین
تو بادۂ امروز سے سرشار کئے جا	آجا تو وطن سے ترے دیدار کئے جا
تو نعرہ تکبیر سے شیروں کو جگالے	تو گلشن ارکان کو پھولوں سے سجالے
سوئی ہوئی تقدیر کو بیدار کئے جا	آجا تو وطن سے ترے دیدار کئے جا
خوشبو سے مہک جائے تیری مست جوانی	آجائے ترے گیت سے دریا میں روانی
شاہین کی طاقت ابھی تیار کئے جا	آجا تو وطن سے ترے دیدار کئے جا
چل چل اے نوجوان تو شمشیر لئے چل	صدیوں کے تیرے خواب کی تعبیر لئے چل
طاغوت زمانے سے تو پیکار کئے جا	آجا تو وطن سے ترے دیدار کئے جا

موصوف کا یہ خیال کہاں تک صحت پر مبنی ہے، وہ ناظرین کرام ہی فیصلہ کریں گے کہ وطن میں پائے جانے والے مسلمانوں کے لئے دفاعی جنگ لڑنا، ماں اور بہنوں کی عصمت وآبرو کی بچاؤ کے لئے جان کی بازی لگانا، مساجد ومدارس کی کھوئی ہوئی عزت کی بحالی کے لئے کٹ مر کے قربان ہوجانا، اپنے وطن کو بربری ظالموں اور وحشی مگھوں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے شہید ہونا، اوراس کے لئے جانیں گھنوانا کوئی نادانی اور سفاہت نہیں ہے، اور تو اوران کے نزدیک ایک انسان کے لئے زندگی میں اگر وطن نہیں ہے تو اس کے لیے دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے، ملاحظہ ہو اس گیت میں:

دیس کی خاطر نکلو یا رو ہاتھ میں لو سامان	میرا وطن میرا ایمان، میرا وطن میرا ایمان

کس نے کہا ہے وطن کی خاطر مرنے میں ناکامی ہوگی	راہ وطن میں جان گھنوانا مومن کی نادانی ہوگی
رونڈھ لو تم دشمن کو اپنے بن جاؤ طوفان	میرا وطن میرا ایمان، میرا وطن میرا ایمان
گیتی میں اے حسن پرستو وطن نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے	بلبل جیسا خوب ہو لیکن چمن نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے
جان لے اب تو غیر کے گھر میں چند دن کا مہمان	میرا وطن میرا ایمان، میرا وطن میرا ایمان

موصوف اپنی زندگی کے آخری ایام میں مندرجۂ ذیل گیت بہت ہی مودبانہ انداز میں گایا کرتے تھے، اور سلام لئے اورالوداع کئے اس دنیا سے رخصت لے جانا چاہتے تھے:

خاکِ ارکاں ترے گل چین کو گلستاں کو سلام	تری ہر پھول ترے خار مغیلاں کو سلام
تجھ پہ رکسان ہیں بتاں اے مرے محبوب چمن	ترے ہر گیسو پریشاں میں ہے اندازِ دلہن
تجھ پہ بکھری ہوئی ہر زلفِ پریشاں کو سلام	خاکِ ارکاں ترے گل چین کو گلستاں کو سلام
تری ہر صبح سے رنگیں درو دیوار فلک	رشک کرتے ہیں تری شام پہ ہر حور و ملک
تجھ پہ رنگے ہوئے ہر خون شہیداں کو سلام	خاکِ ارکاں ترے گل چین کو گلستاں کو سلام
ترے اجڑے ہوئے گلشن کو سنواریں کیسے؟	دام ہجراں میں یہ دن رات گزاریں کیسے؟
ترے کہسار کی رنگینِ بہاراں کو سلام	خاکِ ارکاں ترے گل چین کو گلستاں کو سلام
سازوآواز مجھے ناف کے دھارے سے ملے	جام الفت مجھے اسلاف کے نعرے سے ملے
بادۂ عشق سے مدہوش غزلخواں کو سلام	خاکِ ارکاں ترے گل چین کو گلستاں کو سلام

محمد جعفر حسین قوال کی یاد پر(۱)

۱۹۴۲ء میں سرزمین ارکان کے معروف ومشہور اور جان شکن قتل عام کے بعد اٹھ کھڑی ہونے والی تحریک آزادی کے معمار حضرت محمد جعفر حسین قوال شہید کا نام ہمارے انقلابی حلقوں میں بہت معروف اور مشہور ہے، مگر ہمارے عوام کی اکثریت ان کی جدو جہد اوران کی تحریک کے مقاصد سے تقریبا نابلد ہے، اس حوالے سے جناب شبیر احمد صاحب کا کہنا تھا کہ:

”حضرت محمد جعفر حسین قوال روہنگیا قوم کے ایک عظیم محسن تھے، لیکن قوم کی اکثریت آج ان کو جانتی اور پہنچانتی نہیں ہے، اور جو لوگ ان کی شخصیت اوران کے مقام عالی سے واقف ہیں، وہ بھی ان کو یادنہیں کرتے ہیں، اس کلیہ سے میں بھی خارج نہیں ہوں، میں نے ایک سے زیادہ شاعر دوستوں سے یہ گزارش کی تھی کہ محمد جعفر حسین قوال پر چند نغمے لکھے جائیں، لیکن کسی نے بھی میری اس بات کی طرف توجہ نہیں دی، قومی سطح پر سوچا جائے تو یہ ہماری حسان فراموشی کا ایک عیاں ثبوت ہے کہ ہم نے اورتو اور محمد جعفر حسین قوال جیسے کی یاد سے بے اعتنائیاں کی ہیں، جو قوم اپنے بزرگوں، رہبروں اور محسنوں کی یاد نہیں کرتی، وہ قوم اپنے آپ کو زندہ دل قوموں میں شمار نہیں کرسکتی، میں سمجھتا ہوں کہ اپنے محسنوں اور بزرگوں کو یاد کرنا ہمارا ایک قومی فریضہ ہے، مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ قوال شہید پر چند نغمے لکھ کر قوم پر احسان کریں گے، اس پر لے ودھن کے لئے کام کرنا میرا ذمہ ہے“۔

---

(۱) دور آخر کے معمار تحریک آزادیٔ ارکان محمد جعفر حسین شہید بن مولانا سلطان احمد کی ولادت ۱۹۱۵ء میں قصبۂ علی چنگ، بوسیدنگ کی معروف بستی کجافہ میں ہوئی، تقریبا تین سال کی عمر میں مکتب نشینی ہوئی، مکتب ہی میں عربی، فارسی اور اردو زبانوں کی تعلیم پائی، بعد میں اپنے لائق والد سے تیسری جماعت تک مکمل کی، پھر اعلی تعلیم کے لیے ہندوستان کا سفر کیا، کلکتہ کے کسی دینی مدرسہ سے جماعت سوم تک تعلیم حاصل کی، وہ ۱۹۳۹ء میں رنگون پہنچے، بعد میں ڈاکٹر سبھاش چندر گوش کی قیادت میں چلنے والی تنظیم بھارتیہ نیشنل آرمی (BNA) سے عسکری تربیت حاصل کی، ۱۹۴۲ء کے جان سوز المیہ نے ان کے دل ودماغ کو بہت ہی متاثر کیا، وہ عالمی جنگ دوم کے اختتام پر وطن واپس آئے، اور ۱۹۴۷ء میں ”جہاد کونسل“ نامی تنظیم بلکہ تحریک کی بنیاد ڈالی، ۱۹۵۰ء میں ظالموں نے آپ کو شہید کردیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بعدازاں چند دن گزر گئے تھے کہ راقم سطور ان کی عرض وتمنا کو پورا کرنے کی طرف اپنی بعض مشغولیت کی وجہ سے توجہ نہ دے سکا، ایک دن پھر ملاقات ہوئی تو انہوں نے دوبارہ یاد دلائی، اب سر پر ذمے داری کا ایک بوجھ سا محسوس ہونے لگا تو مندرجۂ ذیل نغمہ لکھ لایا تو وہ بڑے خوش ہوئے:

ترے درد نے لکھا ہے تحریک کا فسانہ		کبھی بھولنے نہ پایا، جعفر تجھے زمانہ
ہے راگ وراگنی سے تڑپا یا اس چمن کو		کوہ و دمن پہ گایا ارکان کا ترانہ
دارورسن کا قصہ تو نے لکھا ہے خون سے		ہوگی تیرے ہی دم سے تعمیر آشیانہ
ایسا تڑپ رہا تھا جیسی ہے موج دریا		تو نے رہِ وفا میں ڈھونڈا نہیں بہانہ
تو پیکر الم تھا دردوں کا تھا مجسم		جھنکارِ فقیری میں انداز خسروانہ
روشن تیرے ہی خون سے لالہ ہوا اس چمن کا		پہنچے در بلم میں آوازِ عاشقانہ

یہ نغمہ دیکھ کر موصوف بڑے خوش ہوئے، اوراس پر مبنی بڑی خوب صورت موسیقی کمپوز کی، انہوں نے اسے بعض دوستوں کو سنایا اور خود گا کر مسرت کا بھی اظہار کیا تھا، ان کو محمد جعفر حسین قوال پر مشتمل اس نغمہ پر خوش ہوتے ہوئے دیکھ کر میرے دل نے اور چند نغمے لکھنے کا فیصلہ کیا تو مندرجہ ذیل دو نغمے میرے دل سے نکلے:

زمانے میں ہم اور کیا چاہتے ہیں		کہ جعفر کی جیسی ادا چاہتے ہیں
محبت کی راہوں پر قدم تو نے ڈالا		ہے پتوارِ کشتی کو تو نے سنبھالا
صدا دی ہے تو نے کہ جس راگنی سے		کہ اس راگ کا آسرا چاہتے ہیں
گلستانِ الفت سجا تیرے دم سے		کہ چمکی ہے قسمت تمہارے الم سے
فدا ہم ترے رازہائے سخن پر		تمہاری ہی جیسی سزا چاہتے ہیں
خزاں کا سماں بے بسی ہے ہماری		سمندر میں کشتی پھنسی ہے ہماری
گزرتی ہیں راتیں کہ منجدھار میں اب		خدا سے کوئی ناخدا چاہتے ہیں
چمن کو خزاں سے بچانے کا کوئی		نہیں ہے یہ گلشن بچانے کا کوئی
کہ دل چاہتا ہے بلالیں تمہی کو		محبت میں بس یہ دعا چاہتے ہیں
تمہاری صداقت پہ قربان جائیں		تمہاری شجاعت پہ قربان جائیں
تمنا ہماری ہے فرقت میں ایسی		تمہاری ہی جیسی سزا چاہتے ہیں

ایک روز مجھے موصوف نے بلا کر کہا کہ آپ نے محمد جعفر حسین قوال پر جو نغمے لکھے، انہیں سامعین نے بہت پسند کیا ہے، تو خاکسار نے جواباً کہا:

> ''دراصل مضمون شعر یعنی شعر کی زمین بڑی خوب ہے، اس پر ساز و آواز کا مدھور پن مستزاد، ورنہ میرے خیال میں محمد جعفر حسین قوال جیسی شخصیت بلکہ من موہنی عبقری کی تصویر کشی کے لئے میں جیسا شاعر کی شاعری بالکل ناکافی ہے، شہید کا مقام بہت بلند اور میری شاعری تو شاعری کے نام کا ایک کلنک ہے، زمین کو آسمان سے کیا نسبت؟ دراصل یہ شاعری ہی نہیں ہے بلکہ آپ کی عرض تمنا کو پوری کرنے کا ایک بہانہ ہے''۔

اب موصوف نے جھٹ سے جواب دیتے ہوئے کہا محمد جعفر حسین کے حوالے سے میری عرض تمنا کو مزید پوری کرنے کی کوشش کی جائے، ان کے متعلق اور چند کلام کی ضرورت ہے، تاکہ سامعین کے ساتھ ساتھ میرے دل بھی راحت وطمانیت سے ہمکنار ہوجائے، اس کے چند دن بعد راقم نے ایک اور نغمہ حاضر کیا تھا:

غم ہجراں میں تھے نالندہ غزل خواں جعفر		ترا انداز تھا اندازِ دل براں جعفر
ترے ہر راگ وغزل سے ہوئے حیران بتاں		کوچۂ یار میں تھے در دکا درماں جعفر
رشک کرتے ہیں ترے خون سے ہر جن وبشر		ہو مبارک تجھے اب دامن جاناں جعفر
در و دیوار وطن تیرے جنوں سے مسحور		مرحبا تیرے جنوں پر اے مہرباں جعفر
مدتوں یاد رہے گا ترا افسانۂ غم		بلبلِ نغمہ سرا کی ہے داستان جعفر
آہ! الفت میں بھر آئی نہ تمنا تیری		حسن کی راہ میں تو زلف پریشان جعفر
''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری''		ہو ترے خون سے جنت میں چراغاں جعفر

یہ نغمہ ملتے ہی موصوف بڑے خوش ہوئے، اور ایک ایسی موسیقی اس نغمہ کے لئے دی کہ بعض سامعین کے علاوہ راقم سطور کا دل بھی خوشی سے تڑپ اٹھا، آہ آج سرزمین ارکان کے بلبل خوش آواز ہم سے رخصت لئے خالق حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالی ان کو جنت میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

دیگر گلوکاروں اور قوالوں کے ساتھ

۱۹۶۵ء میں شبیر احمد صاحب تعلیم سے دستبردار ہو گئے تھے، بعد ازاں ایک میکانیکل پیشہ اختیار کیا تھا، اس دوران وہ منگڈو اور بوسیدنگ میں کام کی نسبت سے آیا کرتے تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب وہ گلوکاری کے حوالے سے مشہور ہونے لگے تھے، اور دور دراز سے دیگر گلوکار اور قوال حضرات ان سے ملنے اور ان کے ساتھ تھوڑے وقت گزارنے آتے تھے، جوں جوں ان کی شہرت بڑھتی گئی، توں توں ملنے ملانے کا سلسلہ بڑھتا گیا تھا۔

اب میں اس زمانے اور بعد کے چند گلوکاروں اور قوالوں کا تذکرہ کرنے جا رہے ہوں، تاکہ ناظرین کو شبیر احمد صاحب کے ساتھ ساتھ اسی زمانے کے چند گلوکاروں اور قوالوں سے واقفیت حاصل ہو سکے۔

(ا) گلوکار جناب امان اللہ صاحب بوسیدنگی: شبیر احمد صاحب کے زمانے میں یہ معروف گلوکار بوسیدنگ اور منگڈو میں مشہور ہونے لگے تھے، بڑے خوش آواز اور موسیقی کے بڑے ماہر تھے، اس زمانے میں ارکان میں شہرت یافتہ گلوکاروں میں وہ بھی ایک تھے، اسی کی دہائی میں انہوں نے ترک وطن کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی، کوکس بازار کے شہر میں رہائش پذیر تھے، بعد میں چاٹگام ریڈیو اسٹیشن سے تعلق تو قائم کیا اور ریڈیو چاٹگام کی طرف سے گلوکاری کی سند بھی حاصل کی، مگر بعض مشکل حالات کی بناء پر ان کی آواز ریڈیو چاٹگام سے نشر نہیں ہو سکی، تاہم ان کے بعض نغمے دوسرے ذرائع کے ذریعے نشر ہو چکے تھے، وہ آج کل کوکس بازار میں بڑی عسرت کی زندگی گزار رہے ہیں، جناب شبیر احمد صاحب جب بھی بوسیدنگ جاتے، رات ان کے ساتھ کاٹتے رہے تھے، وہ امان اللہ صاحب کی آواز سے زیادہ ان کے ساز سے محظوظ اور لطف اندوز ہوا کرتے تھے، شام ڈھلے کام سے فارغ ہونے کے بعد دونوں گلوکار کسی ایک محفوظ اور دلفریب مقام میں بیٹھتے، اور دور دراز سے آئے ہوئے ان دونوں کو چاہنے والے بھی جمع ہوجاتے تھے، چنانچہ امان اللہ کے متعلق شبیر احمد صاحب کی رائے یہ رہی تھی کہ:

> ''جناب امان اللہ صاحب کی آواز میں زیادہ کشش دھن کی تھی، مگر ان کے ساز میری نظر میں بے مثال ساز ہے، اس جیسا منڈلون بجانے والا میری نظر میں اور کوئی نہیں گزرا، اس کی آواز سے زیادہ اس کے ساز میں لطف محسوس ہوتا تھا''۔

(۲) محمد سلطان اکیابی: جہاں تک شبیر صاحب کے علاوہ بعض لوگوں سے معلوم ہوا جناب محمد سلطان اکیابی صاحب بہت خوش آواز گلوکار تھے،شبیر احمد صاحب سے ان کی ملاقات روہنگیا ڈرامہ ''روہنگیا رورا'' کے زمانے میں ہوئی تھی،اس ڈرامہ کے ڈائرکٹر جناب عبدالصمد صاحب بوسیدنگی کو فکر لاحق ہوا تھا کہ اس ڈرامہ میں بیک گراؤنڈ کون دے گا،اس حوالے سے جناب عبدالصمد صاحب نے بعض دیگر گلو کاروں کے ساتھ محمد سلطان صاحب کو بھی بلایا تھا،یوں اس حوالے سے شبیر صاحب کو ان سے تعارف ہوا،نہ جانے یہ گلوکار آج کل کس حالت میں ہیں،آیا دنیا میں ہیں یا اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں،ان کے متعلق شبیر احمد صاحب کی رائے یہ رہی ہے کہ:

''جناب محمد سلطان اکیابی جاذب نظر شخصیت کے مالک تھے اور خوش آواز گلوکار بھی،نقل اتارنے کے بڑے ماہر تھے،محمد رفیع،مکیش اور کشور کمار کی آوازیں خوب نقل کیا کرتے تھے،جس کی آواز نقل کرتے،گویا اس کی طرح لگتے تھے،روہنگیا رورا کے زمانے میں ان کے ساتھ چند مرتبہ گانے کا موقع ملا تھا،موصوف بہت اچھے اور ہردلعزیز گلوکار تھے''۔

(۳) سلامت اللہ خان بوسیدنگی: وہ جناب عبدالصمد صاحب کے خاص رفیقوں میں سے ایک تھے،در اصل روہنگیا رورا کی کامیابی ان لوگوں کی وجہ سے ہوئی تھی،عبدالصمد صاحب نے پہلے پہلے یہ تجویز بھی ڈائرکٹری بورڈ میں رکھی تھی کہ مذکورہ ڈرامہ کے لئے سلامت اللہ خان کی آواز کا انتخاب کیا جائے،لیکن شبیر احمد صاحب کی آواز سامنے آئی تو خان صاحب اس مجلس میں ماند پڑ گئے تھے،خان صاحب سے متعلق جہاں تک معلوم ہوا کہ وہ بڑے مخلص اور جان نثار آدمی تھے،بڑے ادب شناس اور محبت کے پیکر تھے،وہ دیگر ہندوستانی گلوکاروں کے تہ بتہ مکیش کی آواز نقل اتارنے کے ماہر تھے،شبیر احمد صاحب سے ان کا بہت ہی دوستانہ اور قریبی تعلق ہو چلا تھا،موصوف ان کے بڑے مداح سرا تھے،وہ بنگلا دیش ہجرت کر گئے تھے،بعد میں وطن واپس آئے،آج کل یہ گلوکار بوسیدنگ میں رہائش پذیر ہیں،بڑی عسرت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

(۴) مولانا حافظ محمد طیب صاحب: حافظ صاحب بڑے ذہین وفطین انسان تھے،ساتھ ہی ساتھ بڑے جوشیلے،غصیلے،غیور،جاذب نظر اور ہردل عزیز شخصیت کے مالک بھی،گلوکاری اور خاص طور پر قوالی سے ان کی خاص نسبت تھی،طالبعلمی کے زمانے سے وہ اپنی ذہانت وفطانت اور غیرت ونخوت کے حوالے سے مشہور تھے،بطور خاص دانشوروں کے سامنے علمائے اسلام کے گن گانے اور ان کی

برتری کی تفصیلات بیان کرنے میں مگن رہتے تھے،خود عالم دین بھی تھے اور معروف حافظ قرآن بھی، پھر بعد میں تصوف وسلوک کی دنیا میں بھی انہوں نے خاصی شہرت حاصل کی تھی۔

قوالی اور گلوکاری کے حوالے سے حافظ صاحب کے چند رفقاء،ہم نوا اور تلامذہ تھے،جن میں مولوی عبد الشکور لاوادنگی اور مولوی محمد زمان قابل ذکر ہیں،حافظ صاحب نے اپنے ہمنواؤں کی معیت میں شبیر صاحب کے ساتھ درجنوں محفلوں میں گانے گائے،طالبعلمی کے زمانے میں ایک واقعہ ایسا بھی ہوا تھا کہ قولی کی پاداش میں ان کو مدرسہ عالیہ بوسیدنگ سے اخراج کیا گیا تھا،لیکن ان کو اس قسم کے اخراج و تخریج کا کوئی پرواہ نہ تھا،وہ اپنے دھن میں چلتے رہتے اور اپنے ہم نواؤں کو بھی چلاتے رہے تھے، چنانچہ حافظ صاحب کے متعلق شبیر احمد صاحب کا بیان ہے کہ:

''جناب حافظ محمد طیب صاحب بڑے ذہین وفطین حافظ قرآن اور عالم تھے،ساتھ ہی ساتھ گلوکار اور قوال بھی،وہ لوگوں سے محبت کرنے میں یکتائے روزگار تھے،مجھ سے ان کا بہتوں مرتبہ سابقہ ہوا تھا،ادب اور پیار سے ملتے اور ملایا کرتے تھے،مگر تھوڑے غصیلے اور وہ بھی چند لمحوں کے لئے تھے،دوست اور احباب ان پر جان چھڑکتے تھے،ان کی آواز میں کشش اور شخصیت میں جاذبیت تھی''۔

(۵) نور احمد قوال اکیابی: شبیر صاحب کے بیان کے مطابق قوال صاحب بڑے مخلص اور ہردلعزیز انسان تھے،ان کے ساتھ درجنوں محفلوں میں شبیر احمد صاحب کو گانے کا موقع ملا تھا،موصوف ہارمونیم کے ماہر اور قوالی کے پیچ وخم سے واقف کار تھے،مزید تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

(۶) محمد قاسم قوال اکیابی: شبیر احمد صاحب کے مطابق وہ جوشیلے اور ہردلعزیز قوال تھے،ان کے ساتھ بھی بہتوں محفل میں شبیر صاحب کو بیٹھنے کا موقع ہوا تھا،وہ بڑے مودب اور اور آداب محفل سے بڑے واقف تھے،ان کے حوالے سے دیگر تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔

(۷) زین العابدین قوال مرحوم: اطلاع یہ ہے کہ جناب زین العابدین قوال صاحب کے گھرانے کا تعلق ہندوستان کے صوبہ بہار یا اڑیسہ سے تھا،انہوں نے ہندوستان میں تعلیم حاصل کی،بعد میں قوالی کی طرف ان کا رجحان بڑھا تو اساتذہ فن سے لولگائے،سالوں کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں وہ ایک ماہر قوال بنے،بعض ناگزیر حالات کی بنیاد پر وہ ارکان کے دارالحکومت اکیاب آئے،یہاں بہت دنوں تک نجی کام کاج میں مشغول رہے،اب شبیر احمد صاحب کی شہرت ہونے لگی تو انہیں دیکھنے اور ان

سے ملاقات کرنے کے لئے منگڈ و آئے، ان سے ملنے کے بعد وہ ان کے بڑے فریفتہ ہو گئے، اور مرتے دم کے لئے شقدارفارہ منگڈو کے ہو گئے تھے، یہاں انہوں نے ایک شادی بھی کی تھی، مگر ان کی زندگی اپنی اہلیہ کے ساتھ خوشگوار نہیں گزر سکی تھی، شبیر احمد صاحب نے ان سے بہت سی چیزیں اس فن کے حوالے سے سیکھیں، اور ان کے سامنے زانوئے تلمذ خم کیا، قوال صاحب مدح وثناء، نعتیہ اور منقبت کے بڑے ماہر استاد تھے، ان سے ملنے کے بعد شبیر احمد صاحب کا بہت اہم اور بہت بڑا کام ہوا تھا، جہاں تک قوال صاحب کے احباب اور دوستوں کی زبانی معلوم ہوا آپ بڑے پاکیزہ اخلاق اور بلند صفات کے مالک انسان تھے، چھوٹوں سے محبت بڑوں کی توقیر اور علماء کی تکریم میں یکتائے روز گار تھے، وہ گلوکاری اور قوالی میں بڑی مہارت رکھتے تھے، ان کے متعلق شبیر احمد صاحب کا بیان کہ:

> ''جناب زین العابدین قوال صاحب سے ملنے کے بعد میرے نغموں، گیتوں اور قوالیوں میں ایک جان سی آ گئی تھی، نعتیہ کلام اور منقبت کے حوالے سے میں نے ان سے بہت سی چیزیں سیکھیں، وہ بڑے ادب شناش اور شریف و نجیب انسان تھے، کسی کا دل توڑنا تو کجا بلکہ ہر ٹوٹے ہوئے دلوں کو ملانے کے خواہش مند تھے، ان کی اردودانی پر جان چھڑکنے کو جی چاہتا تھا، بڑے خوب تلفظ کے ساتھ لطافت و حلاوت بھری اردو زبان استعمال کرتے تھے، جہاں تک میری اردو کا تعلق ہے، ان سے ملنے کے بعد بطور خاص تلفظ کے حوالے سے میری اردو میں جان آ گئی، وہ میرا ایک عظیم مربی اور محسن تھے، اگر ان سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو میری اردو اتنی صاف وشفاف اور دل کش نہ ہوتی''۔

(۸) جناب حمید الرحمن صاحب: شبیر احمد صاحب سے ان کے تعلقات غالبا سعودی عرب میں ہوئے تھے، اور وہ بھی روہنگیا نغموں کے حوالے سے، حمید الرحمن صاحب ایک مرد مجاہد تھے، وہ مجاہدین اسلام ارکان کے حامی اور منظمات اسلامیہ ارکان سے رشتے رکھنے والے تھے، میں نے روہنگیا مسلمانوں کی حالت زار پر مشتمل ان کے چند گیت سنے، وہ بڑے دردمند اور قوم پر فریفتہ انسان معلوم ہوتے تھے، شبیر احمد صاحب کے ساتھ ان کا بہت قریبی تعلق رہا، انہوں نے درجنوں سے زیادہ محفلوں میں ان کے ساتھ گائے، خاص طور پر قومی گیتوں اور نغموں میں ان دونوں گلوکاروں کی شمولیت بڑی خوب تھی، شبیر احمد صاحب ان کے بڑے مداح تھے، وہ اپنے خاص دھن میں گایا کرتے تھے، اور وہ روہنگیا قوم کے معروف گیت ''زاری'' کے ماہر تھے، علاقائی زبان میں خاص انداز سے گایا کرتے تھے۔

شبیر احمد صاحب اور جماعت تبلیغ

۱۹۶۲ء میں برما کا اقتدار انسانیت کے عظیم دشمن جنرل نیون کے ہاتھ میں باضابطہ طور پر چلا گیا تو یہاں ایک ایسا دور شروع ہوا، جس کے بیان سے دل دہل جاتا اور آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، دنیا کے دیگر سوشلسٹ اور کیمونسٹ نظریات کے حامل ممالک کے لوگوں کی طرح یہاں کے لوگ بھی سوشلزم اور کمیونزم سے متاثر ہونے لگے تھے، یہ تو عیاں حقیقت ہے کہ سوشلزم اور اس کے نظریات کے حاملین کے نزدیک مذہب پر تنقید علم کا اصل جڑ ہے، جبکہ کارل مارکس کے نزدیک مذہب انسان کے لئے افیون ہے، لہذا اس افیون کے خلاف جنگ لڑنا ان اشتراکیوں کا اصل کام ہوتا ہے، تاکہ معاذ اللہ دنیا سے مذہب کا وجود ختم ہو جائے، روس کے اس غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر فطری نظام کا محرک لیلن کو مانا جاتا ہے، جس کے نزدیک ویسے تو دنیا کے تمام مذاہب قابل ندمت ہیں، لیکن وہ خاص طور پر اسلام کا بڑا مخالف تھا، اسلام سے اس کے نزدیک یہ خطرہ پیدا ہو سکتا ہے کہ لوگ اسلام کے جھانسے میں آ کر کمیونزم کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے، اس لئے اس کا کہنا تھا کہ سب سے پہلے اسلام کے خلاف جنگ لڑ کر اسے مکمل طور پر ختم کر دیا جائے، العیاذ باللہ۔

جس طرح عرض کی گئی ہے کہ برما سوشلزم اور کمیونزم کے نرغہ میں بری طرح پھنس جانے کے بعد یہاں ایک ایسا دور شروع ہو چکا تھا کہ یہاں کے بعض لوگ مذہب پر عموما اور دین اسلام پر خصوصا تنقید کرنے لگے تھے، علمائے کرام پر خود وہ مسلمان تنقید کرنے لگے، جو سوشلزم اور کمیونزم سے نئے متاثر ہو چکے تھے، خاص طور پر وہ لوگ جو جدید تعلیم یافتہ اور کمیونسٹ نظریات سے متاثر ہو چکے تھے وہ اسلام پر جائز اور ناجائز الزامات لگاتے پھر رہے تھے، اسلام اور علمائے اسلام پر تنقید ان کے لئے ایک فیشن کی طرح ہو گئی تھی، یہ ناقدین اپنے آپ کو روشن خیال تصور کرتے ہوئے علماء کو قدامت پرست اور اسلام کو سرمایہ دارانہ نظام کا حامی کہہ کہہ کر سب وشتم کر رہے تھے۔

یہ ایک ایسا دور تھا کہ جس میں شبیر احمد صاحب نے ہوش سنبھالا، اور وہ زیور تعلیم سے آراستہ ہوئے، لیکن ان کو ان غیر انسانی اور غیر فطری نظریات نے بالکل متاثر نہیں کر سکا، ان نظریات سے وہ متاثر نہ ہونے کی چند وجوہات تھیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں کہ:

(ا) جس سماج اور جس معاشرہ میں ان کا پروان چڑھا اور جس ماحول میں انہوں نے ہوش سنبھالا وہ اسلام سے بہت ہی قریب کا رشتہ رکھتا تھا، ظاہر ہے کہ اسلام ایک خالص توحید پر عقیدہ رکھنے والوں کا

دین ہے، الحاد وزندقہ سے نفرت کرنا بلکہ بغاوت کرنا اور اس کے خلاف جہاد کا اعلان کرنا اس دین فطرت کی طبیعت میں موجود ہے، چونکہ کمیونزم کا نظریہ اور اس کی کوشش دین الٰہی کو مٹا دینے کی تھی، تو شبیر احمد صاحب جیسے توحیدی اور دین اللہ سے رشتہ جڑے ہوئے انسان کی اگرچہ وہ ایک گلوکار کیوں نہ ہوں کوئی نسبت نہیں ہوسکتی تھی، ویسی اس نظریہ کے خلاف ان کی بغاوت ان کی زندگی کی ابتداء سے شروع ہوگئی تھی، چنانچہ اس حوالے سے انہوں نے ایک دن مجھ سے کہا ہے کہ:

’’میں اسکول میں آٹھویں جماعت کا طالب علم تھا، مجھے اپنی برادری کے ایک آدمی نے ’’برماوے ٹو سوشلزم‘‘ کی تنظیم میں دعوت دی، میں نے پہلے دن اس کی تمام تفصیلات کو کان کھول کر سنا، چند روز گزرتے نہ گزرتے میں اس نظریہ کے مقاصد اورعزائم سے پوری طرح واقف ہو چکا تھا، بعد ازاں مجھے اتنی نفرت اس نظریۂ الحاد سے پیدا ہوگئی تھی، جتنی نفرت پانی کو آپ کے ساتھ ہوسکتی ہے‘‘۔

(۲) شبیر احمد صاحب باوجودیکہ عصری علم وثقافت سے متصف آدمی تھا، لیکن شروع ہی سے ان کا دوستانہ اور قریبی تعلقات علمائے اسلام اور طلبائے علوم دینیہ سے تھے، چونکہ علمائے ارکان کو اور کچھ معلوم ہو یا نہ ہو مگر کمیونزم جیسے الحاد کے حامل نظریہ سے یہ حضرات پوری طرح واقف تھے، میرے علم کے مطابق ارکان کے تمام علماء اور کسی چیز میں متفق ہو یا نہ ہو مگر اس نظرۂ الحاد کے خلاف متفق اور متحد تھے اور ہیں، تو ان حضرات علماء کی محبت اور قربت کا نتیجہ تھا کہ ارکان میں کمیونزم کے نظریہ کی شدید رو چلنے کے باوجود عصری ثقافت سے مثقف ہمارے ممدوح کو اس نے متاثر نہ کر سکا تھا، ان کی مسلم سماج اور اسلامی معاشرہ سے نسبت اور علمائے کرام سے قربت کے علاوہ بعد میں جس چیز یا جس جماعت نے ان کو کمیونزم کے خلاف بغاوت کے لئے کھڑا کر دیا، وہ تھی ’’جماعت تبلیغ‘‘ ظاہر ہے کہ یہ جماعت خالص ایک توحیدی جماعت ہے، اس جماعت میں شامل کوئی بھی انسان الحاد وزندقہ تو کجا بلکہ دین کے نام پر ہونے والی کسی بھی بدعت وخرافات سے شدید متنفر ہوتا جاہے، علاوہ ازیں اس جماعت کے دعاۃ اور روح رواں حضرات کی تاثیر ہوتی ہے کہ اس جماعت میں شامل ہونے والے توحید خالص اور توکل جیسی اعلی صفات سے متصف ہوجاتے ہیں، دور آخر میں ارکان کے طول وعرض میں اس دینی و دعوتی جماعت کا بہت بڑا اثر پڑا تھا، اب بھی ماشاء اللہ اس جماعت کو پوری توانائی کے ساتھ یہاں دعوت کا کام کرتا نظر آتا ہے، شبیر صاحب بھی ذہنی اور عملی طور پر نہ صرف اس جماعت میں شامل

تھے، بلکہ اس جماعت کی طرف دعوت دینے والوں کو اپنے مقتدا سمجھتے تھے، اور تو اور انہوں نے اپنے ایک نغمہ (جوروہنگیا زبان میں ہے) کے ذریعے اس توحید خالص اور توکل الٰہی پر مبنی جماعت کی طرح دعوت دیتے ہوئے یوں کہا ہے کہ:

تبلیغت نہ زور کیا بھائیئن	تبلیغت نہ زور کیا بھائیئن
تبلیغت زائیلے بھائیئن	اللہ دھرا شا، ہائے رے

یہ صرف مطلع ہے پورے گیت یا نغمہ نہیں ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ: بھوئیو! تبلیغی جماعت میں شامل کیوں نہیں ہوتے ہو، اس میں شامل ہونے سے اللہ تعالی پر توکل آجاتا اور اس پر پورا بھروسہ ہوجاتا ہے، اس لئے تم جماعتِ تبلیغ میں شامل ہوجاؤ!۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ بھائیو! جماعت تبلیغ میں شامل ہو کر اپنے دین وایمان کو مضبوط کرو، تبلیغ میں جانے سے ایمان میں مضبوطی اور عمل میں پختگی آجاتی ہے، یہاں دین وایمان، للّٰہیت اور توکل کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے، اس لئے تم تبلیغی جماعت میں شامل ہوجاؤ!۔

جہاں تک موصوف کو میں نے دیکھا اور ان کے رجحان سے واقف ہوسکا کہ ان کو عنفوان شباب ہی میں اس جماعت کے کردار نے متاثر کر ڈالا تھا، جس میں ان کے دم آخر تک کوئی کمی نہیں آئی تھی، وہ ہر وقت جماعت تبلیغ کی خدمات کے گن گاتے تھے، اور بعض اپنے ایسے دوستوں کے حالات بتایا کرتے تھے جو تبلیغ میں شامل ہونے سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے، مگر اس میں شامل ہونے کے بعد نہ وہ صرف ہدایت یافتہ ہوگئے بلکہ دوسروں کو ہدایت یافتہ بنانے کے داعی بن گئے تھے۔

عیدملن کا جاں سوز واقعہ

۱۴۲۷ھ کے رمضان المبارک کے اواخر میں راقم السطور مستودع المناز جو اس وقت الحاج مولوی کلیم اللہ بن سوداگر صدیق احمد کے زیر اشراف چلتا تھا کے بغل میں ایک کمرہ (جو اس وقت راقم کا دفتر بھی تھا اور رہائش گاہ بھی) میں رہائش پذیر تھا، اس سے قبل اور بعد میں بھی اسی مستودع کے قریب ’’مستودع شیخ احمد‘‘ میں شبیر احمد صاحب رہائش پذیر تھے، شیخ احمد فرانفوری نے موصوف کو بڑے

احترام سے وہیں رکھا تھا، انہوں نے موصوف کی اپنی استعداد اور توفیق کے مطابق خدمت کرنے میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی تھی، دراں حالیکہ راقم سطور کوشبیر احمد صاحب سے لگاؤ اوران سے ذاتی تعلق شہرت کی حدتک پہنچا ہوا تھا، دن میں ایک دومرتبہ چارچشمی نہ ہوسکی تو گویا ہم دونوں میں یہ احساس ہوتا تھا کہ آج کے روز ہم نے گویا کوئی پیاری چیز گنوادی ہے، فرصت پر رات یا موصوف ہمارے یہاں گزارتے یا راقم موصوف کے وہاں، اس طرح کی محبت، چاہت اور ہم دردانہ تعلق ہم دونوں کے بیچ میں قائم ہو چلا تھا، کھانے میں کوئی پسند کی چیز میسر ہوتی تو ہم ایک دوسرے کو نہیں بھولتے تھے۔

مذکورہ رمضان کی عید آن پہنچی تو ہمارے بعض دوستوں جن میں شیخ احمد صاحب اور رشید احمد لمبا گونوی قابل ذکر ہیں نے راقم کو بلا کر کہا کہ:

''طاہر صاحب! ظاہر ہے کہ مملکت سعودی عرب میں بہت سارے ملکوں کی اقوام رہائش پذیر ہیں، ہم ہر سال دیکھتے رہتے ہیں کہ سعودی عوام کے تہ بتہ دنیا کی دیگر یہاں رہائش پذیر قومیں بھی عید کے مواقع پر عیدملن کی شکل میں خوشیاں مناتی ہیں، کیوں نہ اس سال کی عید ہم بھی دھوم دھام سے منائیں، تو ہم چاہتے ہیں کہ کیلو اربعہ عشر میں ہماری برادری کی شمولیت میں ایک عیدملن ہو، جس میں جدہ میں رہائش پذیر روہنگیا کے علاوہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ سے بھی برادری کے لوگ بلائے جائیں گے''۔

ان احباب کی مذکورہ تجویز پر عید کے چند دن پہلے ایک مشاورتی اجلاس بلایا گیا تھا، جس میں شبیر احمد صاحب کے علاوہ علمائے کرام میں عزیزم مولوی شیخ محمد ایوب مرنگلوی، محترم مولانا محمد یوسف، مولانا مفیض الرحمن ئلبنوی اور مولانا شریف حسین نندا خالوی شریک ہوئے تھے، اجلاس میں یہ بات طئے ہوئی کہ عید کے دوسرے دن ان مذکورہ مستودعات کے سامنے والے پورے راستہ کوسجایا جائے گا، کیلو اربعۃ عشر جدہ کے علاوہ روہنگیا برادری کے لوگ دیگر شہروں سے بھی مدعو کئے جائیں گے، اس جلسہ میں ایک دعوت نامے کا مسودہ بھی تیار کیا گیا، اور دعوت نامہ پہنچانے کا کام مولوی شیخ محمد ایوب صاحب کا سرڈالا گیا، اس کے بعد اس ہونے والی عیدملن کے لئے ایک ایجنڈہ بھی تیار کیا گیا جو درج ذیل ہے:

(۱) تلاوت کلام اللہ، حمد باری تعالی اور نعتیہ کلام۔

(۲) رمضان المبارک اور عید الفطر کے متعلق مولانا محمد یوسف صاحب خطاب فرمائیں گے۔

(۳) مولوی شیخ محمد ایوب صاحب عقائد اسلامیہ پر ضروری گفتگو کریں گے۔

(۴) مولانا عبدالرحمن صاحب اصلاح معاشرہ پر خطاب کریں گے۔

(۵) محمد طاہر جمال ندوی روہنگیا قوم کے ماضی اور حال پر تاریخی پس منظر میں خطاب کریں گے۔

(۶) آخر میں جناب شبیر احمد صاحب عید کی خوشی پر ایک نغمہ سنائیں گے۔

رمضان المبارک کے اواخر میں عید کی خوشی کے بطور عیدملن کی تیاری دھوم دھام سے شروع ہوگئی، اس دوران ایک روز جناب شبیر احمد صاحب میرے کمرے میں آ کے کہنے لگے کہ طاہر صاحب! اس خوشی کے موقع پر گانے کے لئے میرے پاس کوئی خاص نغمہ نہیں ہے، کیا ہی اچھا ہوگا اگر ایک خاص نغمہ اس ہونے والی عیدملن کے حوالے سے لکھا جائے، میرے خیال میں آپ ہی یہ نغمہ لکھ سکتے ہیں، موسیقی اور دھن میرا ذمہ ہے، تو میں نے درج ذیل نغمہ لکھا:

خوشی کا سماں ہے خوشی کا جہاں ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے
عید ہماری آئی ہوئی ہے	پیار کی بدلی چھائی ہوئی ہے
دیکھو جی دیکھو یہ پیار کا نشان ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے
موسم سہانا رت ہے سہانی	محفل دل میں شمع نورانی
خوش یہ زمیں ہے اور خوش آسماں ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے
باغ میں بلبل گانے لگے ہیں	گلِ چمن مسکرانے لگے ہیں
اللہ اللہ یہ کیا گلستاں ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے
عید مبارک ہو اللہ کی رحمت	شادر ہو آباد و سلامت
دیکھو جی گیتی یہ کیسی شاداں ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے
یاد وطن بھی آنے لگی ہے	دل میں سو دیپک جلانے لگی ہے
گلشن ارکان پہ رشک جناں ہے	سب مل کے مناؤ یہ عید کا سماں ہے

شبیر احمد صاحب کو میرا یہ نغمہ بہت ہی پسند آیا، انہوں نے دوایک دن کے اندر اس کے لئے بہت نرالے دھن اور من موہنی موسیقی کمپوز کی، جس سے اندازہ ہوا کہ ان کو موسیقی سے کتنا لگاؤ اور کس قدر نسبت تھی،

باضابطہ تربیت سے ہم کنار ہوتے تو خدا معلوم ان کا مقام گیت اور سنگیت کی دنیا میں کتنا بلند ہوا ہوتا۔

آمدم برسر عنوان کہ کل عید ہونے والی ہے، جناب شیخ احمد(۱) اور ان کے ہم خیال جن میں محمد انور (داماد بہادر میاں شقدار فاروقی) پیش پیش تھے نے عید ملن کے مقام کو بہت ہی خوب سجایا، رشک آرہا تھا کہ کاش اس طرح کی عید کی خوشی اپنے وطن میں منائی جاسکتی۔

اگلے روز عید ہوگئی، خاص دوستوں، احباب اور چاہنے والوں سے ملاقات کے بعد ہم نے نماز عصر ادا کی، نماز سے فراغت کے بعد میں اپنی رہائش گاہ سے نکل کر شبیر احمد سے ملنے جارہا تھا، ابھی گیٹ کھولا تو دیکھا کہ سعودی خبر رساں ایجنسی کے لوگ بشمول پولیس کی چند گاڑیاں میری رہائش گاہ کے دروازے پر حاضر ہیں، انہوں نے مجھ سے نام پوچھا تو میں نے اپنا نام بتایا، اقامہ طلب کیا تو حوالہ کیا گیا، اور بس کہا گیا کہ پولیس کی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔

پھر انہوں نے شیخ احمد کو بلاوا بھیجا، حاضر ہوا تو ان کو بھی گاڑی میں بٹھالیا گیا، اسی طرح مولانا عبدالرحمن، مولانا محمد یوسف اور مولوی شیخ محمد ایوب کے یہاں خبر پہنچائی گئی کہ مغرب وعشاء کی درمیانی مدت میں وہ سب خبر رساں ایجنسی جدہ کے دفتر میں حاضر ہوجائیں، چنانچہ حکم کے مطابق وہ سب حاضر ہوگئے، انسپکٹر صاحب کے تفتیشی سوالات سے جہاں تک پتہ چلا کہ میرے بعض خفیہ دوست نما دشمنوں نے اس خفیہ ادارہ تک یہی خبر پہنچائی تھی کہ یہاں عید ملن کی آڑ میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا سیاسی یا انقلابی پروگرام ہونے والا ہے (جس کے ساتھ راقم سطور کا خاص تعلق ہے، یادرہے کہ راقم نے ان لوگوں کے تفتیشی سوالات اور ان کے جوابات ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن کی ایک روداد میں تفصیل کے ساتھ درج کئے ہیں) البتہ شبیر احمد صاحب کے حوالے سے ایک بات یہی ہوئی کہ خفیہ ادارہ نے مذکورہ تمام افراد کو طلب کیا لیکن اس سے موصوف بچ گئے تھے، ایک روز میں نے ان سے ہنس کر بولا کہ اس معاملہ میں آپ بچ گئے اور ہم پھنس گئے تھے، تو جواب میں مسکراتے ہوئے بولنے لگا کہ:

"جناب من! اصل میں میری چاہت تھی کہ سعودی حکومت مجھے پکڑ کر بنگلا دیش بھیج

(۱) سالوں سے راقم سطور شیخ احمد صاحب فرانفوری کو دیکھتا رہا کہ کوئی بھی قومی، وطنی اور ارکان اور ارکانی مسلمانوں کی نسبت سے ہونے والے کاموں میں کم سے کم جدہ کیلو اربعہ عشر کی حد تک پیش پیش رہتے ہیں، بطور خاص مدارس اور مساجد کی تعمیر وترقی اور قومی بہبودی کے کاموں میں ہر ممکنہ تعاون کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالی مزید توفیق عطا کرے۔

دے، جو نہیں ہوسکا، اگر مجھے بنگلا دیش بھیج دیا جاتا تو ارکان میں نہ سہی لیکن میری قبر وطن سے قریب کم سے کم بنگلا دیش میں ہوسکتی، جہاں ہماری برادری کی ایک بھاری اکثریت رہائش پذیر ہے، پھر افسوس کے ساتھ کہنے لگا کہ اے کاش میری قبر ارکان میں ہوسکتی"۔

غرض عید ملن تو نہ ہوسکی، اتنی تیاریوں کے باوجود خوشیوں کی جگہ برادری میں افسوس و یاس اور حسرت مایوسی نے لے لی، تاہم عید ملن کے حوالے سے تیار کیا گیا مذکور نغمہ شبیر احمد صاحب نے مختلف محفلوں میں بڑے جان سوز ترنم، دلفگار آواز وساز سے گایا تھا، ریکارڈ تو ہوا مگر باضابطہ نہیں، اس نغمہ کے متعلق موصوف نے ایک روز راقم سے کہا کہ:

"طاہر صاحب! مجھے یہ نغمہ بہت پسند آیا، اور جہاں بھی میں نے یہ نغمہ گایا لوگوں نے بہت پسندیدگی کا اظہار کیا ہے، بعض لوگوں نے مجھ سے شاعر کا نام پوچھا تو میں نے آپ کا نام بتایا، ان میں سے بہتوں کو آپ کی شاعری پر یقین نہیں آیا، وہ اس لئے کہ آپ ان لوگوں کی نظر میں شاعر نہیں بلکہ ایک نثر نگار مولف وادیب اور کسی کی نظر میں ایک رہنما یا قائد ہیں"

دیگر خدمات

آج سن ۲۰۰۸ء سے کوئی نو دس سال پہلے کی بات تھی کے ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی کوشش کے نتیجے میں جمعیۃ البر الخیر یہ جدہ نے سعودی عرب میں رہائش پذیر روہنگیا برادری کے علاج ومعالجہ کے لئے ایک چھوٹے سے شفاخانہ (مستوصف) کی منظوری دی، اور حارۃ البرماویین کیلو اربعہ عشر جدہ میں ایک کرایہ کے مکان میں اس کی ابتداء کی گئی تھی، جمعیۃ نے مکان کا کرایہ ایک ڈاکٹر اور ایک نرس کی منظوری تو دی، لیکن بقیہ مصاریف جن میں ضروری اور بنیادی ادویات قابل ذکر ہیں کی فراہمی کے لئے یہاں رہائش پذیر روہنگیا برادری نے ایک انجمن کی تشکیل کی، جس کا کام ضروری ادویات کے بندوبست کے علاوہ شفاخانہ کی دیکھبال اور دیگر ضروریات کو پورا کرنا تھا، اسی انجمن میں ہمارے ممدوح جناب شبیر احمد صاحب ارباب بست وکشاد میں سے ایک تھے، بعد میں

ان کی کوشش اور تگ ودو کو سراہتے ہوئے انجمن کے دیگر اراکین نے ان سے درخواست کی کہ وہ باضابطہ اور مستقل طور پر اس انجمن کے تحت چلنے والے اس شفاخانہ کی خدمات کے لئے وقف ہو جائیں، تو انہوں نے اس امید پر کہ ایک تو یہ ایک شفاخانہ ہے، جہاں ایک طرف مصیبت زدوں، پریشان حالوں اور بیکسوں کے علاج ومعالجہ کی صورت میں انسانیت کی خدمات ہو سکیں گی تو دوسری طرف اس انجمن کے زیر سائے بعض دیگر دینی، ملی، سماجی، انسانی اور قومی خدمات کی انجام دہی بھی ممکن ہو گی، تو انہوں نے انجمن کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس راہ پر اپنے آپ کو قربان کر دیا، اور عزم کر لیا کہ بقیہ زندگی ملی، قومی اور انسانی خدمات میں گزار دیں گے، یوں انہوں نے سالوں تک اس انجمن کے زیر سائے اس شفاخانے کی خدمات کے ساتھ دیگر قومی، دینی، سماجی اور رفاہی خدمات میں اپنی زندگی وقف کر دی تھی، جب تک ان کی طاقت اور قوت نے وفا کی، تب تک ان خدمات سے پیچھے منہ نہیں موڑا، اس شفاخانہ اور انجمن کے متعلق میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے ایک بیان یوں دیا کہ:

> ''مولانا صاحب! مجھے اس شفاخانہ کے تحت انسانی خدمات اور اس انجمن کے تحت دیگر ملی، قومی، سماجی اور انسانی کاموں میں شرکت بہت پسند ہے، میں سالوں سے اس قسم کی خدمات میں اپنی زندگی لگا دینا چاہا، اور اللہ تعالی سے دعا بھی کرتا رہا کہ اللہ میاں مجھے انسانیت کی خدمات کے لئے کوئی راستہ فراہم کر دے، چنانچہ دعا قبول ہوئی اور راستہ نکل آیا، آج کل میں اس کام میں بہت مطمئن اور پرسکون ہوں، شکر ہے کہ اللہ تعالی نے محمد جیسے گہنگار کو ایسی خدمات کی توفیق عنایت کی ہے، ساتھ ہی ساتھ انجمن کے اراکین کا شکر گزار بھی ہوں کہ انہوں نے مجھے ان خدمات کے لئے دعوت دی تھی، اور ایسی خدمات کی انجام دہی کے لئے ان کی نظر انتخاب جو مجھ پر پڑی، اس پر میں بہت خوش ہوں، اور آپ دعا کرنا کہ اللہ تعالی میری ان خدمات کو شرف قبولیت عطا کرے''۔

بعد میں موصوف کو ان خدمات کے میدان میں متنوع پریشانیاں بھی اٹھانی پڑی تھیں، حتی کہ بعض حضرات نے یہاں تک کوشش کی کہ ان کو ان خدمات سے علیحدہ کر دیا جائے، ان کے کاموں میں رکاوٹ بھی ڈالی گئی تھی، بعض مواقع پر سب وشتم بھی کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے بڑے صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا، اور ان خدمات کو اپنے دین، قوم اور انسانیت کی خدمات سمجھ کر پروگرام کو آگے لے جانے میں کبھی

بھی کوتاہی نہیں کی، اس طرح سن ۲۰۰۸ء کے اواخر تک وہ اپنے کام میں مگن رہے، چنانچہ جب ان کی آنکھیں جاتی رہیں تو ایک روز راقم سے کہا کہ:

> ''جناب من! آج کل کام کرنے میں بڑی پریشانی ہو رہی ہے، کیوں کہ یہاں لکھنے پڑھنے کا جو کام ہے وہ مجھ سے نہیں ہو پا رہا ہے، میری آنکھیں جواب دے بیٹھی ہیں، چھوٹے چھوٹے حروف تو کجا بڑے بڑے الفاظ بھی دیکھائی نہیں دیتے ہیں، ممکن ہے کہ زندگی کے آخری دم تک میں اس کام میں نہیں رہنے پاؤں گا''۔

چنانچہ ہوا بھی ویسا، اس گفتگو کے چند روز بعد انہوں نے اس ذمے داری سے استعفی دے دیا، اور یہ خدمات ان کی زندگی کی آخری خدمات ثابت ہوئیں، اس کے بعد وہ دیگر کوئی کام نہ کر سکے۔

شبیر احمد صاحب بڑے پرسکون مزاج کے آدمی تھے، کسی کو نہ پریشان کرتے اور نہ کسی سے پریشان ہونا چاہتے تھے، شور وغل سے گویا ان کو نفرت تھی، ظاہر ہے کہ شفانہ ایک عوامی جگہ ہے، جہاں قسموں کے لوگ آتے جاتے ہیں، یہاں مرد، عوت، بوڑھے، بچے، جوان اور نوجوان آیا کرتے ہیں، پھر بیماریوں کی وجہ سے لوگوں کی طبیعتیں چڑچڑی ہو جاتی ہیں، لیکن موصوف سب بیماروں سے محبت اور آشتی کے ساتھ ملتے اور سب کو مطمئن رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے، ان کے پرسکون مزاج کے حوالے سے ایک بات یاد آ گئی ہے، چلتے چلتے وہ بھی بتا دیتا ہوں کہ ایک روز میں نے جناب مرحوم سلطان احمد شقدار فاروی (سابق جی آر روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورسس (RIF) سے پوچھا کہ آپ تو شقدار فارہ کے آدمی ہیں، ظاہر ہے کہ آپ شبیر احمد صاحب کو ان کے لڑکپن سے دیکھ رہے ہیں، علاوہ ازیں ان کے والدین اور دیگر رشتہ داروں کو قریب سے دیکھے ہوں گے، آپ نے موصوف میں قابل توجہ کون سی چیز دیکھی؟ جواب میں انہوں نے فرمایا کہ:

> ''میں شبو (شبیر احمد) کے والدین اور اس کے دیگر اقرباء کو جانتا ہوں، ان کے والد اظہار میاں مرحوم پی ڈبلیو (PW) کی گاڑی کا ڈرایور تھا، وہ بڑا ہی پرسکون آدمی تھا، نہ کسی سے الجھتا اور نہ کسی کو الجھاتا تھا، سر جھکائے چلنے والا بردوبار قسم کا آدمی تھا، شبو کو میں نے اس کے والد کی طرح ایک پرسکون انسان پایا، اس کے اندر صبر وتحمل اور قوت برداشت کی صفات قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں، وہ اپنی خوشی سے زیادہ دوسروں کی خوشیوں کے لئے مر مٹنے والا تھا اور ہے، وہ اپنے لئے نہیں بلکہ

دوسروں کے لئے جینا پسند کرتا ہے‘‘۔

جہاں تک میں نے دیکھا کہ شفا خانے میں بعض حضرات موصوف کو پریشان کرنے، ان کے دل توڑنے، یا کسی پریشانی میں الجھانے کے لئے آیا کرتے تھے، مگر وہ سب ان کے صبر وتحمل اور قوت برداشت کے سامنے ہار ماننے پر مجبور ہو جاتے تھے، بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو آدمی ان کا دل توڑنے آیا تھا، وہ خود دل جوڑ کے چلا گیا۔

بعض احباب کی نظر میں

راقم سطور کے علم کی حد تک جناب شبیر احمد صاحب کو بے لاگ محبت کرنے والے، ان کو بے لوث خدمت کرنے والوں کی ایک بڑی تعداد سعودی میں عرب میں پائے جاتے تھے، جن میں ایک آدمی جناب محمد ادریس بن دین محمد ندا خالوی مقیم حال یوسف فارہ، کیلو اربعة عشر جدہ بھی ہے(۱) کم سے کم ۲۰۰۵ء سے موصوف کے انتقال تک جہاں تک میں نے ادریس بھائی کو دیکھا، اسے موصوف پر فدا ہی دیکھا، یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ شبیر احمد صاحب ایک بے گھر آدمی تھے، سعودی عرب میں اقامت کے دوران وہ اپنے کھانے خود پکایا کرتے تھے، اور لوگوں کی کسی خدمت کے منتظر بھی نہ تھے، ان کا مزاج ہی ایسا تھا کہ ہر کسی کی دعوت نہ قبول کرتے اور نہ ہی ان کو ہر کس و ناکس کی دعوت پر جانا پسند تھا، انہی اگر پکا یقین ہو جاتا کہ فلاں آدمی ان کو دل سے چاہتا ہے تو دعوت دینے پر وہ خوشی خوشی سے قبول کرتے تھے، چنانچہ ادریس بھائی جب بھی ان کو گھر بلاتا تو وہ خوشی خوشی سے قبول کرتے ہوئے اس کے گھر جاتے تھے، اس کے گھر میں پکائے گئے کھانے بہت پسند کرتے تھے، موصوف نے راقم سطور سے ایک سے زیادہ مرتبہ کہا کہ:

(۱) ادریس بھائی اپنی برادری سے بہت ہی محبت رکھنے والا آدمی ہے، ارکان کے مظلوم مسلمانوں کی بہبودی اور فلاح کے حوالے سے ہونے والے کسی بھی کام میں پیش پیش رہتا ہے، جہاد اسلامی اور تحریک ملک وقوم کے حوالے سے کام کرنے والی ہر ایک ارکانی جماعت سے تعاون کرتا ہے، ان کے اندر نہ کوئی عصبیت ہے اور نہ تکبر، بڑا دلدار، انصاف پسند اور فلاح واصلاح چاہنے والا آدمی ہے، اللہ تعالی اس کی حیات دراز فرمائے۔

’’جہاں تک میں جانتا ہوں کہ ادریس بھائی مجھے دل سے محبت کرتا ہے، اسی لئے میں اس کی دعوت اور اس کی کسی بھی جائز فرمائش کو نہیں ٹھکراتا، وہ بڑا مخلص اور بے لاگ محبت کرنے والا آدمی ہے، اللہ تعالی اس کو جزائے خیر دے‘‘۔

میں نے شبیر احمد صاحب کے انتقال کے بعد باتوں باتوں میں ادریس صاحب سے پوچھا کہ: برادر من! جہاں تک میرے دیکھنے سننے کا تعلق ہے اس کی بنیاد پر بھی اور خود شبیر احمد صاحب کی زبانی بیان کے حوالے سے بھی مجھے یقین سا ہو چلا ہے کہ آپ نے مرحوم کی بڑی خدمت کی اور انہیں محبت کرنے میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی تھی، اب بتایئے کہ ان کی ذات وشخصیت میں وہ کون سی چیز تھی، جس کی بنیاد پر آپ نے ان کو اتنی محبت کی نظر سے دیکھا تھا؟ جواب میں بولا:

’’جناب مولانا صاحب! میں ایک غیر مثقف آدمی ہوں، چنانچہ مجھے بعض لوگ ایک جاہل ہونے کی نظروں سے دیکھتے ہیں، جس پر مجھے کوئی بھی شکایت نہیں ہے، لیکن قوم کیا چیز ہے اور وطن کی حقیقت کیا ہے اس سے میں قطعاً ناواقف تھا، قوم کی حقیقت اور وطن کا معنی جتنا بھی سمجھا بس شبیر احمد صاحب کی آواز ہی سے سمجھا ہوں، میرے دل کی گہرائیوں میں وطن کی محبت تھی یا نہیں، میں نہیں جانتا ہوں، انہوں نے میرے دل کے دروازے پر وطن کے حوالے سے اپنی مدھور آواز کے ذریعے دستک دی، اور مجھے احساس دلایا کہ وطن کے بغیر ایک انسان کی زندگی بے معنی کی زندگی ہوا کرتی ہے، وطن کے بغیر کسی بھی انسان کا اس دنیا میں جینا کوئی جینا نہیں ہے، یوں وطن کی محبت کے حوالے سے وہ میرے استاد تھے، اگر ان کی آواز نہ ہوئی ہوتی تو میں وطن کی محبت سے ناآشنا ہی ہوتا، اس حیثیت وہ میرے ایک عظیم محسن ہیں، پھر دوسری وجہ ان سے محبت کرنے کی یہی ہے کہ میں نے زندگی میں بہت سارے گلوکاروں کی آوازیں سنیں، مگر ان کی جیسی آواز میں نے کہیں نہ سن پائی تھی، میرے وطن کے گلوکاروں کی آواز تو دور کی بات، پاک وہند اور بنگال کے گلوکاروں کی آواز میں بھی وہی کشش میرے لئے نہ تھی، جو مرحوم کی آواز میں تھی، جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے وطن کے ایک عظیم ہیرو تھے، نہ جانے انہوں نے میرے جیسے کتنے جوانوں اور نوجوانوں کو خواب غفلت سے جگایا ہوگا، انہیں

احساس دلایا ہوگا کہ جاگو اور وطن کے حق میں کام کرو، وطن کے بغیر زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، پھر تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ میری نظر میں ایک اخلاقی فضیلت کے حامل انسان تھے، بردوبار اور حلیم الطبع، قوم وملک کی بہبودی کے لئے کام کرنے والے، رفاہ عام میں بھر پور حصہ لینے والے تھے، میں نے جہاں تک ان کو دیکھا ایک اخلاقی فضیلت کے حامل انسان دیکھا تھا، اخلاقی نقطۂ نظر سے ان میں وہ کوئی برائی نظر نہیں تھی، جس کی بنیاد پر اخلاق کے حوالے سے ان پر انگلی اٹھائی جاسکے"۔

شبیر احمد صاحب کو دل سے چاہنے والوں میں ایک آدمی ابوالفیاض بن عبدالجلیل مرحوم شقدارفاروی بھی تھا، (۱) جہاں تک راقم سطور کے علم کا تعلق ہے کہ اس نے موصوف کی بڑی بے لاگ خدمت کی تھی، اس نے ہر دکھ سکھ میں ان کا ساتھ دیا تھا، اور شبیر احمد صاحب بھی اس کو بہت پسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ابوالفیاض کا دل بہت وسیع ہے، وہ مجھے بہت پسند کرتا ہے اور میں بھی اسے بہت پسند کرتا ہوں، کوئی بھی پریشانی موصوف کو لاحق ہوجاتی تو فورا ابوالفیاض کو بلاتے اور اس کے نیک مشوروں سے محظوظ ہوتے تھے، شبیر صاحب کے انتقال پر میں نے ابوالفیاض صاحب کو بہت پریشان اور سہمے ہوئے دیکھا، جب بھی اس کے سامنے مرحوم کی یاد کی جاتی، ان کی آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں، اور کبھی کبھار پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے، وہ بڑا دلدار اور عشق ومحبت سے بھرا آدمی تھا، میں نے ان سے شبیر صاحب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ایک طویل بیان دیا تھا، جس سے کچھ باتیں یہ ہیں کہ:

"شبیر احمد صاحب کے والد کا نام اظہار میاں اور دادا کا نام عبدالخالق مزی تھا، ان کے والد صاحب بہت نیک آدمی تھے، اور دادا تو ایک چلتا پھرتا فرشتہ تھا، جو نمازی اور موذن تھا، غرض ان کا دادا بڑا دین دار اور پرہیزگار آدمی تھا، ۱۹۶۷ء سے میں شبیر احمد صاحب کو قریب سے دیکھتا ہی رہا، جب میری عمر صرف سات سال تھی، تب سے میں

(۱) ابوالفیاض صاحب کی ولادت ۱۹۶۰ء میں جنوبی منگڈو کی بستی قادربیل میں ہوئی، والد کے انتقال کے بعد وہ اپنی والدہ کے ساتھ اس کی نانہال شقدارفارہ منگڈو آئے، جہاں ان کا نشوونما ہوا، بعد میں سعودی عرب چلے گئے، جہاں ان کی شادی خانہ آبادی ہوئی، ماشاء اللہ چند بچے بچیوں کے والد تھے، وہ میرے قریبی دوست اور مجھے نہایت چاہنے والوں میں سے تھے، ان کا انتقال دل کے دورہ پڑنے کی وجہ سے ۲۰۱۳ء میں ہوا، جدہ کی قبرستان میں مدفون ہیں۔

ان کے قریب کا آدمی رہا، میں نے ان کو کسی اللہ کے بندے کی برائی کرتے ہوئے نہیں دیکھا، زندگی میں انہوں نے کسی کو نہ تکلیف پہنچائی اور نہ ہی کسی کی توہین کی، وہ غریبوں سے محبت کرنے والے انسان تھے، ان کو لالچ دے کر خریدنے کی کوشش بہتوں نے کی، مگر وہ لالچی نہ تھے، وہ جب وطن چھوڑ رہے تھے تب گاؤں اور علاقہ کے چاہنے والے بڑے پریشان ہو گئے تھے، اس دوران دوستوں اور احباب کی آنکھیں اشکبار تھیں، وطن کے لوگ انہیں بہت پسند کرتے تھے، کیوں نہیں وہ تو ہر دل عزیز انسان تھے، وطن اور وطن کے لوگوں کو بہت پیار کرتے تھے، وطن واپس جانے اور وطن کی مٹی میں دفن ہونے کے متمنی تھے، مگر اللہ کی مرضی ویسی نہ تھی کہ آج خاک کیلوار بعہ عشر میں مدفون ہیں، وہ مرض وفات کی حالت میں کہا کرتے تھے کہ وطن کے دوست احباب سے مل پاؤں تو شاید مرض ہی ختم ہوجائے، وطن کی باتیں کرتے تو ان کی آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں، بڑی جری اور پختہ ایمان کے آدمی تھے، کمزور دل اور کمزور ایمان ویقین والوں کو وہ انسان بھی نہیں سمجھتے تھے، کسی کا دل توڑنا ان کی فطرت میں نہ تھا، بخیل اور کنجوس لوگوں سے دور رہتے اور بخیلی اور کنجوسی ان کی فطرت میں نہ تھی، وہ دنیا میں جب تک تھے دل کھول کر دلداروں اور دل والوں کی طرح رہے تھے، بڑے بلند اخلاق اور نظافت پسند آدمی تھے، بزدلی ان کو چھوکر بھی نہیں گزری، وہ بڑے شوقین اور اپنی عزت کا خیال کرنے والے تھے، اس آدمی کی دعوت قبول کرتے جو اسے دل سے پسند کرتے ہو، چلتے تو بڑے وقار کے ساتھ چلتے، گفتگو کرتے تو سوچ سمجھ کر کرتے تھے، جناب شیخ احمد صاحب فرانفوری ان کو بہت پسند کرنے اور چاہنے والا لے ہیں، انہوں نے ان کی بہت ہی خدمت کی تھی، انہوں نے اس حوالے سے دوستوں اور بعض احباب کے تیر سہے، شبیر احمد صاحب کی ایک عادت یہ تھی کہ وہ کسی دکان میں مال خریدنے گھستے تو ایک قیمت پر خریدا کرتے تھے، پھلوں میں ان کا سب سے پیارا پھل پپیتا تھا، ہدیہ میں اگر کوئی پپیتا لاتا تو وہ بڑے خوش ہوتے تھے، مرض الموت میں انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں، انتقال پر تجہیز وتکفین کے بعد جب لایا گیا تو میں

نے دیکھا کہ ان کا چہرہ چمک رہا تھا، اور منہ میں ہنسی پھوٹ رہی تھی، اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور اگر کوئی لغزش ہوگئی تو معاف فرمائے، آمین"۔

پھر اسی طرح ابوالفیاض صاحب نے راقم سطور سے ایک مجلس میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ:

"شبیر احمد صاحب شہرت کی دہلیز پر قدم رکھ رہے تو اچھے اچھے گھرانے سے شادی کے لئے پیغام آرہے تھے، مگر انہوں نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میرے ماں جس پر راضی ہوں گی، میں بھی اس پر راضی ہوں گا، البتہ اس سلسلے میں بلی بازار کی بستی میانجا نفور سے ایک پیغام آیا تھا، جس پر ان کے والدین بھی راضی تھے، مگر بعض ناقابل بیان وجوہات کی بنیاد پر وہ بھی کام نہ آیا، جس پر وہ زندگی بھر افسوس کرتے رہے تھے، وہ عزت شکنی سے بہت ہی ڈرتے تھے، اگر کسی امور میں وہ اپنی عزت شکنی کا خطرہ دیکھتے تو جلد پیچھے ہٹ جایا کرتے تھے، وہ لوگوں سے بڑی محبت کرتے تھے، خاص طور پر ناداروں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے، اور لوگوں کی محبت اور دعائیں لینے کو بہت پسند کرتے تھے، مریچہ بل بوسید نگ میں ان کا ایک جگری دوست تھا، جس کا نام فیاض تھا، جو آج کل مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہے، موصوف مع احباب ان کی شادی میں گانے کے لئے گئے تھے، وہاں ایک سن رسیدہ آدمی نے ان کو بہت دعائیں دیں اور سینے سے لگایا، موصوف کہا کرتے تھے کہ مریچہ بیل والے بوڑھے نے میری کامیابی اور کامرانی کے لئے جو دعائیں دیں وہ زندگی بھر یاد رہیں گی، اور میں جہاں تک جانتا ہوں کہ مکہ مکرمہ کے دو حضرات ان کے لئے گویا پروانے جیسے تھے، ان میں سے ایک کا نام بشیر احمد اور دوسرے کا نام عبدالرحیم تھا، بشیر احمد کا تعلق بلی بازار سے ہے جو آج کل جروال میں مقیم ہے، موصوف جب بھی مکہ مکرمہ جاتے، ان سے ملاقات کئے بغیر نہیں آتے تھے، یہاں جدہ میں شیخ احمد، محمد جوہر، محمد ادریس اور کالافوتو (کراٹے) سب کے سب موصوف کو دل سے چاہنے والوں میں سے ہیں، اسی طرح وطن میں میں نے جہاں تک دیکھا کہ لوگ ان پر فدا تھے، اور خواتین ان پر جان چھڑکنے کے لئے تیار تھیں، ان سے محبت کرنے والوں میں وطن میں کوئی کمی نہیں تھی، خاص طور پر اسحاق رواسوگری علی

تانجوی، نیلا حسین شقدار فاروی، نور عالم شقدار فاروی مقیم حال رنگون، محمد زکریا شقدار فاروی، کالو بن محمد حسین شقدار فاروی، محمد قاسم برادر جناب ماسٹر نور الزمان شقدار فاروی، محمد امین بن ناسوداروغہ شقدار فاروی، محمد نبیہ مگنی فاروی (شاعر) یہ سب موصوف کے قریبی دوستوں میں سے تھے، وہ اپنے میکانیکل استاد بدیع الزمان شقدار فاروی مرحوم کو بہت محبت اور عزت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس آدمی نے مجھے عزت سے جینا سکھایا ہے، انہوں نے اس فن میں کامیاب تلمیذ بنا کر مجھے زندگی میں محتاجی سے بچایا ہے، موصوف بڑے دل جلے آدمی تھے، لوگوں کی دکھ سکھ میں شرکت گویا ان کی فطرت تھی، اللہ تعالی ان کی مغفرت فرمائے"۔

بھائی محمد ادریس نندا خالوی اور ابوالفیاض شقدار فاروی کی طرح جناب محمد جوہر شقدار فاروی بن دلیل الرحمن (۱) نے بھی شبیر احمد صاحب کی بڑی خدمت کی تھی، میں نے جہاں تک دیکھا کہ وہ موصوف کو ہمیشہ اپنے والد یا بڑے بزرگ بھائی کی نظر سے دیکھتا رہا تھا، خاص طور پر دوران علالت ان کی خدمت کرنے میں کسی قسم کی کسر باقی نہیں رکھی تھی، گھر میں اگر موصوف کے من پسند کے کھانے پکتے تو وہ موصوف کے وہاں ضرور پہنچایا کرتے تھے، ایک روز میں نے محمد جوہر سے پوچھا کہ آپ شبیر صاحب کو بہت پسند کرتے تھے، آخر اس کی وجہ کیا تھی؟ تو اس نے بتایا کہ:

"بچپن سے میں شبیر احمد صاحب کو دیکھ رہا تھا، میں نے ان کو ایک نظافت پسند، ہر دل عزیز اور لوگوں کے لئے قربان جانے والا پایا ہوں، کسی آدمی کے دل میں دکھ پہنچانا وہ جانتے ہی نہ تھے، زندگی میں ان سے کوئی تکلیف مجھے نہیں پہنچی، جو انسان اپنی خوشی سے زیادہ غیروں کی خوشی پر قربان جا سکتا ہے، میری نظر میں اس سے بڑا، اور اس سے اچھا انسان کون ہو سکتا ہے، وہ غیروں کے دکھ درد میں شریک ہونے والے تھے، جتنا بھی ان سے ہو سکتا تھا وہ لوگوں کے لئے کر ہی جاتے تھے، بڑے دل کے مالک انسان تھے، وہ دل داروں اور دل والوں کے سردار تھے، وہ ہمیشہ لوگوں کے شکر گزار

---

(۱) محمد جوہر بن دلیل الرحمن ۱۹۶۱ء میں شقدار فارہ منگڈو میں پیدا ہوئے، وہ بچپن سے شبیر احمد صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے تھے، آج کل کیلوار بعۃ عشر میں مع اہل خانہ مقیم ہیں، بڑے ٹھنڈے مزاج کے انسان ہیں۔

تھے، کوئی آدمی اگر ان کو تکلیف پہنچاتا تو اسے معاف کر دیتے تھے، کسی سے بدلہ لینے کا مزاج ان میں نہیں تھا، وہ دوسروں کے عیوب کو چھپانے کے بڑے ماہر تھے، ان کی شخصیت میں جاذبیت تھی، ان کی آواز میں مدھور پن اور ساز میں کشش تھی، وطن کے اجڑے چمن کے حوالے سے جو نغمے انہوں نے گائے، ان میں زندگی اور حرارت ہے، ایک سوئے ہوئے انسان کو بیدار کرنے کے لئے میرے خیال میں وہ کافی ہیں، میں اپنی زندگی میں ان کو کبھی بھلا سکا اور نہ کبھی بھلا سکوں گا''۔

علالت اور انتقال

شبیر احمد صاحب انتقال سے تقریبا پندرہ سولہ سال پہلے مرض ذیابیطس میں مبتلا ہو چکے تھے، انہوں نے بتایا کہ اس مرض کی ابتداء میں ڈاکٹروں کے کہنے کے باوجود میں نے بہت کم پرہیز کیا، تب جوانی تھی، اور جسم میں توانائی تھی، یہی لگتا تھا کہ مرض مجھے زیر نہ کر سکے گا، مگر چند سال گزرتے نہ گزرتے مرض نے مجھے زیر کر کے رکھ دیا، اور اب تو ہل چکا ہوں، اللہ جانے زندگی اور کتنے دن باقی ہے۔

ذیابیطس کی وجہ سے ان کی ایک آنکھ بہت سال پہلے جاتی رہی، وقت کے ساتھ ساتھ دوسری آنکھ پر بھی اس کے اثرات آتے رہے، ۲۰۰۵ء تک دوسری آنکھ کام کرتی تھی، اس کے بعد بہت جلد بنائی جاتی رہی، انہوں نے ایک روز مجھے بتایا کہ جناب من! اب آنکھوں کا علاج بہت ضروری ہے، ورنہ خدشہ ہے کہ وہ دن دور نہیں ہے کہ پہلی آنکھ کے ساتھ دوسری آنکھ بھی ہمیشہ کے لئے بنائی سے محروم ہو جائے گی، ایک طرف ذیابیطس کی شدت، مزید برآں ہائی بلڈ پریشر کا دباؤ، اب میرے ساتھ دوسرے احباب کو بھی فکر لاحق ہوئی کہ اس حالت میں میری جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔

اب ان کے حالات کے پیش نظر محمد طاہر کھاری فاروی جو اس وقت ھیئۃ الاغاثۃ العالمیہ جدہ کے مرکزی دفتر میں کام کرتے تھے سے مشورہ کیا تو وہ آگے بڑھے، اور ایک دوست مولوی عبدالحق صاحب کی معرفت سے ان کو علاج کرانے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

مولوی موصوف نے بڑی کوشش اور بہت تگ ودو سے ان کے علاج کے لئے کام کیا، پہلے آنکھوں کا معاینہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلی آنکھ ہمیشہ کے لئے بنائی سے محروم ہوگئی ہے، اس کا علاج کرنا اور نہ

کرنا برابر ہے، آپریشن سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، البتہ دوسری آنکھ پر اگر لیزر کے ذریعے آپریشن کر دیا جائے تو بینائی لوٹنے کی امید ہے، اب ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق دوسری آنکھ پر لیزر آپریشن کر دیا گیا، مگر کامیاب نہ ہوا، بلکہ لیزر کی وجہ سے بینائی لوٹنے کے بجائے مزید کم ہوگئی تھی، اس سلسلے میں راقم السطور نے بہت کوشش کی مگر کام کچھ بھی نہ ہوا، بالآخر مولوی عبدالحق اور طاہر صاحب سے مل کر مستشفی المغربی (جو جدہ میں آنکھوں کا خاص شفاخانہ ہے) کے ڈاکٹروں سے معاینہ کرایا گیا، مگر وہاں بھی ہزاروں کوششوں کے باوجود کام کچھ بھی نہ ہوا، اس وقت سب سے بڑی بات یہ ہوئی تھی کہ ادھر آنکھوں کے حوالے سے کوششیں چلتی رہیں ادھر ان کی طبیعی حالت آئے دن بگڑتی جا رہی تھی، آخر اس پس وپیش میں راقم کو بنگلا دیش جانا پڑا تھا۔

بنگلا دیش کے اس سفر میں تین مہینے گزر گئے، وہیں ایک روز اچانک ایک ٹیلیفون ملا، فون موصوف کی بہن لالہ کی طرف سے تھا، فون اٹھایا تو وہ رو رہی تھی، میں نے سبب پوچھا تو بتائی کہ کل جدہ سے خبر موصول ہوئی کہ شبیر احمد صاحب شدید مرض میں مبتلا ہیں، اور ڈاکٹروں نے بتایا کہ ان کے دونوں گردے ناکارہ ہو چکے ہیں، اب میرے دل پر بجلی سا جھٹکا لگا، اور دل ہی دل میں کہہ رہا تھا کہ ممکن ہے کہ شبیر صاحب بس چند دن کے مہمان ہیں، اور ہوا بھی ایسا، چند روز کے بعد جدہ واپس آیا تو فوراً ان کی رہائش گاہ میں ملاقات کے لئے پہنچا، دیکھتا ہوں کہ پورے بدن پول سا گیا ہے، وہ آنکھوں سے محروم ہو چکے ہیں، اور چلنا پھرنا تو دور، ان کے لئے اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ہے، دیکھتے ہی میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، چند گھنٹے وہیں بیٹھ کر دعاؤں کے ساتھ اجازت لی۔

دوستوں نے اس مرض شدید کے حالات میں ان کا بہت ساتھ دیا تھا، مستشفی ملک عبدالعزیز میں باضابطہ علاج کرایا گیا، ویسے بہت دن گزر گئے، وقت کے ساتھ ان کی زندگی کا چراغ ٹمٹماتا چلا گیا، آخر کار انتقال سے کچھ دن پہلے مذکورہ ہسپتال میں ایمرجنسی میں داخل کرایا گیا، جو ان کا آخری معالجہ تھا۔

ابھی ان کو مستشفی ملک عبدالعزیز میں بھرتی کر دیا گیا تو ڈاکٹروں نے ایمرجنسی کے بطور علاج کرنا شروع کر دیا، دو ایک روز کے بعد مجھے ابوالفیاض شقدار فاروی نے بتایا کہ مولانا! شبیر احمد صاحب ہسپتال سے بقید حیات نکلنے والے معلوم نہیں ہوتے، حالت ایسی ہے کہ آپ سنیں گے کہ وہ اب دنیا میں نہیں ہیں، اس ہسپتال میں بھرتی کے چند دن بعد محمد طاہر کھاری فاروی نے خبر دی کہ شبیر صاحب اب چند لمحوں یا گھنٹوں کے مہمان نظر آتے ہیں، ویسے چند گھنٹے بھی گزرنے نہ پائے کہ میں اپنے ایک

قریبی ساتھی کی گاڑی پر سوار ہوکر شہر کو جارہا تھا کہ اچانک محمد طاہر صاحب نے ٹیلیفون پر اطلاع دی کہ موصوف اب اس دنیا میں نہیں ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

۱۹/ نومبر/ ۲۰۰۹ء بمطابق ۳/ ذی الحجہ/ ۱۴۳۱ھ بروز جمعرات ساڑھے نو بجے رات کو ارکان کے معروف اور مایۂ ناز گلوکار جناب شبیر صاحب کا انتقال ہوگیا، انتقال کی خبر سنی تو دل میں ایک جھٹکا سا محسوس ہوا، ان کے حوالے سے ماضی کی بعض سنہری یادیں دل میں انگڑائیاں لینے لگیں، ان کے بعض اقوال وکردار پر خیالات دوڑنے لگے، دل کو یقین بھی نہیں آرہا تھا کہ آیا شبیر صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، مگر واقعہ تو یہی تھا کہ اب وہ اس دنیا سے کوچ کر کے چلے گئے ہیں، جس طرح تمام انسانوں کی تقدیر میں لکھی ہوئی ہوتی ہے، کل نفس ذائقۃ الموت کی حقیقت تو بناوٹ نہ تھی اور نہ بناوٹ ہوسکتی ہے، اب اس کلیہ کے مطابق شبیر صاحب بھی اس دنیا سے موت کا پیالہ پی کر چلے گئے ہیں، یہ تو کوئی تعجب کی بات نہیں، ہرایک انسان کو ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے، آج وہ نہیں رہے، کل مجھے بھی جانا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہرایک کو آخرت کے لئے زادسفر تیار کرنے کی توفیق عطا کریں، آمین یارب العالمین۔

شفیق الرحمن صاحب، میجر جنرل سیندنگی

میجر جنرل جناب شفیق الرحمن صاحب ۱۹۱۷ء میں بوسیدنگ کی بستی سیندنگ میں ایک دیندار اور پرہیز گار گھرانے پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب ایک متقی اور دین دار ہونے کے ساتھ علمائے دین سے خاص لگاؤ رکھنے والا آدمی تھے، اوراطلاع کے مطابق ان کی والدہ بھی نہایت خداترس خاتون تھی۔

شفیق الرحمن صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم اپنی بستی کے مکتب میں پائی، کہتے ہیں کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت بڑی خوش آواز سے کرتے تھے، اللہ تعالی نے آپ کے اندر جذبۂ جہاد کو کوٹ کوٹ بھر دیا تھا، جہاد ان کا سب سے پیارا کام تھا، وہ ۱۹۴۲ء کے معرکہ میں بھی پیچھے نہیں تھے، وہ ۱۹۴۷ء کے بعد محمد جعفر حسین قوال کی جماعت ''جہاد کونسل'' میں شامل ہوئے، جہاں انہوں نے باضابطہ عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے مگھ بری دشمن کو پیچھے ہٹنے میں مجبور کیا تھا۔

۱۹۴۹ء میں جناب شفیق الرحمن صاحب کو بڑی بڑی خدمات کے صلے میں میجر جنرل کا خطاب ملا، واقعہ یہ ہے کہ وہ حقیقت میں ایک جان فروش مجاہد فی سبیل اللہ تھے، محمد جعفر حسین قوال اور محمد عباس کے ادوار قیادت میں انہوں نے میدان جہاد وکفاح میں بڑے بڑے کارنامے دکھائے تھے، وہ جناب صالح احمد صاحب فقیروی کے بڑے قریبی دوستوں میں تھے، امیر کی اطاعت کے حوالے سے وہ بڑے مشہور تھے، اگر امیر کا حکم ان کی رائے کے خلاف ہو تو بھی وہ تعمیل حکم میں کسی قسم کے پس وپیش نہیں کرتے تھے، وہ ہروقت اطاعتِ امیر پر زور دیا کرتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ علمائے کرام کی صحبت کو ایک مسلمان کے لئے بہت ضروری سمجھتے تھے، اس لئے وہ جماعت میں علمائے کرام کی شمولیت پر بہت زور دیتے تھے، علماء سے محبت ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، اگر کسی کو علمائے کرام سے نفرت کرتے ہوئے دیکھتے تو اسے ڈھانٹتے ہوئے کہتے تھے کہ تم جتنا بڑا بھی کیوں نہیں ہو مگر تمہاری حیثیت علمائے کرام کے قدموں کے دھول سے بڑھ کر نہیں۔

اللہ تعالی کے اس مجاہد بندہ نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے، اور دنیا کو یہ دکھادیا کہ ایک مجاہد کو کسی بھی قیمت پر اپنے مقصد سے منہ نہیں موڑنا چاہئے، انہوں نے اپنی زندگی کو راہ خدا میں صرف کرتے ہوئے ۱۹۶۱ء کے ایک معرکہ میں شہادت حاصل کی، اللہ تعالی شہید کی قبر پر باران رحمت برسائے، آمین۔

شمس الدین احمد صاحب،اڈووکٹ،سیاسی،مصنف،اکیابی

جناب اڈووکٹ شمس الدین احمد بن ممتاز الدین صاحب ۱۰/مئی/۱۹۱۷ء میں ایک روایت کے مطابق پکتلی (ممبرا) میں جب کہ دوسری روایت کے مطابق اکیاب کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے،آپ کے والد جناب ممتاز الدین صاحب مرحوم قومی و ملی غیرت ونخوت کے حوالے سے بہت معروف ومشہور تھے،ساتھ ساتھ مسلم طلباء کی تعلیم کے لئے ہمیشہ کوشاں تھے،اس سلسلے میں انہوں نے بڑی بڑی کوششیں کی تھیں،وہ مسلم بچوں کے والدین کو منوا کر بچوں کی تعلیم کا بندوبست کیا کرتے تھے۔

جناب اڈووکٹ شمس الدین احمد صاحب کی ابتدائی،متوسطہ اور مٹرک کی تعلیم شہر اکیاب میں ہوئی، مٹرک پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان کا سفر کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی سے پہلے بی اے،پھر ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کر کے وطن واپس آئے۔

جناب اڈووکٹ شمس الدین احمد صاحب غضب کے ذہن وفطین طالب علم تھے،جہاں تک پتہ چلا کہ آپ طالب علمی کے زمانے میں بھی بہت مطالعہ کرتے تھے،ویسے آپ کی کثرت اطلاع کے متعلق ڈھیر ساری باتیں سننے میں آئیں،اگرچہ آپ کا موضوع قانون تھا،لیکن آپ بطور خاص تاریخ اور سیاسیات سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے،یوں بھی ایک قانون دان کے لئے سیاست اور تاریخ دانی نہایت اہمیت کی حامل ہوتی ہے،چنانچہ آپ نے اس حقیقت کو اچھی طرح پا لیا تھا۔

۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا سے پہلے جناب شمس الدین احمد صاحب نے قومی امور کے حوالے سے بڑی بڑی خدمات انجام دیں،اڈووکٹ خلیل الرحمن صاحب اپنی تاریخ ''تاریخ ارکان وبرما'' کی تصنیف کے دوران آپ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے،خلیل الرحمن صاحب کے مطابق شہزادہ شجاع کے متعلق اڈ ووکٹ شمس الدین احمد صاحب کے پاس خاصی مواد موجود تھیں،جن سے خلیل الرحمن صاحب نے خوب خوب استفادہ کیا تھا،جناب اڈووکٹ ناصر الدین پھوکائنگ آپ کے قریبی دوستوں میں شمار تھے۔

اڈووکٹ شمس الدین احمد صاحب نے اپنی مستعار زندگی میں اپنے علم وفن سے بہت ساری دینی، ملی، ثقافتی،سیاسی اور انقلابی خدمات انجام دیں،آپ ایک حساس مفکر اور زیرک سیاست دان تھے،آپ سیاست کے پیچ وخم سے واقف ہونے کے ساتھ ذہانت اور عالی ظرفی کے لئے بھی مشہور تھے۔

غالبا ۱۹۶۲ء کے بعد آپ نے ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں پناہ لی،اور ارکان کے حوالے سے

زیر زمین کام کرنے والوں کے ساتھ تعاون کرتے رہے،آپ سیاست وانقلاب کے حوالے سے بہت کچھ لکھنے کے قابل تھے،بطور خاص ۱۹۷۵ء میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تجدید ہوئی تو آپ نے دیکھا کہ ان انقلابیوں کے اندر سب سے بڑی کمزوری قیادت کی عدم صلاحیت اور دور اندیشی کی کمی ہے،چنانچہ ان چیزوں کو انقلابیوں کے اندر لانے کے لئے آپ نے کوششیں شروع کیں،چونکہ قائد تنظیم جناب محمد جعفر حبیب ایک زندہ دل لیڈر تھے،جب مذکورہ حقیقت کو اڈووکٹ صاحب کی طرف سے ان کے سامنے رکھا گیا تو انہوں نے فورا قبول کر لیا،اور اپنے چند ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ جناب شمس الدین احمد صاحب سے مستفید ہو کر اپنے مستقبل کے لئے تیاری کریں، چنانچہ اس سلسلے میں جناب نور الاسلام،اشرف عالم اور حبیب الرحمن سمیت چند ساتھیوں نے قائد کی بات مان لی،چنانچہ جناب شمس الدین احمد صاحب سے انہوں نے خوب خوب استفادہ کیا تھا۔

اس تربیت کے دوران محمد جعفر حبیب اور ان کے بعض رفقائے کار کی گزارش پر اڈووکٹ صاحب نے جناب نور الاسلام وغیرہ کے تعاون سے ایک کام یہ کیا کہ سرزمین ارکان کے مختصر حالات پر مشتمل انگریزی میں ایک کتاب لکھ دی،جو''روہنگیا مسلمانوں کی چیخ اور پکار اور مطالبات'' کے نام سے طبع ہو کر منظر عام پر آئی تھی۔(۱)

ہماری قومی وملکی سیاست کے تمام ارباب بست وکشاد اڈووکٹ صاحب کی سیاسی بصیرت،تاریخ دانی اور انگریزی زبان پر آپ کی قدرت کے معترف ہیں،اب بھی یہ کتاب میرے سامنے ہے، جسے پڑھنے کے بعد ان مذکورہ چیزوں پر اندازہ نہیں بلکہ یقین ہو جاتا ہے،محترم جناب نور الاسلام صاحب ہمیشہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ:

> ''جناب اڈووکٹ شمس الدین احمد صاحب ایک متوازن اور معتدل مزاج کے زیرک سیاست دان تھے،ہم نے ان کی سیاسی بصیرت اور فکری لیاقت واستعداد سے خاصے استفادہ کیا،وہ ہمارے سیاسی مربی اور استاد تھے،آج بھی ہم جو کچھ لکھتے

---

(۱) روہنگیا قومی تاریخ کے حوالے سے یہ کتاب مصدر کی حیثیت رکھتی ہے،سن ۲۰۱۹ء میں اس انگریزی دستاویزی کتاب کو میں نے اردو میں ترجمہ کیا،جس پر ایک مقدمہ کے ساتھ بعض ضروری حاشیے بھی لکھے،خدا کرے تو اول فرصت میں زیور طبع سے آراستہ کرنے کی امید ہے۔

ہیں، وہ دراصل ان کی رہین منت ہے، وہ انگریزی کے ادیب ہونے کے ساتھ نہایت قابل اور مستعد قانون دان تھے، ہماری شمولیت میں ان کی لکھی ہوئی یہ کتاب روہنگیا قومی تاریخ کے لئے ایک مصدر کی حیثیت رکھتی ہے‘‘۔

مذکورہ اس کتاب کے علاوہ موصوف کی اور ایک کتاب میری نظر سے گزری ہے جو مجھے مولانا محمد کبیر صاحب خواندنگی سے ملی تھی، جس کا نام: GLIMPES IN TO THE HISTORY OF THE BURMES AND CHINES MUSLIMS ہے، یہ کتاب اب بھی میری چھوٹی سی لائبریری کی زینت ہے، جس سے پتہ چلا ہے کہ تاریخ اور سیاسیات میں آپ کی نظر بہت وسیع تھی، من جملہ آپ کو برما اور ارکان کے علاوہ چین اور جنوبی مشرقی ایشیا کی تاریخ، ثقافت اور سیاسیات پر کافی عبور حاصل تھا، صرف زبان دانی کے حوالے سے کہا جائے تو مذکورہ دونوں کتابیں اس حوالے سے بین ثبوت ہیں۔

روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے علاوہ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے جناب اڈووکٹ شمس الدین صاحب کا رشتہ بہت گہرا تھا، چنانچہ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی سن ۲۰۰۰ء والی دستاویزی میگزین میں اس کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا ہے۔

ارکانی مسلمانوں کی ترقی، فلاح اور بہبود کے لئے اڈووکٹ صاحب نے اپنی زندگی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی، ارکانی سیاست دانوں، انقلابیوں اور ارکان کے مسلم طلباء کو جہاندیدہ بنانے اور قومی و ملی خدمات کے میدان میں آتارنے کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

ترک وطن کے بعد آپ نے مشرقی پاکستان کے مختلف مقامات میں وکالت کی، بنگلا دیش کی آزادی کے بعد وہ نہایت پریشان ہوگئے تھے، چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ پاکستان کی تقسیم نے میرے دل و دماغ کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، لیکن پھر بھی وہ مایوس بیٹھے ہوئے نہیں تھے، ہر حالت میں بنگلا دیش اور ارکان کی کامیابی کے لئے جدو جہد کرتے جاتے تھے۔

غرض ارکانی مسلمانوں کی تاریخ، سیاست، انقلاب وثقافت میں جناب اڈووکٹ شمس الدین احمد صاحب کی کوششوں کا گہرا اثر رہا ہے، اس حوالے سے آپ کی خدمات انشاء اللہ تعالی ہمیشہ زندہ رہیں گی، بالآخر آپ نے اپنی مستعار زندگی کو خدمات قوم وملت میں لگاتے ہوئے ۱۹۸۷ء میں انتقال کیا، آپ چاٹگام میں آسودۂ خاک ہیں۔

شونا احمد صاحب، پلاٹون کمانڈر، موئیدنگی، راسیدنگی

پلاٹون کمانڈر جناب شونا احمد صاحب علاقۂ راسیدنگ کی بستی موئیدنگ میں ۱۹۲۰ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب بڑے مالدار اور سخی ہونے کے ساتھ علمائے کرام کو نہایت احترام کرنے والے انسان تھے، کہتے ہیں کہ وہ پند ونصیحت کے بڑے رسیا تھے، جہاں کہیں بھی پند ونصیحت کی محفل سج جاتی تو وہ وقت پر وہاں پہنچ جایا کرتے تھے۔

پلاٹون کمانڈر شونا احمد صاحب کی بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے آبائی بستی موئیدنگ میں ہوئی، اس کے بعد علاقے کے ایک دینی مدرسہ میں داخل تو ہوئے، لیکن حالات کے شکار ہوکر مزید تعلیم سے بہرہ ور نہ ہوسکے تھے۔

تعلیم سے علیحدگی کے بعد شونا احمد صاحب نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا، جس میں وہ قدرے کامیاب بھی ہوئے تھے، اکیاب اور بوسیدنگ سے اموال منگواتے اور اپنے علاقے کے بازاروں میں فروخت کیا کرتے تھے، ویسے ان کو ایک کامیاب تاجر بھی کہا جاسکتا ہے۔

تعلیمی زندگی اور تجارت کے دوران جناب شونا احمد صاحب کو علاقے کے مگھوں نے بہت ہی ستایا تھا، جس کی وجہ سے وہ مگھوں کے نام تک سننے کے لئے تیار نہیں تھے، ان کا ماننا یہی تھا کہ یا ارکان میں مگھ رہیں گے یا روہنگیا مسلمان، ان دونوں قوموں کا ارکان میں امن وآشتی اور سکون واطمیان سے یک ساتھ رہنا کبھی بھی نہیں ہوسکتا۔

آخر کار شونا احمد صاحب نے تہیہ کر لیا کہ مگھوں کے اس مظالم کے خلاف جہاد کرنا چاہئے، اس فیصلہ کے بعد وہ شمالی منگڈو جا کر جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، جہاں انہوں نے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکے میں شریک ہوکر مگھ اور برمی افواج کے خلاف لڑتے رہے تھے۔

جہاد کونسل میں افراتفری شروع ہوئی تو شونا احمد صاحب جناب محمد قاسم راجا کی تنظیم ’’مجاہد پارٹی‘‘ میں شامل ہوگئے، اس کے بعد وہ جنوبی منگڈو میں برمی فوج سے برسر پیکار رہے، چنانچہ ان کی بے مثال بہادری کو دیکھ کر جناب قاسم راجا صاحب نے ان کو پلاٹون کمانڈر کا خطاب دیا، جس کے بعد انہوں نے بحیثیت پلاٹون کمانڈر بڑے بڑے معرکے میں شرکت کرتے ہوئے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں دشمنان دین و ملت کو جہنم رسید کیا تھا، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد وہ روپوش ہوگئے، بعد میں ان کا انتقال ہوگیا۔

شونا علی صاحب، کمانڈر، خونیہ فاروی، منگڈوی

کمانڈر شونا علی صاحب جنوبی منگڈو کی معروف و مردم خیز بستی خونیہ فارہ میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب نہایت دین دار اور خدا ترس انسان تھے، وہ علمائے کرام کو بہت ہی عزت کرتے تھے، بستی میں کوئی بھی آدمی علمائے کرام کے خلاف چہ میگوئیاں کرتا تو وہ اس سے لڑنے جھگڑنے کے لئے تیار ہو جاتے تھے، گویا علمائے کرام کی طرف سے دفاع کرنا ان کا شیوہ بن چکا تھا۔

کمانڈر شونا علی صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد بستی کے مکتب سے قرآن کریم کے ناظرہ اور دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد علی تانجو کے سرکاری اسکول سے متوسطہ تک کی تعلیم پائی، کہتے ہیں کہ وہ اپنی تعلیمی زندگی سے بڑے تیز وطرار اور ذہین وفطین کی حیثیت سے مشہور تھے، تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا، لیکن تجارت میں انہوں نے کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔

جناب شونا علی صاحب ۱۹۴۹ء کے اواخر میں محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت چلنے والی جماعت ''جہاد کونسل'' میں شامل ہو گئے، جہاں انہوں نے ایک روایت کے مطابق جناب کرنل رشید احمد صاحب فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی، وہ محمد جعفر حسین قوال اور رشید احمد صاحب (CL) کے بڑے مداح تھے، مجاہد اعظم حضرت محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت پر وہ بڑے پریشان ہو گئے تھے، ان کے نزدیک آپ کی شہادت حسرتِ آیات ارکانی مسلمانوں کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

جہاد کونسل میں افراتفری اور انتشار شروع ہوا تو جناب شونا علی صاحب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی جماعت ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، بعد میں ان کی بہادری اور درک بینی کو دیکھ کر راجا صاحب نے ان کو ایک سیکشن مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا، چنانچہ انہوں نے بحیثیت کمانڈر مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے برمی افوج کے ناک میں دم کر دیا تھا۔

جناب کمانڈر شونا علی صاحب کی بہادری علاقہ میں بہت مشہور ہے، خوف و ہراس کا نام سنتے تو وہ خفا ہو جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ خوف و ہراس سے غم کھانا خواتین سے تو ہو سکتا ہے لیکن مردوں سے نہیں، کہتے ہیں کہ ان کے رفقائے کار ان کو بہت پسند کرتے تھے، جہاں بھی جاتے وہ اپنی جاں بازی کا لوہا منواتے ہوئے سرخرو ہو کر واپس آتے تھے، راجا صاحب کی پارٹی کی تباہی کے بعد وہ مدت دراز تک روپوش رہے، بعد میں ان کا انتقال اپنے وطن میں ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صالح احمد صاحب، کمانڈر، گدوسراوی، منگڈوی

جناب کمانڈر صالح احمد صاحب جنوبی منگڈو کی مردم خیز بستی گدوسرا میں ۱۹۲۵ء کو ایک متمول لیکن دیندار اور علماء پسند گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب ایک صاحب ثروت آدمی ہونے کے ساتھ نہایت سخاوت پسند بزرگ تھے، کہتے ہیں کہ کوئی بھی آدمی ان سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتا تھا، ان سے جتنا بھی بن سکتا، ہمیشہ وہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے۔

جناب کمانڈر صالح احمد صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب اور چوتھی جماعت تک کی تعلیم سرکاری اسکول میں پائی، مزید تعلیم کا شوق تو تھا لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر ان کو تعلیم سے ہاتھ دھونا پڑا، کہتے ہیں کہ وہ نہایت تیز وطرار اور ذہین طالب علم تھے۔

۱۹۵۰ء کی ابتدائی دہائی میں جناب صالح احمد صاحب کو محمد قاسم راجا کی جماعت ''مجاہد پارٹی'' سے دعوت ملی تو وہ اس میں شامل ہو گئے، انہوں نے جناب رشید احمد صاحب (CL) سے عسکری تربیت حاصل کی، جس کے بعد مختلف معرکوں میں شرکت کرتے ہوئے نہ صرف مجاہدین بلکہ عوام الناس کی داد حاصل کی تھی، کہتے ہیں کہ وہ قدرے غصیلے اور جذباتی قسم کے مجاہد تھے، لیکن ہر ایک کا یہی ماننا ہے کہ وہ خاصے مضبوط اعصاب کے مالک انسان تھے، وہ ہر حال میں اپنی رائے میں اٹل رہتے تھے، کسی کے سامنے سر جھکانا ان کو آتا ہی نہیں تھا، اس حوالے سے بعض لوگوں نے ان کو بہت ہی چھیڑا، لیکن وہ ان کے چھیڑنے سے کبھی بھی برہم نہیں ہوئے، وہ جہاد فی سبیل اللہ کے خلاف کرنے والوں کو سخت سے سخت ترین سزا دینے کے خواہشمند تھے، اس لئے بعض لوگوں کے نزدیک وہ نہایت سخت دل وجان کے انسان تھے۔

بعد میں جناب محمد قاسم راجا صاحب نے صالح احمد صاحب کو ایک سیکشن مجاہدین کا کمانڈر بنایا، جس کے بعد ان کی استعداد اور صلاحیات میں مزید نکھار آیا، انہوں نے بحیثیت کمانڈر مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے وہ کامیاب رہے، کہتے ہیں کہ وہ دنگل سے بغیر فتح یابی کے ناکام ونامراد واپس آنا ہی نہیں جانتے تھے، وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ''جہاد فی سبیل اللہ میں ابتلاء اور آزمائش ضرور آئے گی، لیکن ایک مخلص مجاہد کو اللہ پر بھروسے کے ساتھ فتح ونصرت کا انتظار کرنا چاہیے''۔

کمانڈر صالح احمد صاحب نہایت جری اور بہادر مجاہد تھے، مجاہد پارٹی کی مکمل تباہی کے بعد وہ کہیں غائب ہو گئے، بعد میں اس حالت میں شنید ہے کہ انہوں نے ارکان میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صلاح الدین دودومیاں صاحب، ماسٹر، باغگونوی منگڈوی

دور آخر میں سرزمین ارکان کے عظیم مردمجاہد، قائد ورہنما مسٹر صلاح الدین بن عزیز الرحمن بن واعظ الدین المعروف بہ ماسٹر دودومیاں کی ولادت ۱۹۰۰ء میں بستی باغگونہ منگڈو میں ہوئی، آپ ماسٹر امیر حمزہ صاحب کے بھائی بھی ہیں اور شاگرد بھی، آپ کے خاندان کو ''عزی بارو خاندان'' کہا جاتا ہے، جناب ماسٹر دودومیاں صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے میں پاکر رنگون کا سفر کیا، اور ۱۹۱۸ء میں رنگون سے ہائی گریٹ پاس کیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ماسٹر صاحب وطن واپس آئے اور یہاں کے مختلف جگہوں میں پڑھاتے رہے، بستی شاعرہ فارہ میں آپ اپنے بڑے بھائی ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ پڑھاتے رہے، بعد میں تدریس کے حوالے سے آپ بستی دابری چنگ بوسیدنگ منتقل ہوگئے، اور مذکورہ بستی میں سالوں تک پڑھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ اس بستی کے اسکول کو ڈپٹی مولانا عبدالغفار (ایم پی) کے تعاون سے رجسٹرڈ بھی کروادیا، ماسٹر صاحب کے صاحب زادہ جناب ماسٹر شمس الہدیٰ کے بیان کے مطابق آپ ان تدریسی خدمات کے دوران مختلف فکٹریوں کے کنٹرکٹر بھی رہے، ماسٹر صاحب مرے بون کے علاقے سے لکڑی اپنے علاقے میں لایا کرتے تھے، اس حوالے سے شمس الہدیٰ صاحب کا ایک حیرت انگیز بیان ملاحظہ ہو کہ:

''میرے والد صاحب جناب صلاح الدین المعروف بہ ماسٹر دودومیاں صاحب نہایت حاضر دماغ، فعال اور دوراندیش انسان تھے، آپ سترہ یا اٹھارہ سال کی عمر میں رنگون سے ہائی گریٹ تک کی تعلیم حاصل کرکے وطن واپس آئے، یہاں کے مختلف اسکولوں میں پڑھاتے رہے، شاعرہ فارہ بستی میں اپنے بزرگ بھائی جناب ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ بھی پڑھائے، بعد میں آپ دابری چنگ بوسیدنگ کے اسکول میں منتقل ہوئے، اس اسکول کو جناب ڈپٹی مولانا عبدالغفار صاحب مرحوم کے تعاون سے رجسٹرڈ کروایا تھا، اس دوران آپ لکڑیوں کے کنٹرکٹر بھی رہے، ۱۹۴۲ء کے بعد ایک دلچسپ واقعہ یہ ہوا کہ آپ لکڑی خریداری کے سلسلے میں مرے بون کے علاقے میں گئے، ساتھ آپ کا دیرینہ دوست جناب محمد جعفر

حسین قوال (مجاہد اعظم) بھی تھے، رات دونوں ایک بستی میں اترے، جو ایک دریا کے پار واقع تھی، رات گئی دونوں آرام فرمارہے تھے کہ اچانک دریا کے پار بکھری پڑی ہڈیوں سے آواز آرہی تھی کہ ''کون ہے جو ہم مظلوموں کی خبر لینے والا، کون ہے جو اس ظلم کے بدلہ لینے والا'' تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ بکھری پڑی ہڈیاں ان مسلمانوں کی ہیں، جنہیں ۱۹۴۲ء میں شہید کردیا گیا تھا، غرض یہ آواز سن کر دونوں نے ترک تجارت کرکے اپنے علاقے میں واپس آنے کو مناسب سمجھا، بعد میں دونوں حضرات نوراللہ فارہ کے مدرسہ میں آئے، اور سارا ماجرا مولانا لقمان صاحب (آپ بھی ایک عظیم مردمجاہد عالم دین اور خادم قوم تھے) کو سنایا، اور ان سے پوچھا کہ مولانا اب ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ تو مولانا نے فرمایا کہ جہاد اسلامی کے میدان میں فوراً اتر جانا چاہئے، اگر آپ حضرات جہاد اسلامی کے لئے تیار ہیں تو اس جہادی قافلہ کی فہرست میں سب سے اول میرا نام بھی لکھ لیا جائے، اس واقعہ کے بعد جہاد کونسل کی تشکیل سے پہلے حضرت محمد جعفر حسین قوال صاحب نے اپنی شاعری اور قوالی کے ذریعے مسلمانوں کے نوجوانوں کو جہاد اسلامی کی طرف بلایا اور ہر محفل میں یہ شعر سناتے رہے کہ:

نوجوانو! خون بہانے کے لئے تیار ہو
گردن دشمن اڑانے کے لئے تیار ہو مجھے

مجھے یہ بات والد مرحوم ماسٹر صلاح الدین صاحب نے بتائی ہے، اللہ تعالیٰ دونوں کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے، آمین''۔

راقم سطور کا خیال بلکہ اندازہ ہے کہ صلاح الدین صاحب کا تعلق مرحوم محمد جعفر حسین قوال صاحب کے ساتھ جہاد کونسل کی تشکیل سے پہلے بھی بہت گہرا تھا، دلیل کے بطور مذکورہ واقعہ کے علاوہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ محمد جعفر حسین قوال صاحب تو علی چنگی بوسیدنگی تھے، آخر وجہ کیا تھی کہ ۲۰/ اگست ۱۹۴۷ء میں جہاد کونسل کی تشکیل کے مشورہ کے لئے بستی دابری چنگ کو انتخاب کیا گیا تھا؟ دراصل بات یہ تھی کہ اس دوران جناب صلاح الدین صاحب بستی دابری چنگ کے اسکول میں ٹیچر تھے، تو جعفر صاحب نے اپنے ہم راز اور ہم آہنگ دوست کی رہائشی بستی کو ایک عظیم کام کے آغاز کے لئے منتخب کیا تھا، چنانچہ مذکورہ تاریخ کے اجلاس میں درج ذیل حضرات نے شرکت کی تھی:

(۱) جناب محمد جعفر حسین قوال مجاہد اعظم علی چنگی بوسیدنگی۔
(۲) جناب میجر جنرل عبدالشکور صاحب دابوی شہید اعظم۔
(۳) جناب محمد عباس سیندنگی بوسیدنگی۔
(۴) جناب سلطان احمد حائندہ فاروی منگڈوی۔
(۵) جناب صلاح الدین المعروف بہ دودومیاں باغکونوی منگڈوی۔
(۶) جناب میجر جنرل شفیق الرحمن دابوی۔

تاریخ اجلاس سے ظاہر ہے کہ یہ اجلاس اعلان آزادئ برما سے تقریبا پانچ مہینے پہلے ہوا تھا، بہرحال اس اجلاس میں حالات حاضرہ پر بڑی باریک بینی سے غور کیا گیا اور تمام مشارکین نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سرزمین ارکان کے مظلوم مسلمانوں کے مفاد کی خاطر ایک منظم جماعت کی تشکیل ناگزیر ہے، جو اس سرزمین کو ایک مستقل ریاست بنانے کی تدبیر کرے گی، جو منظم بھی ہو اور مسلح بھی، چنانچہ فیصلہ ہوا کہ مسلح جدوجہد کے لئے ارکان کے مسلم نوجوانوں کو منظم کیا جائے، اور اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جناب محمد جعفر حسین قوال اور عبدالشکور دابوی کو مقرر کیا گیا تھا۔

۲۸/مئی/۱۹۴۷ء میں جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب ہوئی تو صلاح الدین صاحب مجلس عاملہ کے ممبر منتخب ہوئے، یہ عاملہ نو اراکین پر مشتمل تھا، جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:
(۱) جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب شقدار فاردی (سرپرست اعلی)
(۲) جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب (صدر جہاد کونسل)
(۳) جناب ماسٹر سلطان احمد صاحب حائندہ فاروی (نائب صدر جہاد کونسل)
(۴) جناب محمد عباس سیندنگی صاحب (جنرل سکریٹری)
(۵) جناب کرنل رشید احمد صاحب فوئمالوی (سکریٹری برائے امور دفاع)
(۶) جناب ماسٹر صلاح الدین (دودومیان) صاحب باغکونوی (مشیر اعلی)
(۷) جناب مولانا رشید احمد صاحب (مشیر اعلی)
(۸) جناب نذیر احمد صاحب (مشیر اعلی)
(۹) جناب کرنل مستفیض الرحمن صاحب (مشیر اعلی)

۱۹/دسمبر/۱۹۴۹ء میں جہاد کونسل کا اور ایک اجلاس ہوا، جس میں جہاد کونسل کے تقریبا تمام اعلی اراکین

نے شرکت کی، اس اجلاس میں جہاد کونسل کی از سر نو ترتیب ہوئی، بس چار اراکین پر مشتمل ایک عاملہ کی تشکیل دی گئی تھی، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:
(۱) صدر جہاد کونسل: مولانا مفتی محمد لقمان صاحب۔
(۲) سکریٹری برائے امور خارجہ: جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۳) سکریٹری برائے امور دفاع: جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب۔
(۴) سکریٹری برائے رسد و مراسلات: جناب صلاح الدین دودومیاں صاحب۔

۱۹۵۰ء کے دوران برمی حکومت نے اگرچہ مجاہدین کی استیصال کے لئے بڑی بڑی کوششیں کیں، مگر ناکام ہوگئی تھی، تو برمی حکومت نے چار افراد پر مشتمل ''پیس مشن'' کے نام سے ایک وفد کی تشکیل دی، جو مجاہدین سے گفتگو کرکے ارکان میں امن کی بحالی کی کوشش کرے گا، حکومت برما سے تشکیل کردہ وفد میں درج ذیل حضرات شامل تھے:
(۱) جناب سلطان احمد صاحب بالوخالوی (پارلیمنٹری سکریٹری حکومت برما)
(۲) جناب مولانا عبدالغفار صاحب رنگیادنگی (وفاقی پارلیمنٹ ممبر حکومت برما)
(۳) جناب ابوالبشر صاحب فوئمالوی (وفاقی پارلیمنٹ ممبر حکومت برما)
(۴) جناب نور احمد صاحب علی تانجوی۔

جناب اڈووکٹ سلطان احمد بالوخالوی کی قیادت میں یہ وفد فقیرہ (ایک جگہ کا نام) پہنچا تو جہاد کونسل نے ماسٹر عمرہ میاں کی قیادت میں ایک وفد کی تشکیل دی، جس میں شامل افراد یہ تھے:
(۱) قائد وفد: مسٹر عمرہ میاں صاحب۔
(۲) جناب سلطان احمد صاحب حائندہ فاروی۔
(۳) جناب محمد عباس سیندنگی صاحب۔
(۴) جناب صلاح الدین دودومیاں صاحب۔(۱)

/۱۸ جولائی/۱۹۵۰ء میں حضرت جعفر حسین قوال کو عہدۂ صدارت سے معزول کرکے مشرقی پاکستان علاج

---

(۱) تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو راقم السطور کی تصنیف ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں''، ص: ۲۱۶-۲۱۷۔

کے لئے بھیج دیا گیا تو یکم/ اگست/ ۱۹۵۰ء میں ایک ہنگامی اجلاس بلا کر ایک ہنگامی عاملہ کی تشکیل دی گئی تھی، جس میں مسٹر عمرہ میاں صاحب صدر اور محمد عباس نائب صدر مقرر ہوئے تھے، یہ عاملہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا، جس میں ہمارے ممدوح جناب صلاح الدین صاحب کونسلر یعنی مجلس عاملہ کے ممبر ہوئے تھے۔

۱۱/ اکتوبر/ ۱۹۵۰ء میں محمد جعفر حسین صاحب شہید کر دیئے گئے تو جنوری/ ۱۹۵۱ء میں جہاد کونسل کا ایک انتخاب عمل میں آیا، جس میں تین مجالس کی ترتیب ہوئی:

(۱) ایک مجلس سرپرستگان۔

(۲) دوسرا ایوان بالا۔

(۳) جبکہ تیسرے کا نام ایوان زیریں دیا گیا تھا۔

اس انتخابات کے نتیجے میں صلاح الدین صاحب ایوان بالا یعنی مجلس عاملہ کے سکریٹری برائے امور تنظیم کے عہدے پر فائز ہوئے تھے۔

جناب ممدوح ۱۹۵۱ء سے قائد کونسل محمد عباس کی معزولی یعنی ۱۷/ مئی/ ۱۹۵۷ء تک بڑی تندہی اور اطمینان سے جہاد کونسل میں کام کرتے رہے، پھر ۱۹۵۷ء سے صالح احمد صاحب کی قیادت میں آپ نے اپنے تمام قومی وملی فریضے انجام دیئے، حتی کہ ۷/ نومبر/ ۱۹۶۱ء کا وہ دن آیا کہ میجر جنرل صالح احمد اور میجر جنرل محمد شفیع صاحب برمی حکومت کے ہاتھوں پکڑے گئے اور برمی حکومت نے "مایوفرنٹیر اڈمنسٹریشن" کا جھانسہ دے کر مجاہدین کو ہتھیار ڈلوایا تھا۔

۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۶ء تک صلاح الدین دودو میاں صاحب لیموسری کے علاقے میں زیر زمین رہے، بعد میں موخر الذکر سن ۱۹۶۶ء کو مغربی پاکستان ہجرت کر کے کراچی میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، آپ نے کراچی میں مدت دراز تک میونسپلٹی میں نوکری کی، اور اس نوکری سے ۱۹۷۹ء میں پنشن لی، اس کے بعد آپ نے اپنی رہائشگاہ کے قریب ایک مسجد کی خدمت شروع کی، بحیثیت مسجد سکریٹری آپ نے اللہ کے اس گھر کی بہت ساری خدمات انجام دیں، اللہ تعالی کے اس فرمان بردار بندے نے دین وملت کی بہت ساری خدمات انجام دیتے ہوئے ۲۰۰۶ء میں انتقال فرمایا اور سرزمین کراچی میں مدفون ہیں۔

ماسٹر صاحب کی اولاد میں اللہ تعالی نے بڑی برکت دی، جن میں سے بعض نے دین وملت اور قوم وطن کی خدمت بھی کی ہے، جن کے اجمالی حالات درج ذیل ہیں:

(۱) محمد قاسم: بچپن ہی میں اللہ تعالی کو پیارا ہو گیا۔

(۲) سراج المصطفی: اس نے اپنے والد کی طرح لمبی عمر پا کر کراچی میں انتقال کیا۔

(۳) شمس الانور: یہ لڑکا تین سال کی عمر میں اللہ کو پیارا ہو گیا۔

(۴) شمس الحق: جو اپنے والد کے ساتھ جہادی سرگرمی میں شامل ہوئے تھے، ۱۹۵۶ء میں اپنے والد کے ساتھ درۂ ڈینسو عبور کرنے کے دوران برمی ملٹری کی گولی سے شہید ہو گئے، اس شہید کے متعلق یہ روایت ملی ہے کہ شہادت کے زمانے میں وہ طالب علم تھے، مدرسہ ہاشمیہ کوس بازار میں زیر تعلیم تھے، فرصت پر اپنے والد کی سرگرمی کے ساتھ ملحق ہو گئے تھے۔

(۵) شمس الہدی: انہوں نے ابتدائی تعلیم شاہی فریر دیپ میں پائی، ۱۹۴۹ء میں مسلم ہائی اسکول پہاڑتلی چاٹگام سے ساتویں جماعت کی تعلیم مکمل کر کے اپنے والد کے ساتھ لیموسری کے علاقے میں تنظیمی سرگرمیوں کے ساتھ منسلک ہو گئے، انہوں نے ۱۹۶۳ء میں پاکستان کی طرف ہجرت کی اور کراچی میں سکونت پذیر ہو گئے، ۱۹۷۶ء میں حجاز مقدس کا سفر کیا اور حج بیت اللہ وزیارت مدنیہ سے مشرف ہوئے، ۱۹۸۲ء میں جہاد افغانستان میں باضابطہ طور پر شرکت کی، اس دوران پاکستان کے عظیم مرد مجاہد جنرل حمید گل، افغانستان کے سابق صدور برہان الدین ربانی، صبغۃ اللہ مجددی، استاد عبدرب رسول سیاف وگل بدن حکمت وغیرہ سے ملاقاتیں کیں، ۱۹۸۸ء میں جہاد افغانستان سے واپس آئے اور عرصۂ دراز تک مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ ارکان آباد ابراہیم حیدری میں بچوں کو پڑھاتے رہے، ۱۹۹۶ء میں وہ حجاز مقدس پہنچے، اور جدہ کیلو اربعہ عشر کے ایک دینی مدرسہ زہرۃ الحجاز معروف بہ مدرسہ فاروقیہ میں پڑھاتے رہے، راقم السطور کی ان سے ملاقات اسی ادارہ میں ہوئی، راقم ان کے بیانات اور خاندانی وقومی روایات سن کر بڑا محظوظ ومستفید ہوا، آج کل بھی کیلو اربعہ عشر جدہ میں مقیم ہیں، اللہ تعالی نے ان سے دین کی بہت ساری خدمات لیں اور آج کل بھی خدمات میں مشغول ہیں، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ان کی حیات میں برکت دے، اور ان کی زندگی اور ان کے سارے اعمال کو قبول فرمائے، آمین۔

(۶) واحدہ خاتون: ماسٹر دودو میاں صاحب کی اس صاحب زادی نے مجاہدین اسلام کی بہت خدمت کی تھی، جن میں اللہ قبول کرے تو راقم السطور بھی شامل ہے، واحدہ خاتون محترمی جناب ماسٹر شونا علی صاحب دابری چنگی کی اہلیہ ہیں، ماسٹر شونا علی صاحب روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے بانیوں

میں سے ایک ہیں، جن کے حالات اس حقیر کاوش میں شامل ہیں۔

(۷) ماسٹر نور العالم: ڈاکٹری یعنی طباعت کے ہنرمند ہیں، آج کل مکہ المکرمہ میں مقیم ہیں۔

(۸) حفصہ: یہ شوکت بہادر نامی آدمی کی اہلیہ ہے، پاکستان کے شہر کراچی میں مقیم ہے۔

(۹) حسینہ: مولوی محمد ہارون بن مولوی علی اکبر ہتالیہ فاروی کی اہلیہ محترمہ ہیں، کراچی میں مقیم ہے۔

(۱۰) شمس الضحیٰ: اڈووکٹ ہیں، ان کی ولادت شاہی فریر دیپ میں ہوئی، چودہ سال کی عمر سن ۱۹۶۶ء میں والد گرامی کے ساتھ پاکستان پہنچے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم کراچی میں پائی، ساتویں کلاس تک کی تعلیم کے ایریا کراچی کے ہائی اسکول میں پاکر لیاقت کالج سے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں، وہ مدت دراز تک آدم جی فکٹری میں اسسٹنٹ لیبر افسر تھے، ان کی شادی ناظم آباد میں رہائش پذیر ماسٹر یسین کی صاحب زادی سے ہوئی، انہوں نے قوم کی خدمات بھی کیں اور وکالت کا پیشہ بھی جاری رکھا، اللہ تعالی ان کی زندگی میں برکت دے، آمین۔

ضمیر الدین، گونہ فاروی، منگڈوی

جناب ضمیر الدین صاحب شمالی منگڈو کی بستی گونہ فارہ (شجاع ڈیا) میں ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والدین نے ان کو مکتب میں بٹھایا تھا، مگر وہ صرف ابتدائی دینیات کے علاوہ کچھ نہ پڑھ سکے، یوں تعلیم سے لڑکپن ہی سے علیحدہ ہو گئے تھے، اور اس کے بعد بستی کے کچھ اچکے لڑکوں سے میل ملاپ کی وجہ سے ان کی طبیعت میں کچھ خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں، بالآخر وہ چوری جیسے نازیبا اعمال سے منسلک ہو گئے تھے، حتی کہ ان کے نام کے ساتھ "چور" جیسا لقب چسپاں ہو گیا تھا، جسے اس نے تائب ہونے کے بعد بھی نہ بجھا سکا۔

یہ تو اللہ تعالی ہی کو معلوم ہے کہ بندوں کا انجام کس حال میں ہوتا اور ہوسکتا ہے، اللہ تعالی نے جناب ضمیر الدین صاحب کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا، چنانچہ بعد میں انہوں نے تائب ہو کے علمائے کرام اور صلحائے عظام کی صحبت اختیار کی، جس کے ساتھ انہوں نے عبادت الٰہی اور بندگان خدا کی خدمات کے ساتھ دل چسپیاں لینی شروع کیں، انہوں نے بطور خاص ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا کے دوران ان بندگان خدا کی خدمات انجام دیں، جو جنوبی مشرقی ارکان سے جان بچا کر ہجرت کر کے شمالی مغربی ارکان میں آئے تھے، ساتھ ہی ساتھ جناب ضمیر الدین صاحب نے ۱۹۴۲ء کے دوران ارکان میں ہونے والے جہاد اسلامی میں شریک ہوکر وہ خدمت انجام دیں جو ہر کس و ناکس کے لئے ممکن ہی نہ تھیں، انہوں نے مجاہدین میں شامل ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ بخوبی انجام دیا، وہ اس وقت بوسیدنگ میں ہونے والے جہاد میں ایک شیر پلنگ بن کر کود پڑے، دشمن پر انہوں نے گھات لگا لگا کر حملہ کیا، وہ کبھی دشمن کی صف میں چپکے سے اکیلے گھس کر ان کے حالات سے واقف ہو کر واپس آتے تھے، اور کبھی حملوں کے ذریعے دشمن کو پسپا ہونے پر مجبور کرتے رہے تھے، چنانچہ اس حوالے سے ان کی بہادری اور ہوشمندی کی طول طویل داستانیں سننے میں آئیں۔

۱۹۴۲ء کے بعد ارکان کا مسلم علاقہ دشمنان دین وملت سے خالی ہوکر شانتی کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو جناب ضمیر الدین صاحب نے اس میں شامل ہوکر بڑی خدمات انجام دیں، اس کے بعد ایک طویل مدت تک سرزمین ارکان میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمات انجام دے کر حج کی نیت سے حجاز مقدس کو چلے گئے، وہاں انہوں نے مستقل قیام کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ایک دلچسپ روایت ہے کہ شاہ فیصل بن عبد العزیز شہید کے زمانے میں وہاں ہجرت کی زندگی گزارنے والے ارکانی مہاجرین پر مختلف پریشانیاں لاحق ہوئیں تو ضمیر الدین صاحب کے دل کو بڑا صدمہ پہنچا تھا، آخر مہاجرین کیا کر سکتے تھے سوائے فریاد اور آہ وزاری کے، ایسے حالات میں ارکانی مہاجرین کے چند سرکردہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ایک یادداشت سعودی عرب کے اعلی حکام تک پہنچایا جائے، مگر یہ یادداشت حکام کے پاس کس طریقے سے پہنچائی جاتی؟ آخر کار جناب ضمیر الدین صاحب آگے بڑھے، اور یہ یادداشت اپنے ہاتھ میں لئے ایک موقع کے منتظر ہو گئے تھے۔

قدرت کا کیا عجیب کرشمہ تھا کہ اس کے چند دن بعد شاہ فیصل بن عبد العزیز کے کسی سرکاری کام کے لئے طائف آنے کا اعلان ہوا تو یہ اعلان سن کر ضمیر الدین صاحب اس یادداشت کو ہاتھ لئے کسی طرح طائف پہنچے، ایک موقع پر شاہ فیصل بذریعۂ گاڑی اندرون شہر کہیں جا رہے تو آپ نے دیکھا کہ اچانک ایک آدمی (ضمیر الدین) ان کی گزرگاہ پر لیٹا ہوا ہے، جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ کا ٹکڑا بھی ہے، سرکاری محافظین نے اس آدمی کو راستے سے دور پھینکنا چاہا، لیکن قسمت سے شاہ فیصل کی نظر اس آدمی پر جا لگی، چنانچہ شاہ فیصل صاحب نے اس سے کاغذ منگوالیا، اور ان کو قریب بلا کر اطمینان دلایا کہ ارکانی مہاجر مسلمانوں کے مسئلہ پر غور کیا جائے گا، بالآخر ضمیر الدین صاحب کی اس جرات مندی کا نتیجہ نہایت اچھا نکلا، چنانچہ شاہ فیصل کے حکم سے وہاں پائے جانے والے تمام مہاجرین کو پناہ مل گئی تھی۔

جناب ضمیر الدین صاحب بڑے صاف گو، جری اور فعال انسان تھے، انسانوں کی خدمت کرنے کا جذبہ قدرت نے ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، انہوں نے توبہ کے بعد اپنی بقیہ زندگی عبادت الہی میں گزار کر مکہ معظّمہ میں وفات پائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبد الجبار صاحب دو بھاشی، سندی فرانگی، بوسیدنگی

جناب دو بھاشی عبد الجبار صاحب جنوبی بوسیدنگ کی معروف بستی سندی فرانگ میں ۱۹۰۵ء میں وہاں کے زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک نامور زمیندار تھے، سندی فرانگ اور گودام فارہ وغیرہ کے علاقے میں ان سے بڑا زمیندار اور کوئی نہیں تھا، جن کو لوگ مستری بابا کہتے تھے، یوں وہ ایک سخی زمیندار اور چودھری کی حیثیت سے علاقہ بھر میں مشہور اور معروف تھے۔

دو بھاشی صاحب کی ابتدائی تعلیم ان کی آبائی بستی سندی فرانگ میں ہوئی، اس کے بعد بنگال گئے اور ڈھاکہ سے متوسطہ اور ثانویہ کی تعلیم پا کر سیدھے وطن واپس آئے، وہ اردو، بنگلا اور انگریزی زبانوں میں ماہر سمجھے جاتے تھے، موصوف برطانوی حکام کے مترجم تھے، بعد میں وہ بھی اپنے والد صاحب کی طرح اپنے علاقے میں ایک زمیندار ہونے کی حیثیت سے معروف ہو گئے تھے۔

دو بھاشی صاحب نے برطانوی عملداری کے دور آخر میں ارکانی مسلمانوں کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے دوران انہوں نے قومی سیاست سے خاصی دلچسپی لی، برطانوی حکام ان کو بہت پسند کرتے تھے، اسی طرح جاپانی افواج جب وہاں آئیں تو ان کے ذریعے انہوں نے روہنگیا مسلمانوں کو اپنانا چاہا، لیکن دو بھاشی صاحب نے جاپانیوں کے مقابلے میں برطانویوں کو پسند کیا، جس کی وجہ سے ان کو جاپانیوں کا عتاب سہنا پڑا تھا۔

دو بھاشی صاحب ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران قومی سیاست وقیادت کے میدان میں کھل کر سامنے آئے، انہوں نے جناب جنرل میر احمد باعگونوی بوسیدنگی اور جناب جنرل عبد اللہ راسیدنگی کا بھرپور ساتھ دیا، ان دونوں جرنیلوں کے ذریعے انہوں نے یہاں سے وحشی مگھوں اور برمی دہشت گرد تھکینوں کو مار بھگایا تھا، اس سلسے میں انہوں نے اپنے اموال کو راہِ خدا میں پانی کی طرح بہایا، اس طرح وہ جہاد اسلامی میں اپنی جان ومال سے شریک ہوئے، ۱۹۴۵ء کے دوران موصوف مع اہل خانہ بوسیدنگ منتقل ہو کر پیس کمیٹی میں شامل ہو گئے تھے۔

دو بھاشی صاحب ۱۹۴۷ء کے اواخر میں جہاد کونسل میں شامل ہوئے، موصوف کبھی خفیہ اور کبھی علانیہ طریقے سے قافلۂ جہاد کو بھرپور تعاون کرتے رہے، انہوں نے مدت دراز تک روہنگیا مسلمانوں کی خدمات انجام دیتے ہوئے اپنے وطن میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالجلیل صاحب،ایریا کمانڈر،لنگوائی،راسیدنگی

ایریا کمانڈر جناب عبدالجلیل صاحب موضع لینگوائی، راسیدنگ میں ۱۹۲۲ء میں ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک نیک سیرت اور عابد انسان تھے، قومی خدمات کے حوالے سے جن کو علاقے میں بڑادل والا سمجھا جاتا تھا، چونکہ ۱۹۴۲ء کے قتل عام میں ان کے خاندان کے سینکڑوں افراد شہید کردیئے گئے تھے، اس لئے اس بستی کے ہر فرد جذبۂ قومی وملی سے سرشار تھا۔

جناب عبدالجلیل صاحب متوسطہ تک کے تعلیم یافتہ تھے، موصوف نے ۱۹۴۸ء میں جہاد کونسل میں شامل ہوکے دل کھول کر جہاد کیا، انہوں نے ہر حال میں شہادت کے جذبے سے جہاد کیا تھا، ۱۹۵۰ء کے بعد جہاد کونسل میں افراتفری ہوئی تو وہ محمد قاسم راجا سے وابستہ ہوگئے، بعد میں ان کو ایریا کمانڈر بنا یا گیا تھا، موصوف بڑے بہادر، بڑادل جلا اور قربانی وایثار کے جذبے سے سرشار تھے، جھگڑا اور فساد سے ہر وقت دور رہنا چاہتے تھے، وہ قاسمی پارٹی کی تباہی کے بعد راغب اللہ صاحب کے ساتھ رہے، پھر محمد جعفر ثانی کے ساتھ منسلک ہوگئے تھے، جہاں ان کو ارباب بست وکشاد میں دیکھا گیا تھا۔

محمد جعفر ثانی کی پارٹی کی بھی تباہی کے بعد عبدالجلیل صاحب روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے منسلک ہوگئے، بڑھاپے کی حالت میں بھی وہ شہادت کے جذبہ سے سرشار تھے، جہاد کے میدان میں ان کی خدمات کی فہرست بڑی لمبی ہے، جس کی تفصیل کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہوگی۔

۱۹۸۲ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کا قیام ہوا تو عبدالجلیل صاحب نے اس میں شامل ہوکر قومی وملی خدمات نبھائیں، پھر ۱۹۸۶ء کے دوران انہوں نے مولانا محمد حنیف صاحب راغب سے رابطہ کیا، جس کے نتیجے میں انہوں نے اتحاد المجاہدین میں شامل ہوکر قومی وملی خدمات انجام دیں، بعد میں موصوف حرکۃ الجہاد الاسلامی ارکان برما میں شامل ہوگئے، یہاں بھی انہوں نے کافی خدمات کیں، آخرکار ۱۹۹۲ء میں اللہ تعالی نے ان کی تمنا پوری کی کہ وہ اسی سال ایک حادثہ میں شہید ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مذکورہ حادثہ کے حوالے سے محترم مولانا محمد صدیق صاحب رقم طراز ہیں کہ:

’’عبدالجلیل نامی ایک مشہور شخص تھے، جو بعد میں مختلف جماعتوں کے چکر کاٹتے ہوئے حرکت الجہاد میں شامل ہوگئے تھے، چونکہ یہ سن رسیدہ تھے، ظلم وستم (محمد صدیق صاحب کے مطابق) کے حوالے سے بھی مشہور تھے، اور باتوں باتوں میں نازیبا کلمات استعمال کرتے تھے، اس نے مولانا عقیل صاحب کو بھی مارا تھا، اور ان کا سازوسامان (جمیت علماء ارکان برما) بھی لوٹا تھا، اس لئے اس وقت بنگلا دیش میں حرکت کے جو مجاہدین تھے وہ اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، بلکہ اکثر و بیشتر ان کا آپس میں تکڑاؤ بھی ہوتا تھا، بلکہ بعض مجاہدین ان کو نورالاسلام گروپ کے جاسوس بھی کہتے تھے، ایک دن کمانڈر مولوی شفیع اللہ نے (جو بنگلا دیش میں تھے) عبدالجلیل کو گولی مار کر ہلاک کردیا، یہ ۵/جنوری/۱۹۹۲ء کی بات ہے، اس سانحہ کے بعد حکومت بنگلا دیش حرکت میں آگئی تھی‘‘۔

عبدالحکیم صاحب، ماسٹر، بوسیدنگی

محترم جناب ماسٹر عبدالحکیم بن عبدالہادی داروغہ کی ولادت ۱۹۵۳ء میں بوسیدنگ میں ہوئی، کہتے ہیں کہ ماسٹر صاحب کا آبائی علاقہ پتھری قلعہ تھا، غالبا ۱۹۴۲ء کے دوران یا اس سے بھی پہلے وہاں سے ہجرت کر کے آپ کا خاندان شمالی بوسیدنگ کی بستی گوپی میں رہائش پذیر ہوگیا تھا۔

ہمارے زمانے میں ماسٹر صاحب کے والد بزرگوار بوسیدنگ شہر کے ان بااثر لوگوں میں ایک تھے جن کی بات کہیں بھی ٹالی نہیں جاتی تھی، جو بڑی شان وشوکت والے آدمی ہونے کے ساتھ نیک اور ہر دلعزیز بھی تھے، چونکہ عبدالہادی صاحب ایک سرکاری افسر تھے تو وجہ یہی تھی آپ جہاں بھی منتقل کئے جاتے اپنے گھرانے کو وہاں لے جانا پڑتا تھا، اس لئے جناب ماسٹر عبدالحکیم کی ولادت اگرچہ بوسیدنگ میں ہوئی مگر آپ کی ابتدائی تعلیم ارکان کے قدیمی دارالحکومت پتھری قلعہ میں ہوئی تھی۔

جناب عبدالحکیم صاحب نے ۱۹۶۵ء میں پتھری قلعہ کے ایک سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد بوسیدنگ ہائی اسکول سے ۱۹۷۲ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی شان سے پاس کرتے ہوئے پسین کالج (برما) میں ایک سال پڑھے، اگلے سال اکیاب کالج میں منتقل ہوئے، لیکن گریجویشن کے آخری دو سال مولمین کالج میں پڑھ کر ۱۹۷۷ء میں مرین بایولوجی میں (BSC) کی ڈگری حاصل کی۔ ماسٹر صاحب نے تعلیم سے فراغت کے بعد بوسیدنگ میں ایک سرکاری ملازمت اختیار کی تھی، لیکن یہ نوکری راس نہ آئی، ویسے اس نوکری سے مستعفی ہوکر سرکاری اسکول میں پرائمری ٹیچر کی حیثیت سے کام شروع کیا، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے ترقی کے مختلف مدارج طئے کرتے ہوئے بوسیدنگ ہائی اسکول کے سینئر استاد بن گئے تھے۔

میں نے دیکھا اور سنا بھی ہے کہ ماسٹر عبدالحکیم صاحب نہایت مخلص اور محنتی استاد تھے، طلباء آپ پر جان چھڑکتے تھے، مسلم طلباء تو آپ پر فدا تھے مگر مگھ طلباء آپ کی جان لیوا دشمن بن گئے تھے، چنانچہ قومی حسد کی وجہ سے آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ ہوگئی تو آپ نے ترک وطن کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی۔

چاٹگام میں رہائش پذیر ہوکر آپ اپنے ماموں جناب اسلام صاحب اکیابی کی تجارت سے منسلک ہوگئے، بعد میں آپ نے علیحدہ تجارت شروع کی، جس میں ماشاءاللہ بڑی برکت ہوئی ہے، شنید ہے کہ آپ مع اہل خانہ آج کل ڈھاکے میں مقیم ہیں، اللہ تعالی حیات میں برکت دے، آمین۔

عبدالحمید صاحب، رواسوگری، یونگ چنگی، بوسیدنگی

جناب عبدالحمید رواسوگری صاحب جنوبی بوسیدنگ کے معروف قصبہ یونگ چنگ میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان علاقے کا سب سے بڑا دولت مند اور زمیندار خاندان تھا اور ہے، جس طرح آپ کے والد مرحوم ایک سخی زمیندار کی حیثیت سے معروف تھے، ٹھیک اسی طرح آپ بھی اپنے علاقہ کے ایک بااثر، مقتدر سخی زمیندار کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے۔

جناب عبدالحمید صاحب نے ابتدائی تعلیم یونگ چنگ میں پائی، اس کے بعد اکیاب گئے، جہاں سے آپ نے متوسطہ تک کی تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد وہ گھر واپس آ کے اپنی خاندانی زمینداری میں مشغول ہو گئے، آگے جا کر وہ ایک سخی زمیندار کی حیثیت سے مشہور ہو گئے تھے، بعد میں آپ چند مرتبہ اپنے علاقے کا صاحب اقتدار بھی بنے تھے۔ ۱۹۴۲ء میں جب قتل عام شروع ہوا تو آپ نے اپنے علاقہ سے مجاہدین کا ایک چھوٹا سا دستہ تیار کیا، جس میں آپ بذاتِ خود شامل رہے، ۱۹۴۳ء کے بعد پیس کمیٹی بنی تو آپ نے اس میں شامل ہوکر قومی وملی خدمات انجام دیں۔

جناب عبدالحمید صاحب بڑے بہادر اور سخی انسان تھے، ہر حال میں وہ لوگوں کی مدد کیا کرتے تھے، آپ نے حضرت مولانا محمد صالح صاحب یونگ چنگی/ زوفرانگی کی بڑی خدمت کی، مدرسہ محی العلوم یونگ کی تاسیس میں آپ کے خدمات کھل کر سامنے آئیں، جہاں تک میرا اندازہ اور معلومات ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو مولانا کے لئے اس محسن مدرسہ کی تاسیس شاید ممکن بھی ہوتی، انہوں نے اس مدرسہ کی تاسیس کے لئے اول تو اپنی ذاتی ملکیت کی زمین کا ایک وسیع رقبہ وقف کیا، پھر اس کی تعمیر وترقی میں بھی بھرپور حصہ بھی لیا تھا۔

علاوہ ازیں عبدالحمید صاحب نے ۱۹۴۷ء میں قائم ہونے والی جماعت ''جہاد کونسل'' میں شامل ہو کے جہاد اسلامی کو بھی بھرپور مالی تعاون کیا، لیکن محمد جعفر حسین قوال کی شہادت کے بعد وہ دل برداشتہ ہو گئے تھے، چنانچہ اس واقعہ کے بعد وہ مجاہدین کے کسی بھی دھڑا سے نفرت کرنے لگے تھے، چنانچہ ۱۹۵۰ء کے بعد جنوبی منگڈو سے محمد قاسم راجا ابھر کر سامنے آئے تو ان سے آپ نے کسی قسم کا تعاون نہیں کیا، جس کی پاداش میں آپ کو مختلف پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا تھا، اسی طرح آپ کو محمد جعفر ثانی سے بھی خاصی نفرت تھی، جس کی وجہ سے وقت وقت پر آپ کو مظالم کے تیر سہنے پڑے تھے، آخر کار جناب عبدالحمید صاحب نے ۱۹۹۳ء میں انتقال کیا، وہ خاکِ یونگ چنگ میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالخالق صاحب، ماسٹر، دھون خالوی، منگڈوی

ماسٹر عبدالخالق صاحب جنوبی منگڈو کی بستی دھون خالی میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے، آپ وہاں کے زمین دار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، آپ کے والد صاحب بھی آپ کی طرح بستی کے سردار رہ چکے تھے، دونوں نے اپنے اپنے دورِ سرداری میں لوگوں کی خدمات کی تھیں۔

عبدالخالق صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی دھون خالی میں ہوئی، پھر متوسطہ تک کی تعلیم منگڈو میں پائی تھی، تعلیم سے فراغت کے بعد آپ عرصۂ دراز تک مسلم بچوں کو تعلیم دیتے رہے تو ماسٹر صاحب جیسے نامِ گرامی سے علاقے بھر میں مشہور ہو گئے تھے۔

ماسٹر عبدالخالق صاحب نے ۱۹۴۲ء کے قتلِ عام کے دوران ارکانی مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دیں، آپ نے نہایت جراتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علاقہ کے سینکروں جوانوں کو اکھٹا کیا، اور مگھ وحشی اور برمی بربروں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، آپ کی قیادت میں سینکڑوں مسلم جوان دشمنانِ ملک و ملت کے خلاف لڑنے کے لئے تیار ہو گئے، پھر آپ نے جناب جنرل نور احمد صاحب کے پاس خبر بھیجی کہ آپ کی قیادت میں سینکڑوں رضا کارانِ اسلام دشمن سے لڑنے کے لئے تیار ہیں، تو جنرل صاحب نے شکریہ کرتے ہوئے کہا کہ "ماسٹر عبدالخالق صاحب حقیقت میں ایک مجاہد اسلام ہیں"۔

۱۹۴۲ء میں ماسٹر عبدالخالق صاحب ایک گروپ مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے منگڈو گئے، اس کے بعد بوسیدنگ کی جنگ میں بھرپور حصہ لیا، بوسیدنگ والی جنگ میں آپ نے بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مغربی بوسیدنگ سے دشمنوں پر حملہ کر دیا تھا، جس میں آپ بڑے کامیاب ہوئے تھے۔

پھر آپ اور آپ کے تمام ساتھی جنرل میر احمد صاحب باغونوی بوسیدنگی کی جماعت مجاہدین سے جا ملے، تو مجاہدینِ اسلام کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے تھے، بوسیدنگ کی فتح کے بعد جب پیس کمیٹی بنی تو آپ جنوبی منگڈو والی کمیٹی کے رکن چنے گئے، اس کے بعد آپ نے اسلامی نظام اور اسلامی حکومت کا نعرہ بلند کیا، جب برطانوی حکومت دوبارہ واپس آئی تو آپ نے بحیثیت ایک قومی لیڈر کے حکومت کے سامنے اپنے مطالبہ کو پیش کیا، لیکن برطانوی حکومت نے اس مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ یہاں کوئی اسلامی نظام حکومت کی گنجائش نہیں ہے۔

ماسٹر عبدالخالق صاحب نے ملک و ملت کی طویل خدمت انجام دے کر اس دنیائے فانی سے رخصت لی، آپ خاکِ دھون خالی میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالرحیم صاحب، کھاری فاروی، سیاسی، منگڈوی

پولیس انسپکٹر خادمِ قوم و ملت جناب عبدالرحیم صاحب موضع کھاری فارہ شہر منگڈو میں ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے، آپ کے والدین اطلاع کے مطابق نہایت دین دار اور علماء پسند تھے، ساتھ ہی ساتھ نہایت سخی اور لوگوں کی خدمت کرنے والے بھی تھے۔

جناب عبدالرحیم صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد بستی کے مکتب سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد منگڈو کے سرکاری اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے نویں جماعت تک اردو اور برمیز کی تعلیم پائی، کہتے ہیں کہ آپ نہایت ذہین و فطین طالب علم تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے پولیس میں نوکری لے کر ارکان کے مختلف شہروں میں خدمات انجام دیں، ویسے ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے پولیس انسپکٹر بن گئے تھے، کہتے ہیں کہ آپ ایک زیرک اور معاملہ فہم پولیس انسپکٹر تھے، نوکری کے دوران آپ نے ارکانی مسلمانوں کے مفادات کے حوالے سے اچھے اچھے کام کئے، یوں آپ کی شخصیت یہاں کے مسلمانوں میں نمایاں ہو گئی تھی۔

انسپکٹر جناب عبدالرحیم صاحب ۱۹۴۲ء کے ہنگامے کے دوران بوسیدنگ شہر میں متعین تھے، یہاں رہ کر آپ نے مسلم مجاہدین کی خاصی رہنمائی کی، آپ نے بطور خاص جنرل میر احمد باغونوی بوسیدنگی، جنرل عبداللہ راسیدنگی اور سرزمین ارکان کے اس زمانے کے قومی رہنماء جناب تنبیہ صاحب مارکن اکیابی کا بھرپور تعاون کیا، مجاہدینِ اسلام کو بندوق اور گولہ بارود فراہم کر کے ان کا حوصلہ بلند رکھا تھا۔

۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہوا تو آپ اس زمانے میں بھی بوسیدنگ اور منگڈو کے علاقہ جات میں پولیس انسپکٹر تھے، بدنام زمانہ برما ٹیروٹورل فورس (BTF) کے مظالم سے مسلمانوں کی جان و مال بچانے کے لئے آپ نے نہایت پامردی سے خدمات انجام دیں، ۱۹۶۰ء کے دوران بوجی لے زنٹو کے دور میں آپ نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کرتے ہوئے مشورہ دیا تھا کہ مسلمانو! اب گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، اب ہمیں عسکریت پسندوں کے خلاف برمی حکومت کا بھرپور ساتھ دینا چاہئے۔

آپ ایک دیندار اور نماز کے پابند انسان تھے، جہاں جاتے مساجد اور مدارس اسلامیہ کی حفاظت کے لئے کام کرتے تھے، جس زمانے میں آپ بوسیدنگ کے انسپکٹر تھے، اس زمانے میں جامع مسجد بوسیدنگ کا ڈھانچہ خراب ہو گیا تھا، آپ نے اپنے ذاتی پیسے کے ساتھ مسلمانوں کے تعاون سے اس کی مرمت کر دی تھی، آپ نے ۱۹۸۴ء میں انتقال کیا، منگڈو کی قبرستان میں مدفون ہیں۔

عبدالرشید صاحب،شجاع فاروی،منگڈوی

جناب محترم عبدالرشید صاحب شمالی منگڈو کی معروف بستی شجاع فارہ میں ۱۹۴۶ء کو ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک صاحب دولت ہونے کے ساتھ نہایت سخاوت پسند بزرگ تھے، جنھوں نے مسلمانوں کی خدمت کو اپنی زندگی کا شیوہ بنا رکھا تھا۔

عبدالرشید صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، بستی کے سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کرنے کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے آپ نے مٹرک کا امتحان پاس کر کے اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا تھا۔

عبدالرشید صاحب رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لے کر پڑھائی میں منہمک ہو گئے، ساتھ ہی ساتھ اس زمانے میں روہنگیا طلباء تنظیم میں شامل ہو کر ارکان کے مسلم طلباء کی نہایت عرق ریزی سے خدمات انجام دیں، آپ نے اسی یونیورسیٹی سے علم الحیوانات میں بی ایس سی (BSC) کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد برمی حکومت کے تحت نوکری لینا چاہا، اس حوالے سے ایک امتحان میں پاس بھی کیا تھا ،لیکن فائنل امتحان میں ایک مسلم ارکانی نوجوان ہونے کی پاداش میں ممتحن نے عصبیت سے کام لیتے ہوئے آپ کو امتحان میں فیل کر دیا تھا۔

جناب عبدالرشید صاحب نے برما میں آئے دن قومی عصبیت کو دیکھ کر زیر زمین چلے جانے کا فیصلہ کر لیا، اورعزم کر لیا کہ ارکان کو برمی درندوں اور مگھ وحشیوں سے ضرور آزاد کرنا چاہئے، اس نیت سے روہنگیا انڈی پینڈنٹ فورس (RIF) میں شامل ہو گئے، پھر ۱۹۷۳ء کے بعد ریف نے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کا روپ دھارا تو آپ اس سے وابستہ ہو کر بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

۱۹۸۰ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی بنیاد پڑی تو جناب عبدالرشید صاحب اس میں شامل ہو گئے، بعد میں آپ کو اسی تنظیم کی مجلس عاملہ میں چن لیا گیا، یوں قومی خدمات کے میدان میں آپ ایک انقلابی لیڈر کی حیثیت سے ایک حد تک نمایاں ہو کر سامنے آئے تھے، آپ نے مجاہدین کے معسکر میں ایک طویل وقت گزارا، ویسے آپ کو ایک مجاہد قائد بھی مانا جا سکتا ہے۔

۱۹۹۴ء کے بعد روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) دو گروپوں میں منقسم ہوئی تو آپ نے محترم ڈاکٹر محمد یونس کا ساتھ دیا، ۱۹۹۸ء کے بعد ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کا قیام ہوا تو جناب عبدالرشید صاحب پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) پھر روہنگیا نیشنل کونسل (RNC) کا ممبر

بنے، پھر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں انتشار ہوا تو آپ اس تنظیم سے علیحدگی کے بعد ار ایس او کے غیر قانونی گروپ (مولانا دین محمد گروپ) سے منسلک ہو گئے، بعد ازاں ۲۰۰۱ء میں آپ نے اس گروپ سے بھی نکل کر ار ایس او کے ایک علیحدہ دھڑے کا اعلان کر دیا تھا، لیکن اس میں آپ کو خاصی ناکامی کا چہرہ دیکھنا پڑا تھا۔

جناب عبدالرشید صاحب نہایت مدبر اور پاکیزہ صفات کے انسان تھے، آپ جو بھی کام کرتے بہت ہی سوچ سمجھ کر کرنے میں مشہور تھے، لوگوں سے نہایت تپاک سے ملتے تھے، صوم وصلاۃ کے بڑے پابند تھے، اللہ تعالی نے آپ کے اندر جذبۂ قومی وملی جیسی صفات کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، آپ عرصۂ دراز تک ٹیکناف میں مع اہل خانہ مقیم تھے، بعد میں چاٹگام منتقل ہو گئے تھے، آپ سے میرا تعارف ۱۹۸۶ء میں ٹیکناف میں ہوا، اس کے بعد موصوف جب چاٹگام میں منتقل ہو گئے، آپ سے رہ رہ کر ملاقاتیں رہی تھیں، جب بھی آپ سے ملاقات ہوتی تو آپ نہایت شفقت اور تواضع کے ساتھا پیش آتے تھے، بالآخر قوم کے اس مجاہد اور خادم بندہ نے ۲۰۰۵ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالرشید صاحب، میجر جنرل، بوری چنگی، بوسیدنگی

میجر جنرل عبدالرشید صاحب ۱۹۲۴ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی بوری چنگ میں پیدا ہوئے، آپ ایک زمیندار گھرانے کے چشم و چراغ تھے، آپ کا بچپن ناز پروردگی سے گزرا، آپ کے والدین بڑے دیندار اور نیک خو ہونے کے علاوہ قوم کے بڑے دردمند تھے، چنانچہ قوم وملت کے حالات پر ترس کھانا آپ نے اپنے خاندان اور والدین سے وراثت میں پایا، اور طویل مدت تک قومی خدمات انجام دیتے ہوئے آپ کی جان بھی بالآخر اسی راستہ پر گئی تھی۔

عبدالرشید صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ تک کی تعلیم اپنی آبائی بستی بوری چنگ میں پائی، آپ بڑے ذہین اور طرار طالب علم تھے، غیرت دینی اللہ تعالی نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی، کسی باطل کے سامنے سر جھکانا آپ کو آتا ہی نہیں تھا، آپ اپنے فیصلے میں ہمیشہ اٹل رہا کرتے تھے، آپ بڑی خوش آواز اور صاف گو بھی تھے، جسے حق جانتے اس کی اتباع کرنا اور جسے ناحق سمجھے تھے اس سے نفرت کرنا گویا آپ کا شیوہ تھا، آپ باطل کو راستے سے ہٹانے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہا کرتے تھے۔

جناب عبدالرشید صاحب ۱۹۴۸ء میں جہاد کونسل میں شامل ہوئے، عسکری تربیت کے حصول کے بعد مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے آپ نے اپنی بہادری اور حوصلہ مندی کا لوہا منوایا، موصوف شہید اعظم محمد جعفر حسین قوال کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، شہید اعظم صاحب کا آپ پر بہت اعتماد تھا، چنانچہ ہی نے آپ کی صلاحیت اور استعداد کو دیکھ کر آپ کو میجر جنرل جیسے خطاب سے نوازا تھا۔

میجر جنرل عبدالرشید صاحب محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت کے بعد جہاد کونسل سے علیحدہ ہو گئے، اور کولونگی کے مقام سے مجاہدین کے ایک بڑے دھڑا کی قیادت کرتے ہوئے جناب محمد عباس صاحب (صدر جہاد کونسل) سے مطالبہ کیا کہ قائد تحریک محمد جعفر حسین قوال کو شہید کرنے والوں کو حراست میں لے کر ان کو قابل اطمینان سزا دی جائے، لیکن جناب محمد عباس صاحب کے لئے آپ کے مطالبہ پر عمل کرنا اس وقت کے حالات کے پیش نظر ممکن نہیں ہوسکا تھا۔

میجر جنرل عبدالرشید صاحب کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے ۱۹۵۷ء اور اس کے بعد بھی بڑی بڑی جنگ لڑی تھی، ہر ایک جنگ میں آپ اور آپ کے ساتھی مجاہدین کامیاب رہے تھے، جولائی/ ۱۹۵۷ء

میں جناب صالح احمد صاحب نے آپ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا تو آپ نے قبول کرتے ہوئے دوبارہ جہاد کونسل میں شامل ہونے کو مناسب سمجھا، جہاں آپ کو نائب صدر بھی بنایا گیا تھا، لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر کونسل کی جانب سے منعقدہ کانفرس نے آپ کو معزول کر دیا تھا، جس کے بعد آپ یہاں سے کراچی پہنچے، لیکن آپ کے ہم نواؤں کی گزارش پر آپ دوبارہ یہاں تشریف لاکر جہاد کونسل میں دوبارہ شامل ہوگئے تھے۔

میجر جنرل عبدالرشید صاحب بعد میں برمی گماشتوں کے جال میں پھنس گئے تھے، اور ان کی چال بازی سے آخر تک رہا نہ ہوسکے، ۱۹۵۸ء کے اواخر میں آپ ایک بڑے دھڑا کی قیادت کرتے ہوئے جہاد کونسل کے صدر جناب صالح احمد سے اپنی رنجش کا دوبارہ اظہار کیا، لیکن صالح احمد صاحب اپنی حکمت عملی کے ذریعے آپ کو اپنانے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

۱۹۶۱ء کی ابتداء میں میجر جنرل عبدالرشید صاحب بشمول چند مجاہدین کے جہاد کونسل سے علیحدہ ہو کر برمی افواج سے ایک معاہدہ کرلیا، جس کے بعد انہوں نے برمی فوج کے سامنے ہتھیار ڈال دیا تھا، بعد میں برمی حکومت نے معاہدہ کا کوئی لحاظ نہیں کیا تو آپ نے ۱۹۶۲ء میں دوبارہ علم جہاد بلند کر دیا، مگر قوم کے اہل حل وعقد نے آپ کی آواز میں لبیک نہیں کہا تو آپ بڑے پریشان ہوگئے تھے،، لیکن پھر بھی آپ نے دوبارہ جہاد کونسل میں شامل ہونے کو مناسب نہیں سمجھا تھا۔

بالآخر نومبر/ ۱۹۶۷ء کا وہ دن آیا کہ برمی حکومت کے ایک گماشتہ نے آپ کا پیچھا کیا، چنانچہ موضع خواندنگ بوسیدنگ کے ایک گھر سے برمی فوج نے آپ کو ڈھونڈ نکال کر پتھر سے آپ کے سر کو پھوڑ دیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالسلام دو بھاشی شہید واشیلہ فاروی بوسیدنگی

شہر بوسیدنگ کے میور جناب عبد السلام صاحب معروف بہ عبد السلام دو بھاشی موضع واشیلہ فارہ بوسیدنگ میں ایک زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب امیر حمزہ چوہدری ایک صاحب ثروت، ہردلعزیز اور سخی بزرگ تھے، یوں ان کی سخاوت کا جذبہ ان کی اولاد کی طرف منتقل ہو کے آیا، چنانچہ جناب عبدالسلام صاحب دو بھاشی بھی اپنے والد کی طرح ایک سخی، ہردلعزیز اور قوم کے بڑے خادم انسان نکلے تھے۔

عبد السلام دو بھاشی صاحب کچھ بڑے ہوئے تو مکتب میں بٹھادیئے گئے، بعد میں سرکاری اردو اسکولوں میں چند جماعتیں پڑھیں، آپ کا لڑکپن کھیل کود اور شکار کرتے کرتے گزر گیا، موصوف بڑے جری، بہادر، جوان مرد اور نڈر رہنمائے قوم تھے، ساتھ ساتھ جذبۂ دینی، حمیت ایمانی اور غیرت اسلامی بھی آپ کے اندر قدرت نے کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔

بعد میں جناب عبدالسلام صاحب دو بھاشی اپنے خاندان سمیت واشیلہ فارہ سے منتقل ہو کر بوسیدنگ ٹاؤن چلے آئے، ریلوے کی خوب صورت پختہ جامع مسجد آپ نے بنائی ہے، اور چند گز دور آپ کا عالی شان مکان جو آج کل ان کی اولاد کی ملکیت میں ہے۔

۱۹۴۲ء کے معرکہ کرب بلا میں دو بھاشی صاحب نے بیش قیمت خدمات انجام دی تھیں، بعد میں سرکار انگریز کی طرف سے آپ شہر بوسیدنگ کے رئیس بلدیہ (Mayor) مقرر ہوئے، اس دوران آپ نے حمیتِ دینی اور غیرت اسلامی کا وہ مظاہرہ کیا، جو آپ جیسے غیرت مند انسان سے ہی ممکن تھی، جو کبھی بھلائے جانے کا نہیں ہے، بطور خاص یہاں کے مسلمانوں کو ظالموں کے ظلم و بربریت سے بچانے میں آپ نے بہت قیمتی اور نمایاں خدمات انجام دی تھیں، ایک نہیں بلکہ درجنوں ایسے واقعات اب بھی زبان زد خاص و عام ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک دینی غیرت کے حامل قومی رہنماء تھے، اس حوالے سے یہاں ایک واقعہ کا تذکرہ کیا جا سکتا ہے، جسے آپ کے پوتا برادر محترم جناب سراج الاسلام (مرحوم) بن امیر حکیم (موصوف راقم سطور کے قریبی دوستوں اور چاہنے والوں میں سے تھے، نہایت بلند اخلاق کے مالک اور اپنے دادا کی طرح خاصے قومی جذبہ رکھنے والا دانشور تھے) صاحب نے بیان کیا ہے کہ:

> ”ایک روز ایک مگھ پولیس نے کسی ایک مسلم کا شکار پر ظلم ڈھایا، دونوں کے درمیان خاصا جھگڑا ہو گیا، بالآخر اس مسلمان کا شتکار نے ہمت سے کام لیتے ہوئے اس پولیس والے پر زبردست حملے کے ذریعے اسے موت کی گھاٹ اتار دیا، اور موقع پاتے ہی وہ بھاگنے میں بھی کامیاب ہو گیا، اب شہر کے کوتوال نے آکر لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ مسلمانو! تم اس کا شکار کو ڈھونڈ کر نکال دو، ورنہ تمہارے اس جرم کی پاداش میں یہاں مزید خون خرابہ ہو جائے گا، یہ بکواس سنتے ہے اب عبد السلام صاحب دو بھاشی (شہر کا میور) کہیں سے آنکلے، اور لوگوں سے اپنی قومی زبان میں کہنا شروع کیا کہ ”کس نے اس پولیس کو مارا ہے بتاؤ، لیکن جو بتائے گا اسے ماردو“ یہ ذومعنی جملہ مسلمانوں نے تو سمجھ لیا لیکن مگھ لوگ اسے سمجھنے سے قاصر تھے، ویسے نہ صرف اس مظلوم و معصوم کا شتکار کی جان بچ گئی بلکہ ایک روایت کے مطابق دو بھاشی صاحب نے اس کا شتکار کو خفیہ طور پر اپنے گھر بلا کر اس کی ہمت کی داد بھی دی اور اسے بھاری انعام و اکرام سے بھی نوازا تھا“۔

جناب عبدالسلام صاحب دو بھاشی صوم و صلاۃ اور نماز باجماعت کے بڑے پابند اور غیرت دینی کے حوالے سے بہت مشہور تھے، ۱۹۴۲ء کے علاوہ ۱۹۴۷ء کے بعد ابھرنے والی جہادی تنظیموں کی بھی آپ نے خفیہ طریقے سے تعاون کیا، ہر حال میں اس زمانے کے مجاہدین کا حوصلہ بلند رکھا تھا، آپ نے اپنی مستعار زندگی میں ایک طویل مدت تک قوم و ملت کی خدمات انجام دے کر شہادت کے ساتھ اس جہان فانی سے رخصت لی۔

۱۹۵۸ء کا واقعہ ہے کہ آپ مع چند احباب واشیلہ فارہ (جہاں آپ کی وسیع و عریض زمینداری تھی) سے (شاید رات کی اندھیری میں کشتی پر سوار ہو کر) بوسیدنگ کو آرہے تھے، راستے پر مگھ دشمنوں نے آپ پر گھات لگا کر حملہ کر دیا، جس کے نتیجے میں آپ شہید ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آپ اپنی تعمیر کردہ ریلوے والی مسجد کے بغل میں مدفون ہیں، اللہ تعالی اس شہید قوم و ملت کی قبر پر باران رحمت برسائے، آمین یارب العالمین۔

عبدالشکور صاحب کمانڈر، کولونگی

کمانڈر جناب عبدالشکور صاحب جنوبی منگڈو/ علاقۂ راسیدنگ کی معروف ومشہور بستی کولونگ میں تقریبا ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے، ایک اطلاع کے مطابق موصوف ایک کھاتے پیتے خاندان کے چشم وچراغ تھے، ظاہر ہے کہ ان کی ولادت کے متعلق صحیح سن تاریخ تو معلوم نہیں ہوسکی، تاہم کہا جاتا ہے کہ وہ کمانڈر ورہنماء جناب ربیع اللہ/ راغب اللہ صاحب کے تقریبا دوتین سال چھوٹے تھے، اسی طرح آپ کے خاندان اور والدین کے حالات کے متعلق بھی کچھ زیادہ معلومات فراہم نہ ہوسکیں، ہمارے پاس بس اتنی سی معلومات بہم پہنچیں کہ ان کے خاندن کوئی مسکین یا کوئی غریب خاندان نہیں تھا، بلکہ جس طرح عرض کی گئی ہے کہ خاندان جو کچھ بھی ہو لیکن ان کا گھرانہ ایک کھاتا پیتا گھرانہ تھا۔

عبدالشکور صاحب نے قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ دینیات کی ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنی آبائی بستی کولونگ کے مکتب میں پائی، پھر سرکاری اسکول میں داخل ہوکر چند جماعتیں پڑھیں، بعد میں والد کا ساتھ دیتے ہوئے گھر بار کے کام کاج میں لگ گئے تھے۔

عبدالشکور صاحب ۱۹۵۱ء کی ابتداء میں جناب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی قیادت میں چلنے والی مجاہد تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوئے، انہوں نے جناب رشید احمد (CL) فوئما لوی سے عسکری تربیت حاصل کی، عسکری تربیت کے بعد انہوں نے مختلف معرکے میں شرکت کی، چنانچہ ان کی بہادری اور شجاعت کو دیکھ کر جناب محمد قاسم راجا صاحب نے ان کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا تھا، کہتے ہیں کہ موصوف بعد میں قاسم راجا صاحب کے مصاحب خاص میں شمار ہوچکے تھے۔

مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد جناب عبدالشکور صاحب کرنل سیف الملوک پھر کرنل راغب اللہ صاحب کے ساتھ جہادی کام کرتے رہے، موصوف بڑے غیرت مند، حق گو اور عابد قسم کے مجاہد کمانڈر تھے، اپنوں سے محبت اور خدا کے دشمنوں سے عداوت ان کی فطرت بن چکی تھی، موصوف اگرچہ مگھوں کی تاریخی بری حصلتوں اور ان کی بربریت ووحشیانہ پن کے خلاف بھی گاہے گاہے آواز اٹھایا کرتے تھے، لیکن برمی اوباش درندوں کی درندگی کے خلاف مگھوں سے ہاتھ ملانے کے بھی کسی قدر طرفدار تھے۔

کمانڈر عبدالشکور صاحب مجاہد پارٹی، کرنل مستفیض الرحمن، کرنل سیف الملوک اور کرنل راغب اللہ کی تباہی کے بعد روپوش ہوگئے تھے، بعد میں اطلاع ہے کہ انہوں نے وطن میں انتقال کیا۔

عبدالشکور صاحب داروغہ کجافوی، بوسیدنگی

جناب عبدالشکور داروغہ صاحب کی پیدائش ۱۹۰۸ء میں جنوبی بوسیدنگ کی مردم خیز بستی کجافہ، علی چنگ میں ایک زمیندار خاندان میں ہوئی، ان کے والد ایک زمیندار ہونے کے ساتھ نہایت سخی اور قوم پرست انسان تھے، انہوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

جناب عبدالشکور صاحب نے مکتب نشینی کے بعد دینیات کے علاوہ اردو کی کچھ تعلیم علاقے کے مدرسہ میں پائی، بعد میں کچھ انگریزی اور برمیز کی تعلیم بھی سرکاری اسکول میں پائی تھی، تعلیم سے فراغت کے بعد ابتداء میں خاندانی زمینداری کے کام کاج سے منسلک رہے، اس کے بعد سرکار انگریز کی پولیس میں بھرتی ہوگئے، اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے پہلے داروغہ پھر انسپکٹر جنرل بن گئے تھے۔

عبدالشکور صاحب قومی سیاست وقیادت سے بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے، البتہ ان کی ساری توجہ نظم ونسق اور انتظامی امور کی طرف مبذول رہی، موصوف بڑے باوقار شخصیت کے مالک تھے، کہتے ہیں کہ وہ صوم وصلاۃ کے نہایت پابند اور سخاوت پسند انسان تھے۔

۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا کے دوران جناب عبدالشکور صاحب نے مسلمانوں کی جان ومال، عزت وآبرو بچانے کے لئے پوری کوشش کی تھی، جنرل میر احمد صاحب ان کے قریبی دوست تھے، انہوں نے جنرل صاحب کو اس جہاد میں خصوصی طور پر گولہ بارود فراہم کیا، اور ایک روایت کے مطابق بوسیدنگ کی لڑائی میں بذات خود شریک ہوکر مگھوں سے اس علاقے کو خالی کروایا تھا، ۱۹۴۲ء کے معا بعد بوسیدنگ شہر میں جب شانتی کمیٹی قائم ہوگئی تو موصوف نت نئی حکومت کے انتظامیہ کے ساتھ منسلک ہوگئے، اور اس علاقے کے نظم وضبط کو بخوبی قائم رکھا، اس سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد مجاہد تحریک اٹھی تو انہوں نے خفیہ طریقے سے مجاہدین کو بھرپور تعاون کیا تھا، انہوں نے آخری دم تک مسلمانوں کی عزت وآبرو کے بچاؤ کی خاطر کوشش کی، اور ایک طویل مدت تک یہاں کے مسلمانوں کی دینی وقومی خدمات انجام دیتے ہوئے اس دنیا سے رخصت لی۔

عبدالشکور صاحب کی اولاد میں جناب عبدالغفور صاحب مرحوم بڑے صاحب نظر سیاست دان تھے، انہوں نے بھی اپنے والد مرحوم کی طرح اس علاقے کے مسلمانوں کی سماجی، رفاہی اور سیاسی غرض ہر طرح کی خدمات کیں، وہ اپنی بستی کے طویل مدت تک سرپنچ بھی رہے تھے۔

عبدالصمد صاحب، کمانڈر منی کلی، بوسیدنگی

معروف مجاہد کمانڈر جناب عبدالصمد صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی منی کل میں ۱۹۱۷ء میں ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک کاشتکار اور زمیندار ہونے کے ساتھ اپنی قومی ہم دردی اور سخاوت پسندی کے حوالے سے علاقے بھر میں معروف تھے۔

ظاہر ہے کہ جناب عبدالصمد صاحب ایک زمیندار اور کاشتکار گھرانے کا لاڈلا فرد تھا، یوں ان کا بچپن ناز و نعمت سے گزرا، انہوں نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی منی کل میں پائی ، ساتھ ہی ساتھ سرکاری اسکول سے چند جماعت تک اردو اور برمیز کی تعلیم بھی حاصل کی تھی، تعلیم سے علیحدگی کے بعد انہوں نے جہادی قافلہ سے دلچسپی، اور ۱۹۵۰ء میں جہاد کونسل میں شامل ہو گئے۔

جناب عبد الصمد صاحب نے کرنل رشید احمد (CL) صاحب فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی، قائد تحریک محمد جعفر حسین قوال کے زمانے میں وہ ایک عام مجاہد رہے، قوال صاحب کی شہادت حسرت آیات کے بعد وہ کرنل رشید احمد صاحب کے ساتھ فوئمالی کے محاذ کو گئے، کرنل صاحب نے ان کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنایا، مارچ/ ۱۹۵۳ء کو موری چنگ (فوئمالی) میں انہوں نے اپنی ذمہ داری نبھاتے ہوئے مگھ برمی دہشت گرد فوجوں سے دل کھول کر مقابلہ کیا تھا۔

نومبر/ ۱۹۵۳ء میں کرنل رشید احمد صاحب کے خلاف میجر آپریشن ہوا تو جناب عبدالصمد صاحب نے اپنے ماتحتی مجاہدین کی قیادت کرتے ہوئے مگھ برمیوں سے دل کھول کر مقابلہ کیا، کرنل رشید احمد اور ان کی اہلیہ گلہاروز کی شہادت کے بعد عبدالصمد صاحب نے ۲۴/ جنوری ۱۹۵۴ء میں بوسیدنگ ٹاؤن پر حملہ کر دیا، اس دوران ان کا کہنا یہی تھا کہ:

> ''جناب کرنل رشید احمد صاحب نے مع اہلیہ درجۂ شہادت حاصل کیا، ان کی شہادت کے بعد ہمارے جینے کی کوئی وجہ نہیں بنتی، یا ہماری فتح ہوگی یا ہم بھی کرنل صاحب کی طرح جام شہادت پی کر سرخرو ہوں گے''۔

چونکہ موصوف بڑے بہادر اور نڈر کمانڈر تھے، چنانچہ ان کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے مگھ برمیوں سے لڑنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، سینکڑوں کفار کو جہنم رسید کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے ہوئے بوسیدنگ جیل خانے کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

انہوں نے جب دیکھا کہ مگھ برمی وحشی درندے پس پا پا ہو رہے ہیں، تو وہ بشمول چند مجاہدین کے نماز عصر ادا کرنے کی نیت سے قریب کی مرکزی جامع مسجد کی طرف گئے، اس حالت میں برمی اوباشوں کے ایک نیا کمک نے پیچھے سے آ کر ان پر زوردار حملہ کر دیا، موصوف اور ان کے رفقاء نے آخر دم تک مقابلہ کیا، بالآخر وہ اور ان کے چند رفقاء جامع مسجد بوسیدنگ کے عین دروازے پر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف اور ان کے ساتھی مجاہدین کی شہادت کے بعد بقیہ تمام مجاہدین جہاد کونسل کے مرکز چلے گئے تھے۔

جناب عبدالقدوس صاحب کھاری فاروی

جناب عبدالقدوس صاحب منگڈو شہر کے محلہ کھاری فارہ میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب بڑے نیک اور علماء دوست اور نہایت سخاوت پسند انسان تھے،بعض جاننے والے لوگوں کے مطابق ان کی والدہ ماجدہ بھی نہایت عابدہ اور پارسا خاتون تھی۔

جناب عبدالقدوس صاحب نے ابتدائی اور متواسطہ تک کی تعلیم منگڈو میں پائی،تعلیم سے فراغت کے بعد انہوں نے تجارت کی راہ نکالی، اور ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے نام پیدا کیا،موصوف ارکان کے حوالے سے کام کرنے والوں کے ہرممکنہ تعاون کرتے رہے، ۱۹۵۰ء میں جب وزیراعظم اونو منگڈو آئے تو عبدالقدوس صاحب نے اپنے رفقاء سمیت مسلمانوں کی طرف سے آواز بھی اٹھائی اور چھ افراد پرمشتمل ایک وفد کی تشکیل دیتے ہوئے وزیراعظم سے ملاقات بھی کی، اس وفد نے برمی وزیراعظم کے سامنے ایک یاد داشت بھی پیش کی، جس میں اس وقت کے بدنام زمانہ دہشت گرد برما ٹیریٹوریل فورس (BTF) کی شکایات کرتے ہوئے مطالبہ کیا گیا کہ یہاں سے اس فورس میں شامل مگھ اور برمی دہشت گردوں کو فوراً ہٹا دیا جائے، اور ان کے مظالم سے تنگ ہوکر مشرقی پاکستان کو ہجرت کرجانے والے روہنگیا مسلمانوں کو وطن واپس لاکر ان کو دوبارہ بسانے کا بندوبست بھی کیا جائے، اور ارکانی مسلمانوں کے بنیادی انسانی حقوق کی بحالی پر بھی زور دیا گیا، چنانچہ اس کے بعد وزیراعظم نے ان مگھ اور برمی درندوں کو شمالی مغربی ارکان سے ہٹا کر جنوبی مشرق کی طرف لے جانے کا حکم دیا تھا۔

برمی وزیراعظم اونو کے دور حکومت میں ایک زمانہ ایسا بھی آیا کہ برمی حکومت نے مسلمانوں کی مذہبی آزادی پر سخت پابندی لگادی تھی، حتی کہ مسٹر اونو نے اپنے سیاسی استاد اس وقت کے ہندوستانی وزیر اعظم مسٹر جواہر لال نہرو سے مشورہ کرکے عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی پر شدید پابندی لگادی تھی، جناب عبدالقدوس اور ان کے ساتھیوں نے ان مذہبی پابندیوں کے خلاف سخت احتجاج کرتے ہوئے سر بازار عید کے دن چند گائے ذبح کئے، جس کی پاداش میں ان کو برمی حکومت کی طرف سے دیئے جانے والے سخت سے سخت ترین مظالم سہنے پڑے، لیکن موصوف اپنے احتجاج پر اٹل رہے تھے۔

عبدالقدوس صاحب نہایت جری وفعال ایک مسلمان رہنما تھے، انہوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی نمایاں خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۶۱ء میں انتقال کیا، منگڈو میں مدفون ہیں۔

عبدالمجید چوہدری صاحب بوری چنگی، بوسیدنگی

جناب عبدالمجید چوہدری معروف بہ آنتو راجا صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی بوری چنگ میں ۱۸۹۶ء میں ایک نامور زمیندار خاندان میں پیدا ہوئے، آپ کے والد اس علاقے میں اپنے دور کے سب سے بڑے زمیندار تھے، جو دین داری اور سخاوت پسندی کے علاوہ قومی ہمدردی اور ملی غیرت ونخوت کے حوالے سے بھی نہایت معروف ومشہور تھے۔

جناب عبدالمجید صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں اور متوسطہ تک کی تعلیم تنگ بازار میں پائی، مزید تعلیم کے لئے کوشش تو کی مگر کام نہ بن سکا تعلیم سے علیحدگی کے بعد آپ اپنی موروثی زمینداری کے کام کاج میں مشغول ہوگئے، بچپن سے آپ زیادہ سے زیادہ شکار کو جانا پسند کرتے تھے، اس دوران آپ کے ساتھ علاقے کے لوگوں کا جم غفیر بھی ہوتا تھا، آپ کی یہ عادت جوانی سے لے کر بڑھاپے کے زمانے تک برابر جاری تھی، ویسے آپ شکار کرنے کے دوران حادثہ کے شکار ہو گئے جس کے نتیجے میں آپ کا پاؤں ٹوٹ گیا تو آپ لولے ہوگئے تھے، باوجود یہ کہ پاؤں کا بہت علاج ومعالجہ کرایا گیا، لیکن آخر تک ٹھیک نہیں ہوسکا تھا۔

۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران آپ نے اپنے علاقے سے بھاری تعداد میں مجاہدین کی ترتیب دی، اور بذات خود ان کی قیادت کرتے ہوئے مگھ برمی دہشت گردوں کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کیا، آپ نے اپنی منظم اور مرتب افواج سمیت شہر بوسیدنگ پر حملہ کردیا، اور کامیاب ہونے کے بعد شمالی بوسیدنگ پر مشتمل ایک سانتی کمیٹی کی تشکیل دی، جس میں آپ صدر رہے، غالباً ۱۹۴۲ء میں کئے جانے والے جہاد کے بعد علاقہ والوں نے آپ کو راجا کا خطاب دیا ہو، راجا کے خطاب ملنے کے بعد عبدالمجید صاحب نے اپنے علاقے میں اسلامی نظام نافذ کردیا اور تعلیم پر زور دیتے ہوئے اسکولوں اور مدرسوں کو وسیع پیمانے میں تعاون کیا تھا، بعد میں آپ کی اس کوشش کا نتیجہ خوب سے خوب تر نکلا۔

آپ بڑے فراخ دل، روشن خیال، سخی اور دین دار انسان ہونے کے علاوہ بڑے علم دوست بھی تھے، علمائے کرام کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، آپ نے ۱۹۶۷ء میں انتقال کیا۔

عبدالمناف صاحب، سیاسی، کھاری فاروی، منگڈوی

جناب عبدالمناف صاحب شہر منگڈو کے معروف محلہ کھاری فارہ میں ۱۹۳۰ء میں ایک مثقف اور متمول گھرانے پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب نہایت متقی اور سخی انسان تھے، وہ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کے سامنے نہایت محبت سے پیش آتے تھے، وہ طالب علموں کو تعاون کرنے میں بڑی خوشی محسوس کرتے اور لوگوں کو بھی نادار طالب علموں کو تعاون کرنے کی طرف رغبت دلایا کرتے تھے۔

جناب عبدالمناف صاحب نے اردو کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، علاقے کے سرکاری اسکولوں سے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے مٹرک کا امتحان پاس کر کے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی سے بی کام کی ڈگری حاصل کی، آپ کو اردو، اور برمیز کے ساتھ انگریزی زبان میں بھی بڑی قدرت حاصل تھی۔

رنگون میں دوران تعلیم جناب عبدالمناف صاحب روہنگیا یوتھ لیگ کے عرصۂ دراز تک صدر رہ چکے تھے، مگھ طلباء آپ کو ان کا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے، ویسے آپ کے ساتھ مگھ طلباء کی آئے دن لڑائی جھگڑا ہوتا تھا، لیکن آپ نے کبھی ہمت نہیں ہاری، آپ ان مگھوں کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیا کرتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب عبدالمناف صاحب نے قومی سیاست سے دلچسپی لی، آپ کی قیادت میں ارکانی مسلمانوں نے مگھوں کے ارکان کو ان کے لئے ایک علیحدہ ریاست بنانے کا جو خواب دیکھا اسے چکنا چور کر دیا تھا، آپ بڑے زیرک اور ہشیار سیاست دان تھے، بات بڑی سوچ سمجھ کر کیا کرتے تھے، وعدے اور زبان کے بڑے پکے تھے، جو بھی کہتے اسے کر گزرنے کے ماہر تھے، چنانچہ آپ کے سیاسی رفیق جناب رشید احمد بامونگ بوسیدنگی صاحب آپ کے بڑے مداح تھے، بطور خاص آپ کی زبان دانی اور سیاسی بصیرت پر وہ بڑے حیران اور ششدر رہتے تھے۔

جناب عبدالمناف صاحب نے رنگون میں سرکاری نوکری لی، ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے رجسٹرار اکاؤنٹنگ (RA) کے افسر بن چکے تھے، یوں آپ کے نام کے ساتھ ارائے کا لفظ چسپاں ہو گیا تھا، لوگ آپ کو ارائے عبدالمناف کے طور پر جانتے تھے۔

آپ نے رنگون میں رہ کر ارکانی مسلمانوں کی بڑی بڑی سیاسی خدمات سرانجام دیں، آپ طلباء کو نہایت محبت اور شفقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اللہ تعالی آپ کی قبر پر باران رحمت برسائے، آمین۔

عبدالمنعم خان صاحب، مدبر سیاسی، اکیابی

جناب ماسٹر عبدالمنعم خان صاحب ارکان کے حالیہ دار الحکومت اکیاب میں ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد صاحب ایک دین دار ہونے کے ساتھ بڑے صاحب ثروت اور سخی آدمی تھے، وہ مسلم بچوں کو تعلیم دلوانے کے لئے ہر قسم کی امداد اور تعاون کرتے تھے۔

جناب عبدالمنعم خان صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی محلے میں پائی، مکتب میں قرآن کریم کے ناظرہ کے ساتھ اردو کی کچھ تعلیم حاصل کی، ساتھ ہی ساتھ سرکاری اسکول سے ابتدائی، متوسطہ اور مٹرک پاس کرنے کے بعد اعلی تعلیم کے لئے بھرپور کوشش تو کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب عبدالمنعم خان صاحب بوسیدنگ ہائی اسکول میں استاد مقرر ہوئے، بعد میں منگڈو پوسٹنگ ہوئے، ویسے بے شمار ارکانی مسلم طلباء ان کے شاگردوں میں سے تھے، اس زمانے میں میدان علم وثقافت میں ان کی خدمات کے ہر کجا گن گائے جاتے تھے، موصوف بحیثیت استاد ایک کامیاب انسان نکلے۔

عبدالمنعم خان صاحب قومی خدمات کے میدان میں بھی آگے آگے رہا کرتے تھے، ارکان میں جمعیت علماء قومی سطح پر سامنے آئی تو وہ اس میں شامل ہو گئے، جہاں انہوں نے بڑی بڑی قومی خدمات انجام دیں، جہاں بھی جمعیت کے پروگرام ہوتے ان کو وہاں پیش پیش دیکھا جاتا تھا، موصوف علمائے اسلام کے بڑے خیر خواہ اور مداح تھے، علمائے اسلام کی بے احترامی ان کو کبھی بھی برداشت نہیں ہوتی تھی۔

ماسٹر صاحب ایک سیاسی مدبر ہونے کے ساتھ ایک ثقافتی ذہنیت کے انسان بھی تھے، طلباء کو عموما اور اپنے شاگردوں کو خصوصا کہا کرتے کہ:

> "تمہیں مستقبل میں اپنی قوم کے لئے بہت کچھ کرنا ہے، اس لئے تمہیں جھگڑے فساد سے دور رہ کر اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دینا چاہئے، ظاہر ہے کہ مگھ برمی لوگ تمہیں یہاں بہت تنگ کرتے ہیں اور تنگ کرتے رہیں گے، تمہیں علم وفن کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر ان کو ہر ایک میدان میں مات دینے کی کوشش کرنی ہوگی"۔

ماسٹر صاحب ایک دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک مفکر تھے، موصوف نے زندگی کے آخری ایام اپنے علاقے اکیاب میں گزار کر اس جہان فانی سے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

عبدالوحید صاحب، ابومحمد، صوفی، انجینئر، شجاع فاروی، منگڈوی

انجینئر ابومحمد عبدالوحید بن حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب کی ولادت ۲۳/اکتوبر/۱۹۲۳ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی شجاع فارہ میں ہوئی، آپ کے والد مرحوم حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب جلیل القدر عالم دین، مصلح اور معلم بزرگ تھے، جنہوں نے علاقۂ پدوا (جنوبی چاٹگام) کے علاوہ منگڈو کے علاقے میں تعلیم کے فروغ کے لئے خاصے کام کئے، اور جناب عبدالوحید صاحب کے بیان کے مطابق آپ کی والدہ بھی ایک پڑھی لکھی ہونے کے علاوہ علمائے دین کے ساتھ لگاؤ رکھنے والی خاتون تھیں، علاوہ ازیں آپ کے دو بڑے بھائی جناب فیاض الدین احمد فیضیؔ اور جناب ماسٹر ظہیر الدین بی اے علیگ صاحبان قومی سیاست وقیادت کے میدان میں گویا ہیرو تھے، جن کی قومی اور دینی خدمات کو تاریخ ارکان کبھی بھولے سے بھی بھلا نہیں سکتی۔

جناب عبدالوحید صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی شجاع فارہ میں ہوئی، جہاں انہوں نے قرآن کریم کے ناظرہ اور دینیات کی کچھ کتابیں پڑھیں، آپ بستی کے سرکاری اسکول سے پرائمری کرنے کے بعد شقدار فارہ ہائی اسکول میں داخل ہوئے، ساتھویں جماعت تک کی تعلیم وہیں سے پاکر اگلی تعلیم کے لئے رنگون پہنچے، اور اسلامیہ ہائی اسکول بوٹا ٹونگ رنگون سے مٹرک پاس کیا، رنگون میں آپ نے ہمارے معروف قومی لیڈر اور مایۂ ناز سیاست دان جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب مرحوم سے بھرپور استفادہ کیا تھا، شاید ان ہی کا اثر ہو کہ جناب عبدالوحید صاحب کانگریسی طرز کی سیاست کو پسند کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں ارکان میں قتل عام شروع ہوا تو جناب عبدالوحید صاحب ترک وطن کر کے اعلی تعلیم کے لئے ہندوستان پہنچے، اور مسلم یونیورسیٹی علی گڑھ میں داخل ہوگئے، جہاں سے آپ نے الکٹرونیک انجینئرنگ میں بی ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب انجینئر عبدالوحید صاحب مغربی پاکستان پہنچے، لاہور میں آپ نے سرکاری نوکری لی، ۱۹۵۲ء میں آپ مشرقی پاکستان (حالیہ بنگلادیش) چلے آئے، اور یہاں آکر آپ گورنمنٹ سروس میں بھرتی ہوگئے تھے۔

چونکہ عبدالوحید صاحب ایک ذی استعداد انجینئر تھے، تو بنگلہ دیش بننے کے بعد حکومت بنگلادیش نے آپ کو منسٹری آف انرجی میں پوسٹنگ کیا، یہاں آپ نے ترقی کے مختلف مدارج طے کئے، چنانچہ آپ

۱۹۷۲ سے ۱۹۸۴ء تک منسٹری آف انرجی کے چیرمن رہے تھے، آپ ۱۹۸۵ء میں اپنے عہدے سے سبکدوش ہوکر چاٹگام میں مستقل سکونت پذیر ہوگئے، اور مرتے دم تک وہیں مقیم تھے۔

انجینئر جناب عبدالوحید صاحب تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک مختلف ثقافتی، سماجی اور رفاہی کاموں/ پروگراموں سے منسلک رہنے کے علاوہ ارکانی مسلمانوں کی خیرخواہی کے لئے کام کرنے والی مختلف منظمات سے وابستہ تھے، جن میں روہنگیا فدائین محاذ (RPF) اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) قابل ذکر ہیں۔

۱۹۷۵ء میں چاٹگام میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کی تاسیس میں جناب عبدالوحید صاحب پیش پیش تھے، غالبا ۱۹۹۵ء کے بعد آپ اس سوسائٹی کے چیرمن بھی منتخب ہوئے تھے، چونکہ قومی خدمات کے علاوہ ثقافتی اور رفاہی خیالات آپ نے اپنے خاندان سے وراثت میں پائے تو ہر کجا آپ کے روشن خیالات وافکار روہنگیا قوم کے کام آئے، آپ اپنے عظیم بھائیوں کی طرح قومی خدمات کے میدان سے اپنی عملی زندگی کی ابتداء سے مرتے دم تک وابستہ رہے تھے۔

پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی گئی ہے کہ جناب انجینئر عبدالوحید صاحب کے دو بزرگ ترین بھائی جناب فیاض الدین احمد فیضیؔ اور جناب ماسٹر ظہیر الدین بی اے علیگ اپنے زمانے میں قومی خدمات کے میدان میں ہمیشہ پیش پیش تھے، ٹھیک اسی طرح انجینئر صاحب کے اور دو بڑے بھائی جناب شہاب الدین احمد اور جناب محی الدین احمد صاحبان بھی قومی خدمات کے میدان میں پیچھے نہیں تھے، ان دونوں نے بھی اپنی اپنی استعداد اور لیاقت کے مطابق قوم کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں، اللہ تعالی ان بزرگوں کی قبروں پر باران رحمت برسائے۔

انجینئر صاحب کے خاندان کے بہت سارے بزرگ ساتکانیہ مرزا کیل کی خانقاہ سے وابستہ تھے، جو حضرت شیخ العارفین، حضرت فخر العارفین اور حضرت شمس العارفین کے مریدوں میں سے تھے، چنانچہ جناب ماسٹر ظہیر الدین بی اے علیگ نے اپنی گرانقدر تصنیف ''زبان مشرقی بنگال وارکان'' میں اس حوالے سے تذکرہ کیا ہے، اور تو اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ خود ماسٹر ظہیر الدین صاحب بھی حضرت فخر العارفین کے بعد حضرت شمس العارفین کے مرید خاص تھے، اس خاندن کے بہت سارے بزرگ اپنے آپ کو صوفی کہہ کر متعارف کیا کرتے تھے، چنانچہ جناب عبدالوحید صاحب بھی اپنے نام کے ساتھ لفظ صوفی ملحق رکھا کرتے تھے۔

انجینئر جناب صوفی عبدالوحید صاحب ایک دیندار، پرہیزگار، اورخداترس دانشور ہونے کے علاوہ ایک جہاں دیدہ انسان تھے، ارکانی مسلمانوں کے ساتھ آپ کشمیر اور فلسطینی مسلمانوں کے حالات پر ہمیشہ تڑپا کرتے تھے، روہنگیا مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف جہاد کرنے والوں سے آپ بڑی محبت رکھتے اور یہاں کے مسلمانوں کی خیرخواہی کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے، آپ نے غالبا۲۰۱۲ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، وہاں کی معروف قبرستان ''سوتوئنہ گلی'' میں مدفون ہیں۔

عبدالہادی داروغہ صاحب تامیوی، بوسیدنگی

جناب عبدالہادی بن زہیر ملوک بن عبدالمطلب کی ولادت ۱۹۱۳ء میں شمالی بوسیدنگ کی مشہور بستی تامی میں ہوئی، کہتے ہیں کہ ان کے والد جناب زہیر ملوک صاحب نہایت دین دار، زمیندار اور سخی انسان تھے، وہ علمائے کرام سے نہایت محبت اور احترام سے پیش آیا کرتے تھے۔

جناب عبدالہادی صاحب بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی تعلیم بستی تامی کے مکتب اور سرکاری اسکول سے پاکر بوسیدنگ ہائی اسکول میں داخل ہوئے، وہیں سے متوسطہ تک کی تعلیم حاصل کر کے ان کے آبائی علاقہ ارکان کے قدیمی دارالحکومت پتھری قلعہ گئے، اور نویں جماعت کا امتحان وہیں سے پاس کیا تھا۔

کہتے ہیں کہ ان کے خاندان کا تعلق ارکان کے دارالسلطنت پتھری قلعہ سے تھا، جناب مرحوم زہیر ملوک اور ان کا بھائی پتھری قلعہ کے زمیندار تھے، یہ دونوں بھائی کسی نامساعد حالات کے پیش نظر شمالی مغربی ارکان کے علاقے میں آبسے تھے، بعد میں حالات ٹھیک ہوئے تو دوبارہ وہاں واپس تو چلے گئے تھے، لیکن ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران انہوں نے ترک وطن کر کے شمالی مغربی ارکان میں پناہ لی تھی۔

عبدالہادی صاحب نویں جماعت کے امتحان پاس کرنے کے بعد پولیس میں بھرتی ہو گئے، پہلے سرجن پھر داروغہ کے عہدہ پر فائز ہوگئے، انہوں نے اپنے منصب سے صحیح اور بجا طور پر فائدہ اٹھا کر مختلف اوقات میں وطن کے پریشان حال مسلمانوں کو سہارا دیا، اہل وطن کو ظالموں کے ظلم و بربریت سے بچانے کی کوشش کی، موصوف ارکان کے مختلف علاقوں میں پوسٹنگ ہوتے رہے، جہاں بھی پوسٹنگ ہوئے وہاں اہل وطن کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی، جہاں بھی پہنچے مسلمانوں کو ظالموں کے پنجے سے بچانے کی حد سے زیادہ کوشش کی، جس میں وہ کسی قدر کامیاب بھی تھے۔

عبدالہادی صاحب کی پہلی اہلیہ محترمہ جناب عبدالباری چوہدری کی بیٹی تھی، جن کا نام عاصمہ خاتون تھا، مذکورہ اہلیہ کے انتقال کے بعد انہوں نے عزیزہ بیگم بنت مولانا مظہر الحق صاحب اکیابی سے نکاح کیا تھا۔

جناب عبدالہادی صاحب کو میں نے جہاں تک دیکھا کہ موصوف نہایت خلیق، کم گو اور اپنے زمانے میں بڑے بااثر و رسوخ انسان تھے، صوم و صلاۃ کے نہایت پابند تھے، مدرسوں اور اسکولوں کے بڑے خیرخواہ تھے، طالب علموں کو بہت محبت اور نہایت شفقت کرتے تھے، موصوف ۱۹۷۴ء میں پنشن لے کر شہر بوسیدنگ میں رہائش پذیر تھے، جہاں ان کا انتقال ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جناب عبدالہادی صاحب کے تین صاحب زادوں کو میں نے قریب سے دیکھا،جن میں سے دو یعنی جناب ماسٹر عبدالحکیم صاحب اور جناب عبدالرزاق صاحب معروف بہ شوے ماؤنگ کے تذکرے میرے اس حقیر سلسلۂ کاوش کی زینت بنے ہیں،علاوہ ان دونوں کے عبدالہادی صاحب کا اور ایک صاحب زادہ جناب عبدالرحمن صاحب بھی ہیں، جو تادم تحریر سعودی عرب کے شہر جدہ میں مع اہل خانہ مقیم ہیں،موصوف اپنے والد اور دونوں بڑے بھائیوں کی طرح دانشور ہونے کے ساتھ نہایت دین دار، پرہیزگار اور قوم وملت پر فدا انسان ہیں،سعودی عرب میں ان سے میری آئے دن ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں، جب بھی ملتے نہایت تپاک سے ملتے اور قوم کی بہبودی کے حوالے سے زیرزمین کام کرنے والوں کے حالات پوچھتے رہتے تھے،اللہ تعالی جناب عبدالہادی صاحب کے ساتھ ان کی تمام اولاد کی کوششوں کو قبول کرے،آمین یارب العالمین۔

عزیزالرحمن صاحب قادربیلی منگڈوی

جناب عزیزالرحمن صاحب کی ولادت جنوبی منگڈو کی بستی قادربیل میں تقریبا ۱۸۹۶ء میں ایک دین دار اور صاحب ثروت گھرنے میں ہوئی،ان کے خاندان کا شمار علاقے کے بااثر خاندانوں میں ہوتا تھا،ان کے والد صاحب قوم کے خیرخواہ سخی بزرگ تھے۔

جناب عزیرالرحمن صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی ،اس کے بعد وہ منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے نویں جماعت تک کی اردو اور انگریزی کی تعلیم حاصل کی،لوگ ان کی اردو تحریر کے گن گایا کرتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جناب عزیرالرحمن صاحب قومی جذبے کے حامل انسان ہونے کے ساتھ شعروسخن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے،خاص طور پر مرزا اسداللہ خان غالبؔ اور علامہ اقبال کے کلام کے شیدائی تھے، ۱۹۴۲ء کے بعد ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ منگڈو ٹاؤن کے بازار میں مسلمان جبھی سوداسلف کے لئے جاتے تو مگھ اوباش شرپسند عناصر مسلمانوں کو تنگ کرتے تھے،ایسے حالات میں وہ آگے بڑھے اور مسلمانوں کے لئے بڑی کوشش کے بعد مایونگ خالی کے بازار کی بنیاد رکھی، یوں یہ بازار جو ایک قومی جذبہ کی بنیاد پر آباد ہوا تھا وہ ان کے ہاتھوں ہوا تھا۔

شادی وخانہ آبادی کے بعد عزیرالرحمن صاحب حج بیت اللہ کی نیت سے جہاز پہنچے، حج اور زیارت مدینہ سے فارغ ہونے کے معاً کے بعد وطن واپس آکر قومی اور ملی خدمات سے دوبارہ وابستہ ہو گئے ،کہتے ہیں کہ موصوف بڑے دین دار اور پرہیزگار ہونے کے ساتھ نہایت زیرک اور ہشیار سیاست دان تھے،اللہ تعالی نے قومی اور ملی جذبے ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے۔

۱۹۴۲ء کے ہنگامے میں انہوں نے اپنی جان ومال سے مجاہدین کا بھرپور تعاون کیا اور اپنی دولت دل کھول کر راہ خدا میں صرف کی، ۱۹۴۲ء کے بعد پیس کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو وہ اس کے ممبر چن لئے گئے، اس کمیٹی کے ایک سینئر ممبر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے بڑی بڑی قومی وملی خدمات انجام دی تھیں۔

موصوف بڑے کم سخن مگر نہایت جراتمند اور فعال سیاست دان تھے، انہوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی خدمات انجام دیتے ہوئے تقریبا ساٹھ سال کی عمر میں ۱۹۵۶ء میں انتقال کیا۔

عزیز الرحمن صاحب کمانڈر، دھونسے فاروی منگڈوی

جناب عزیز الرحمن صاحب کی پیدائش جنوبی منگڈو/علاقۂ راسیدنگ کی بستی دھونسے فارہ میں تقریباً ۱۹۲۷ء میں ہوئی، ان کے والد صاحب ایک دولت مند سخی ہونے کے ساتھ نہایت دین دار اور قومی جذبے رکھنے والے بزرگ تھے، جنہوں نے ۱۹۴۲ء میں قوم کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

عزیز الرحمن صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم بستی کے مکتب میں پائی، بعد میں اسکول میں بٹھا دیئے گئے لیکن انہوں نے اپنی تعلیم کو مزید آگے نہیں بڑھا سکا، اس کے بعد وہ گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے، کہتے ہیں کہ انہوں نے چند مہینے تجارت سے بھی دل چسپی لی تھی، لیکن اس میں ناکام ہو گئے، جس کے بعد عرصۂ دراز تک بے کار ادھر ادھر پھرتے رہے تھے۔

عزیز الرحمن صاحب ۱۹۵۰ء کے اوائل میں قاسم راجا صاحب کی قیادت میں زیر زمین کام کرنے والی تنظیم "مجاہد پارٹی" میں شامل ہو گئے، انہوں نے جناب رشید احمد (CL) فونما لوی سے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکے میں شرکت کی، بعد میں آپ کی صلاحیت ولیاقت کو دیکھ کر راجا صاحب نے ان کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا، جس کے بعد ان کی صلاحیت میں مزید نکھار آیا تھا۔

کہتے ہیں کہ جناب عزیز الرحمن صاحب بڑے نیک، حلیم الطبع ظلم وستم کے متنفر ہونے کے ساتھ جہاں بھی رہتے مجاہدین کو اپنوں سے محبت کرنے کی تلقین کرنے والے ایک جانباز کمانڈر تھے، مجاہد تو مجاہد بلکہ انہیں کسی بھی انسان کا دل جلانا آتا ہی نہیں تھا، کسی بھی انسان سے بدسلوکی کو وہ ایک عظیم خطا اور بڑا گناہ سمجھتے تھے، ان کے نزدیک ایک مسلمان کے لئے اس دنیا میں سب سے بڑی عبادت ظلم و عدوان کے خلاف جہاد اسلامی میں حصہ لینا تھا۔

عزیز الرحمن صاحب محمد قاسم راجا کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، وہ مجاہد پارٹی میں بطور ذمہ دار مختلف کام سرانجام دیتے رہے، ان کے کسی بھی ساتھی سے ان کی شکایت نہیں سنی گئی، وہ جہاں بھی گئے عام مسلمانوں کے ساتھ نہایت خیر خواہی سے پیش آئے، انہوں نے ہر کجا مسلمانوں کے دلوں میں داغ محبت بیٹھا گئے، ویسے روہنگیا عوام ان کو دل وجان سے زیادہ چاہتے اور ان پر اعتماد کرتے تھے۔

مجاہد پارٹی کی مکمل تباہی کے بعد عزیز الرحمن صاحب روپوش ہو گئے، بعد میں انہوں ارکان میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علی احمد صاحب، ماسٹر، بانگونوی منگڈوی

محترم ڈاکٹر محمد یونس (صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے والد گرامی ماسٹر علی احمد بن تعظیم الدین بن واعظ الدین صاحب کی پیدائش ۱۹۱۰ء میں جنوبی منگڈو کی معروف ومردم خیر بستی بانگونہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم علاقے میں پائی، اپنے چچا زاد بھائی ماسٹر امیر حمزہ (اس خاندان کے علمی مربی) سے اردو اور برمیز کی تعلیم حاصل کی، آپ نے ساتویں جماعت تک اردو اور برمیز میں تعلیم پا کر مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینا شروع کیا، شاعرہ فارہ منگڈو کے اسکول میں اپنے استاد ماسٹر امیر حمزہ کے ساتھ مسلم بچوں کو اردو کی تعلیم دینے کا شرف حاصل کیا، تدریس کے حوالے سے آپ نے ارکان کے مختلف اسکولوں میں بچوں کو پڑھایا، جن میں شمالی منگڈو کی معروف بستی نائن چنگ اور واری چنگ بوسید نگ کے اسکولز قابل ذکر ہیں۔

ماسٹر صاحب نے مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے کے ساتھ اپنی اولاد کو بھی اچھی خاصی تعلیم دی اور دلوائی، چنانچہ ماسٹر صاحب کی اولاد کے حوالے سے درج ذیل اجمال ملاحظہ ہو:

(۱) ماسٹر سلامت اللہ بن علی احمد: آپ کی ولادت بانگونہ منگڈو میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقہ میں پا کر حکومت کی نوکری اختیار کی، آپ نوکری کے سلسلے میں سنڈوے وغیرہ علاقے میں رہ چکے تھے۔

(۲) ماسٹر محمد ہارون (کرانی) آپ کی ولادت بھی بانگونہ منگڈو میں ہوئی، ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقے میں پا کر اعلیٰ تعلیم کے لئے رنگون گئے، چونکہ آپ کے بھائی ڈاکٹر محمد یونس کو بھی رنگون پڑھنا تھا، تو والد ماجد کی اقتصادی ومعاشی کمزوری کی وجہ سے ہارون صاحب کو رنگون سے واپس بلا لیا گیا، بعد میں آپ نے بھی اپنے بڑے بھائی کی طرح حکومت کی نوکری اختیار کی، راسیدنگ وغیرہ علاقہ جات میں کام کئے، منگڈو وٹاون شپ کے اسسٹنٹ ڈی سی کے منصب پر بھی فائز ہوئے تھے، آپ کے صاحب زادوں میں انعام الحسن راقم السطور کے قریبی ساتھیوں میں سے ہے، جو آج کل سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم ہے۔

(۳) ڈاکٹر محمد یونس صاحب: ظاہر ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہماری تاریخ کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے متعلق کم سے کم ایک جلد پر مشتمل سوانح حیات لکھنے کی ضرورت ہے، الحمد للہ جو لکھی بھی جا چکی ہے، اگر خدا کرے تو یہ سوانح حیات جلد شائع ہونے والی ہے۔

(۴) محمد طاہر صاحب: آپ نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم علاقے میں پاکر اعلیٰ تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، رنگون یونیورسیٹی سے بی ایس سی کر کے وطن واپس آئے، بعد میں روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہوئے، ۱۹۸۵ء کے دوران بعض وجوہات کی بنیاد پر ارایس او کے بعض لیڈروں سے آپ کا اختلاف ہوا، لیکن بعد میں اس پارٹی کے مجلس عاملہ کے سرگرم رکن بنے، آج کل اپنے بڑے بھائی صدر ارایس او ڈاکٹر محمد یونس کے دست راست کے بطور کام کرتے ہیں، چاٹگام میں مقیم ہیں، اللہ تعالی مزید خدمات کی توفیق دے۔

(۵) سید جوہر صاحب: حافظ القرآن تھے، تین چار جماعت تک برمیز بھی پڑھ چکے تھے، آج کل بنگلا دیش میں مقیم ہیں۔

(۶) زین العابدین صاحب: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنی بستی باغکونہ میں پائی، متوسطہ کی تعلیم منگڈو کے ایک اسکول میں پاکر منگڈ وہائی اسکول سے مٹرک پاس کیا، بعد میں روہنگیا سالیڈیرٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہوئے، ۱۹۹۴ء کے جہاد میں عملا شریک ہوئے، جنوبی منگڈو کے علاقے میں جہادی پروگرام کے ساتھ منسلک رہے، غازی بنے، غالبا ۱۹۷۹ء کے بعد رابطۃ العالم الاسلامی کے زیر سایہ چلنے والا ہاسپتال "مستشفی رابطۃ العالم الاسلامی مرچہ پالنگ" میں دوسال کا ایک بیلیج ڈاکٹری کی تربیت بھی حاصل کی، جس سے قوم کا بہت ہی فائدہ ہوا تھا، آج کل بنگلادیش میں مقیم ہیں۔

(۷) حسن جوہر صاحب: اٹھویں جماعت تک تعلیم پائی، بعد میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

(۸) ڈاکٹر حسین جوہر صاحب: آپ نے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم اپنے علاقے میں پاکر رنگون یونیورسیٹی سے BSC کی، اس کے بعد ملائشیا پہنچے، اور وہاں کی ایک یونیورسیٹی سے ایم اے اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں، مدت دراز تک ملائشیا یونیورسیٹی میں لکچرر رہنے کے بعد بحیثیت لکچرر جدہ یونیورسٹی آف سعودی عرب بھی گئے ہوئے تھے، مگر ایک سال سے زیادہ ہاں نہ ٹک سکے، اس کے بعد پھر ملائشیا یونیورسٹی میں منتقل ہوگئے تھے، آج کل اسٹرالیا کی ایک یونیورسیٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہیں، آپ کی شادی جناب مرحوم ابوالفیض بن ابوالحسین رواسوگری نیا فاروی کی صاحب زادی سے ہوئی، اللہ تعالی آپ کی حیات دراز کرے اور قوم وملت کے کام آنے کی توفیق سے نوازے۔

(۹) حاجرہ خاتون: تعلیم یافتہ ہے، جو آج کل پاکستان میں مقیم ہے۔

(۱۰) سارہ خاتون: یہ ماسٹر علی احمد صاحب کی آخری اولاد ہے، جن کی شادی ماسٹر شبیر احمد شہید سے

ہوئی، ماسٹر شبیر احمد صاحب کے متعلق میری کاوش "تاریخ ارکان کے درخشاں ستارے" میں کچھ تفصیلات موجود ہیں، سارہ خاتون ایک شہید کی بیوہ ہیں، جو آج کل چاٹگام بنگلا دیش میں مقیم ہے۔

ماسٹر علی احمد صاحب نہایت خلیق، مسلمانوں کے خیر خواہ اور نستعلیقی کیفیت کے مالک انسان تھے، نظافت پسندی آپ کا شیوۂ زندگی بن چکی تھی، مسلمانوں کے بچوں کو تعلیم دینے میں آپ بڑے مخلص انسان مانے جاتے تھے، اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن دانشمندانہ تھا، صاف اور شفاف گفتگو کرتے تھے، آپ کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا، باغکونہ منگڈو میں مدفون ہیں۔

علی جوہر صاحب، انسپکٹر، وکیل فاروی، منگڈوی

اڈووکٹ جناب علی جوہر صاحب کی پیدائش تقریبا ۱۹۰۵ء میں منگڈو کے معروف محلہ وکیل فارہ میں ہوئی، آپ کا خاندان ایک دیندار اور علم دوست خاندان تھا، آپ کے والد صاحب نہایت علم وعلماء دوست بزرگ تھے، وہ طلبائے مدارس اسلامیہ کو بڑی شفقت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

علی جوہر صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد اپنے آبائی محلہ کے مکتب سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم پائی، ساتھ ہی ساتھ محلہ کے سرکاری اسکول سے چوتھی جماعت پاس کر کے ارکان کے دارالحکومت اکیاب گئے، وہیں سے مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا، کہتے ہیں کہ آپ نہایت ذہین وفطین طالب علم تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب علی جوہر صاحب برطانوی حکومت کے محکمۂ پولیس میں بھرتی ہو گئے، اور ترقی کے مختلف مدارج طے کرتے ہوئے SP ہو گئے تھے، برطانوی دور کے اواخر میں وہ منگڈو ٹاؤن کے داروغہ بنے، ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی کاموں سے بھی منسلک ہو کر وسیع پیمانے پر رفاہی اور فلاحی کام سرانجام دیتے رہے تھے۔

۱۹۴۲ء کے واقعۂ جان سوز کے دوران آپ نے مجاہدین اسلام کا بھرپور تعاون کیا، آپ نے خفیہ طریقے سے مسلم مجاہدین کو گولہ بارود اور ہتھیار فراہم کئے، چنانچہ بعض جاننے والوں کا کہنا ہے کہ اگر اس وقت آپ اور آپ جیسوں کے تعاون مسلم مجاہدین کو نہیں ملتے تو مسلمان مجاہدین کو اس وقت جو کامیابیاں ملی تھیں وہ شاید مل پاتیں، اللہ تعالی ان پر رحم فرمائے۔

۱۹۴۲ء میں مسلمانوں نے جہاد کے نتیجے میں شمالی مغربی ارکان کے علاقے کو مگھ اور برمی دہشت گردوں سے خالی کر کے یہاں پیس کمیٹی کی تشکیل کی تو آپ نے اس کمیٹی میں شامل ہو کے علاقے کا انتظامیہ سنبھالا، چنانچہ بعض جاننے والوں کے مطابق آپ نے پیس کمیٹی کے مرکزی دفتر کے بحیثیت اعلی افسر انتظامی امور کو بڑی حسن وخوبی سے انجام دیا تھا۔

برما کی آزادی کے بعد آپ منگڈو ٹاؤن شب کے انسپکٹر مقرر ہوئے تھے، عمر کے آخری حصے میں آپ پنشن لے کر عبادت الہی میں منہمک ہو گئے تھے، اور اس حالت میں آپ نے پچھتر سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

علی جوہر صاحب، اڈووکٹ وکیل فاروی، منگڈوی

اڈووکٹ جناب علی جوہر صاحب منگڈو کے معروف محلہ وکیل فارہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد جناب اڈووکٹ عبدالجلیل صاحب بھی برطانوی دور حکومت میں ایک کامیاب وکیل تھے، وہ ایک دیندار اور سماجی آدمی ہونے کے ساتھ مسلم بچوں کی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ رکھتے تھے، اور خاندانی اعتبار سے آپ کا خاندان ایک علمی اور فکری خاندان رہا تھا، کہتے ہیں کہ محلہ وکیل فارہ آپ کی طرف منسوب ہے۔

جناب علی جوہر صاحب نے قرآن کریم کے ناظرہ کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی محلہ وکیل فارہ میں پائی، منگڈو کے سرکاری اسکولوں سے ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم پا کر اکیاب گئے، مٹرک کے امتحان اکیاب سے پاس کر کے رنگون گئے، اور رنگون یونیورسیٹی سے بی اے پھر ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب علی جوہر صاحب طویل مدت تک رنگون میں وکالت کرتے رہے، ویسے آپ نے ایک طویل عرصہ رنگون میں گزارا، وہ ایک مجاہد بھی تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے ۱۹۴۲ء کے جہاد میں اپنی جان و مال سے حصہ لے کر مسلمانوں کی طرف سے ایک مجاہد کا فریضہ بھی انجام دیا تھا، ۱۹۴۲ء کے بعد پیس کمیٹی بنی تو آپ اس انجمن کے مرکزی ممبر چنے گئے تو ایک قومی سیاست دان کی حیثیت سے آپ قومی سطح پر نمایاں ہو گئے تھے۔

برما کی آزادی کے بعد جناب اڈووکٹ علی جوہر صاحب مختلف سیاسی اور سماجی قومی تنظیموں کے ساتھ منسلک رہے، ۱۹۶۲ء میں برمی فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا تو کل برما کے دوسری سیاست دانوں کی طرح آپ خاموش ہو گئے تھے، ۱۹۸۸ء میں برما میں جمہوریت نوازوں کے انقلاب کے دوران آپ نے رنگون میں رہتے ہوئے ارکانی مسلم طلباء اور عام مسلمانوں کی بڑی حد تک رہنمائی کی، ۱۹۹۰ء میں جب سلورک حکومت نے جماعتیں بنانے کی اجازت دی تو آپ کو ارکانی مسلمانوں کی سب سے بڑی نمایاں جماعت نیشنل ڈیموکراٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کی مجلس سرپرستگان کے اعلی رکن چن لیا گیا، یاد رہے کہ اس پارٹی میں تین سرپرست تھے، جن میں آپ کے علاوہ جناب مرحوم ڈاکٹر محمد انور اور جناب روح الامین صاحب بھی شامل تھے، موخر الذکر دونوں بزرگ آپ کے بڑے مداح تھے۔

جناب علی جوہر صاحب تا دم تحریر رنگون میں مقیم ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے، اور روہنگیا مظلوم قوم کی مزید در مزید رہنمائی کے لئے قبول فرمائے، آمین۔

فروح احمد صاحب، کمانڈر، سائندہ فاروی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب فروح احمد صاحب ۱۹۲۱ء میں جنوبی منگڈو کی بستی سائندہ فارہ میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد ایک دین دار، پرہیزگار اور علماء پسند ہونے کے ساتھ بڑے شیریں زبان انسان تھے، چنانچہ شیریں زبانی آپ نے اپنے والد صاحب سے وراثت میں پائی تھی، کہتے ہیں کہ کمانڈر صاحب نہایت شیریں زبان ہونے کے علاوہ بڑے نیک خو مرد مجاہد تھے، آپ نے اپنی مجاہدانہ زندگی میں کسی مجاہد تو کجا بلکہ کسی عام انسان کو بھی کبھی دکھ نہیں پہنچایا تھا۔

جناب فروح احمد صاحب نے دینیات کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں پائی، قرآن کریم کا ناظرہ، تعلیم الاسلام اور راہ نجات وغیرہ کتابیں مکتب کے ایک مولوی صاحب سے پڑھیں، پھر سرکاری اردو اسکول سے اردو کی تعلیم چوتھی جماعت تک پاکر گھر کے کام کاج میں مشغول ہوگئے، اور اپنے والد صاحب کی مدد کرتے رہے تھے، پھر ایک روایت کے مطابق آپ نے بعد میں نجی تجارت سے بھی دلچسپی لی تھی، لیکن اس میں آپ کو کوئی خاص کامیابی نہیں ملی تھی۔

۱۹۴۸ء کے دوران جناب فروح احمد صاحب کو "جہاد کونسل" سے دعوت ملی تھی، لیکن والد صاحب نے اجازت نہیں دی تو آپ اس میں شامل نہیں ہو سکے، لیکن ۱۹۴۹ء کی ابتدا میں محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی قیادت میں ابھرنے والی جہادی تنظیم "مجاہد پارٹی" کی طرف سے دعوت شمولیت ملی تو آپ اس میں شامل ہوگئے، قاسمی پارٹی میں شمولیت کے بعد آپ نے کرنل رشید احمد صاحب (CL) فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی، جس کے بعد آپ نے مگھ وحشیوں اور برمی درندوں کے خلاف لڑی جانے والی لڑائیوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے آپ نے اپنی بہادری کا لوہا منوایا تھا۔

فروح احمد کی بہادری اور سنجیدگی کو دیکھ کر محمد قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک پلاٹون مجاہدین کا کمانڈر بنادیا، جس کے بعد آپ نے بحیثیت کمانڈر بڑی بڑی لڑائیوں میں قیادت کا فریضہ انجام دیا، آپ قاسم صاحب کے قریبی دوستوں میں شمار تھے، قاسم صاحب آپ کو بڑی محبت کرتے اور آپ پر اعتماد بھی کرتے تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش ہوگئے، بعد کے حالات تو معلوم نہ ہو سکے، لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ آپ نے ارکان ہی میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضل احمد صاحب، حاجی، سماجی کارکن، کلیجہ بانگوی

جناب الحاج فضل احمد بن ماسٹر حسن علی صاحب ۱۳ / فروری/ ۱۹۲۸ء میں بستی کلیجہ بانگا منگڈو میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پاکر منگڈو انگلو ورنیکولر مسلم اسکول سے سکنڈری کا امتحان پاس کیا، ۱۹۴۴ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی کے ماتحت چلنے والے اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۴۸ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد آپ بنگال آئے اور ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۵۲ء تک ڈھاکہ کالج میں پڑھتے رہے۔

۱۹۵۲ء کے بعد آپ نے رنگون کا سفر کیا، وہاں گرین لیس نامی ایک بنک میں نوکری کی، ۱۹۵۶ء میں آپ وطن واپس آئے، ۱۹۵۷ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک منگڈو مرچن ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری رہے، مذکورہ درمیانی مدت میں "روہنگیا مسلم یوتھ لیگ آف منگڈو" کے نائب صدارت کے عہدہ پر بھی فائز رہے تھے، اسی دوران کی ایک بات ایسی بھی ملی ہے کہ آپ برما کی تاریخی سیاسی وانقلابی جماعت (AFPFL) کے منگڈو برانچ کے عاملہ کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں برما کے مرکزی اقتدار پر جنرل نیون کا باضابطہ قبضہ ہوگیا تو آپ کی زندگی پر پریشانی کا عالم چھا گیا، چنانچہ ۱۹۶۴ء میں برما میں تمام نجی ملکیت کے ختم کرنے کا اعلان ہوا تو آپ بڑے متاثر ہو گئے تھے، آخر کار ۱۹۶۶ء میں ترک وطن پر مجبور ہوکر مشرقی پاکستان کے سرحدی شہر ٹیکناف میں پناہ گزین ہوگئے، جہاں سالوں تک مقیم تھے۔

جناب فضل احمد صاحب ۱۹۷۰ء میں چاٹگام منتقل ہوئے، جہاں آپ نے نجی تجارت سے خاصی دلچسپی لی، تجارت کے میدان میں آپ نہایت زیرک اور کامیاب نکلے، غالبا آپ کی تجارت میں آپ کے تین چھوٹے برادران جناب الحاج محمد عثمان صاحب، الحاج سلطان احمد صاحب اور انجینئر الحاج جمال احمد بھی شریک کار تھے، ماشاء اللہ آپ کی طرح ان بھائیوں کی دنیا بہت خوب سنوری، ان میں الحاج محمد عثمان صاحب کی بعد میں اس تجارتی میدان میں بہت شہرت ہوئی تھی۔

۱۹۷۵ء میں ارکان ہسٹریکل سوسائٹی کی بنیاد پڑی، الحاج فضل احمد صاحب اس تنظیم کے تاسیسی ممبروں میں ایک تھے، ظاہر ہے کہ اس سوسائٹی نے اپنی تاسیس سے لے کر آج تک بڑی اور نمایاں قومی وانسانی خدمات انجام دی ہیں، جن میں الحاج فضل احمد صاحب پیش پیش تھے، آپ ۱۹۷۵ء

سے ۱۹۹۲ء تک اس سوسائٹی کے نائب صدر رہ چکے تھے، پھر ۱۹۹۲ء سے تا حال اس سوسائٹی کے الکشن کمیشن اور سینئر اڈوائزر رہیں۔

الحاج فضل احمد صاحب بڑے مدبر، دلدار اور ہنس مکھ انسان ہونے کے ساتھ دیندار، پاکباز اور بردلعزیز اور نماز باجماعت کے پابند بھی ہیں، ۱۹۸۷ء سے راقم السطور آپ کو بہت قریب سے دیکھتا رہا ہے، خاص طور پر ۱۹۹۸ء کے بعد سے آپ سے ملنے کا بہت ہی اتفاق ہوا تھا، جب بھی ملنے کا موقع ملا، آپ کو روہنگیا قوم کے حالات پر ترساں پایا، قومی وملی مسائل میں آپ سے بہت ساری گفتگو بھی کی گئی تھیں، قومی امور کے حوالے سے آپ نہایت واضح اور شفاف الفاظ میں گفتگو کرتے اور اپنے نیک مشوروں سے نوازتے ہیں۔

برادر مکرم جناب اشرف عالم صاحب آپ کے داماد ہیں، حاجی صاحب کے بنگلے میں اشرف عالم صاحب رہائش پذیر تھے، چنانچہ ایک طویل زمانہ ایسا بھی گزرا کہ اشرف صاحب کی رہائش گاہ ہمارا گویا دوسرا گھر تھا، حاجی صاحب کی بڑی اور لاڈلی صاحب زادی (زوجۂ محترمہ جناب اشرف عالم صاحب) بڑی نیک اور قوم کی خیر خواہ خاتون ہیں، جبھی ہم ان کی رہائش گاہ پہنچتے، مہمانوں کے تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی ہیں۔

ادھر حاجی صاحب کے بنگلہ کے سامنے ۱۹۹۹ء میں ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے، حاجی صاحب سے اگر مکان میں ملاقات نہ ہوسکتی تو نماز باجماعت کے بعد اکثر مسجد میں ملاقات ہوجاتی ہے، جبھی نظر پڑتی تو قریب بلاتے، حال پرسی بھی کرتے اور دعائیں بھی دیتے ہیں۔

حاجی صاحب کا ایک صاحب زادہ منا (اس کا ایک اسلامی نام بھی ہے، جو اب ذہن سے نکل گیا ہے) جو چاٹگام سے تحفیظ القرآن کے بعد ندوے پہنچا تھا، لیکن افسوس ہے کہ پڑھا ہی نہ تھا، ظاہر ہے کہ ایک صاحب ثروت انسان کا فرزند تھا، مصارف کی کوئی کمی نہیں تھی، لیکن اسے پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی، اس کے والد صاحب کی بڑی آرزو تھی کہ وہ پڑھ لکھ کر ایک عالم بنے، لیکن یہ آرزو آخر تک پوری نہیں ہوسکی، چنانچہ وہ ایک سال تک وہاں گھوم پھر کر دوبارہ بنگلادیش پہنچا، نہ جانے وہ آج کل کہاں ہے۔

الحاج فضل احمد صاحب بڑے نیک، شریف اور قوم کے ہمدرد بزرگ ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی حیات میں برکت دے، آمین یارب العالمین۔

قاسم علی صاحب، کمانڈر، حاجی، بوری چنگی، بوسیدنگی

جناب الحاج قاسم علی صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی بوری چنگ میں ۱۸۹۴ء میں ایک زمیندار اور سخاوت پسند گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک زمیندار ہونے کے ساتھ نہایت دین دار، علماء وصلحاء پسند بزرگ تھے، اور قومی خدمات کے میدان میں بھی آگے رہا کرتے تھے۔

الحاج قاسم علی صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں اور متوسطہ تک کی تعلیم تنگ بازار میں ہوئی، اعلیٰ تعلیم کے لئے بنگال یا ہندوستان جانا چاہا لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر جانا ممکن نہیں ہوسکا، تعلیم سے علیحدگی کے بعد زمینداری کی دیکھبال میں مشغول ہوگئے تھے۔

جناب قاسم علی صاحب ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا کے دوران ایک مجاہد لیڈر بن کے قوم کے سامنے آئے، آپ نے بڑی کوشش اور پیہم جستجو سے شمالی بوسیدنگ سے مجاہدین کی ایک بھاری جماعت تیار کرلی، بعد میں وہ اپنے مجاہدین کے ساتھ جناب عبد المجید چوہدری المعروف بہ آنتورا راجا سے جا ملے، چوہدری صاحب نے آپ کی صلاحیت واستعداد کو دیکھ کر آپ کو مجاہدین کا کمانڈر انچیف بنایا، جس کے بعد آپ نے جان ومال سے ملک وملت کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں، ۱۹۴۲ء کے بعد اس علاقے میں پیس کمیٹی بنی تو آپ کو شمالی بوسیدنگ کے حلقے سے اس کا ممبر چنا گیا، جس میں رہ کر بھی آپ نے نمایاں قومی وملی خدمات سرانجام دی تھیں۔

کہتے ہیں کہ جناب قاسم علی صاحب بڑے بہادر اور جواں مرد مجاہد قائد تھے، جہاد آپ کا پیارا مشغلہ بن چکا تھا، شاید اسی لئے بھی ہو کہ آپ کی اولاد میں سے جناب میجر جنرل عبد الرشید صاحب مرحوم جیسے مرد مجاہد اور قائد قوم پیدا ہوئے تھے، جن کا مختصر تذکرہ اس سلسلۂ کاوش کی زینت بنا ہوا ہے، جن سے آپ نے کہا تھا کہ:

> "بیٹا! جہاں تک نظر آرہا ہے کہ ارکانی مسلمانوں کی نجات جہاد اسلامی پر منحصر ہے، ہم نے اپنی زندگی میں اس حوالے سے جتنا کچھ کیا وہ اس کے لئے کافی نہیں ہے، اب ہم بوڑھے ہوچکے ہیں، اس لئے تمہاری ذمے داری یہ ہے کہ تم قوم کی بہبودی اور نجات کے لئے مرتے دم تک کام کرتے جانا، اس راہ سے ایک لمحہ کے لئے پیچھے نہیں ہٹنا"۔

جناب قاسم صاحب نہایت دردمند انسان تھے، بالآخر ارکان کے اس مرد مجاہد نے قوم وملت کی بڑی بڑی خدمت انجام دے کر تقریباً ۱۹۶۶ء میں وطن میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کالامیاں صاحب، داروغہ، کھاری فاروی، منگڈوی

جناب کالامیاں معروف بہ کالوداروغہ صاحب منگڈو شہر کے معروف محلہ کھاری فارہ میں ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے، مکتب میں آپ نے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ کچھ دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد سرکاری اسکول سے تقریباً ساتویں جماعت تک اردو اور برمیز کی تعلیم منگڈو میں پائی، تعلیم سے علیحدگی کے بعد تجارت سے منسلک ہوگئے، مگر تجارت کی دنیا میں کوئی کامیابی نہیں ملی تو بالآخر برطانوی محکمۂ پولیس میں نوکری لی، اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے سب انسپکٹر بن گئے تھے۔

برطانوی دورِ حکومت میں آپ ارکان کے مختلف مقامات میں کام کرتے رہے، اس سلسلے میں آپ اکیاب، راسیدنگ، بوسیدنگ اور منگڈو میں اپنے فرائض انجام دیتے رہے، جہاں کہیں بھی رہے آپ ہر حال میں مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کا خیال رکھا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا میں آپ ایک رویت کے مطابق بوسیدنگ میں جب کہ دوسری روایت کے مطابق منگڈو میں سب انسپکٹر مقرر تھے، خیر جہاں بھی کیوں نہ ہوں کہ آپ نے اس وقت کے جہاد میں مجاہدین اسلام کا بھرپور ساتھ دیا، اور دیگر علاقہ جات سے آنے والے دور دراز کے مجاہدین کو گولہ بارود اور ضروری سامان فراہم کیا تھا، چنانچہ ایک روایت کے مطابق آپ نے اپنا پستول بھی مجاہدین کا حوالہ کردیا تھا، ۱۹۴۲ء کے جہاد کے نتیجے میں اس علاقہ میں امن بحال ہوکر پیس کمیٹی کی بنیاد پڑی تو آپ کو اس کمیٹی کے مرکزی رکن چن لیا گیا، جس میں رہتے ہوئے آپ نے اپنے علاقے کا انتظام سنبھالا، آپ پیس کمیٹی کے صدر جناب ماسٹر عمرہ صاحب کے دست راست تھے، جناب صدر صاحب کو آپ پر بڑا اعتماد تھا، بطور خاص وہ انتظامیہ کے حوالے سے کسی بھی اہم امور کی مشاورت میں آپ کی شرکت کو بہت ضروری سمجھا کرتے تھے۔

پھر ۱۹۴۸ء میں برما کی آزادی کے بعد انسپکٹر کالا میں صاحب اپنے اس منصب پر بحال رہتے ہوئے منگڈو ٹاؤن شپ کے داروغہ مقرر ہوئے، اس منصب پر رہتے ہوئے بھی آپ نے قوم کی نمایاں خدمات سرانجام دی تھیں، جناب کالا میاں صاحب نہایت دین دار اور صوم وصلاۃ کے پابند ایک پولیس انسپکٹر تھے، آپ خلق خدا سے نہایت محبت وشفقت کرتے تھے، آپ نے تقریباً ۱۹۷۹ء میں منگڈو میں انتقال کیا، خاکِ منگڈو میں مدفون ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کالامیاں صاحب، کمانڈر، سونخدار بیلی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب کالامیاں صاحب جنوبی منگڈو کی بستی سونخدار بیل میں ۱۹۲۵ء میں ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، بچپن آپ کا ناز ونعمت سے گذرا، آپ کے والد صاحب ایک متمول انسان ہونے کے ساتھ نہاوت سخاوت پسند اور عالم دوست بزرگ تھے، وہ طلبائے دینی مدارس کے سامنے نہایت محبت وشفقت سے پیش آیا کرتے تھے۔

جناب کالامیاں صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، کہتے ہیں کہ آپ بڑے ذہین اور فطین طالب علم تو تھے، مگر منچلی طبیعت نے آپ کو مزید پڑھنے نہیں دیا تھا، لیکن ہوش سنبھالا تو مسلمانوں کے خلاف آئے دن بڑھتے ہوئے ظلم وستم نے آپ کو حلیم الطبع اور بردوبار بنادیا تھا، چنانچہ دل ہی دل میں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے عزم باندھ کر ۱۹۴۹ء کے اواخر میں آپ مجاہد پارٹی میں شامل ہوگئے، آپ نے کرنل رشید احمد صاحب (CL) فوئما لوی سے عسکری تربیت حاصل کی، عسکری تربیت حاصل کرنے کے بعد ابتداء میں آپ نے ایک عام مجاہد کی حیثیت سے مختلف معرکوں میں حصے لئے، چنانچہ آپ کی بہادری اور بردوباری کو دیکھ کر بالآخر قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنادیا، آپ بڑے بہادر، نڈر اور فدائی مجاہد کمانڈر تھے، جہاد فی سبیل اللہ کے خلاف کرنے والوں کو کبھی بھی معاف کرنا نہیں چاہتے تھے، آپ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ:

> ’’مجاہدین سے مخالفت کرنا گویا جہاد فی سبیل اللہ کی مخالفت کرنے کا مترادف ہے، اللہ تعالی کے کوئی بھی نیک بندہ کبھی اور کسی حالت میں بھی مجاہدین کی مخالفت نہیں کر سکتا، جو لوگ مجاہدین کی مخالفت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کے دشمنوں کے ساتھی اور چیلے ہیں، اس لئے چھوٹ دینے کے بجائے انہیں ہر جگہ تنگ کرنا چاہئے‘‘۔

آپ نے کمانڈر بننے کے بعد بڑے بڑے معرکے سر کئے، ہر جگہ آپ کی جیت اور دشمن کی پسپائی ہوئی تھی، قاسم راجا صاحب آپ کو بہت محبت کرتے اور آپ کے انداز، حکمت عملی اور طریقۂ جہاد کو بہت پسند کرتے تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ عرصۂ دراز تک روپوش رہے، بالآخر اللہ کے اس مجاہد بندہ نے وطن میں داعی اجل کو لبیک کہا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کالا میاں صاحب،شہید،سیاسی،کوائنڈنگی،بوسیدنگی

جناب کالا میاں صاحب ۱۹۰۶ء میں بوسیدنگ کی مردم خیز بستی کوائندنگ میں پیدا ہوئے،آپ کے والد صاحب ایک دانشور ہونے کے ساتھ قوم کے بڑے خادم تھے،کالا میاں صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم بستی کے مکتب میں ایک عالم دین سے پائی، بعد ازاں سرکاری اسکول میں داخلہ لے کر پرائمری اور ثانویہ کی تعلیم پائی،مٹرک ڈھاکہ سے پاس کیا،پھر ڈھاکہ یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

فراغت تعلیم کے بعد آپ وطن واپس آ کر ملت وقوم کی خدمات میں لگ گئے، ۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب وبلا سے ذاتی طور پر آپ بہت متاثر تھے، دوسری عالمی جنگ کے دوران جب جاپانی افواج اکیاب پہنچیں تو آپ نے ایک جم غیر کے ساتھ ان کا استقبال کیا، جاپانی لوگ جب تک منگڈو اور بوسیدنگ کے علاقے میں رہے آپ نے ہر اعتبار سے ان کا تعاون کیا، چنانچہ جاپانیوں نے آپ کو ایک اعلی منصب سے نوازتے ہوئے یہاں کا لیڈر بنا دیا، جب تک یہاں جاپانی لوگ رہے،آپ نے ان کے مظالم سے ہزاروں مسلمانوں کی جان بچائی، دوسری عالمی جنگ کے اختتام پر جاپانی جب یہاں سے چلے گئے ، اور برطانوی حکومت کا دوبارہ قبضہ ہو گیا تو آپ جاپانیوں کے ساتھ تعاون کے جرم میں پکڑے گئے،لیکن عام معافی کے دوران آپ کو رہائی مل گئی تھی۔

مگر رہائی کے چند دن بعد آپ کے بعض دشمنوں نے برطانوی حکومت کو ورغلایا، اور کہا کہ کالا میاں صاحب نے جاپانیوں کے تعاون سے چند لوگوں کو قتل کر دیا تھا، چنانچہ حاسدین کے ورغلانے کی وجہ سے آپ کو دوبارہ برطانویوں نے حراست میں لے لیا، بعد میں عدالت سے آپ کے قتل کا فرمان بھی جاری ہو گیا، مذکورہ الزام کی پاداش میں فرمان قتل جاری ہونے کے بعد آپ کے والد صاحب معافی کی درخواست لئے ہندوستان گئے ، اور وائسرائے ہند کو درخواست دی تو معافی کا پروانہ بھی ملا تھا لیکن قدرت کو آپ کی شہادت منظور تھی کہ والد صاحب پروانہ لئے پہنچنے پہلے ۱۹۴۶ء میں بلی بازار منگڈو کے مقام پر آپ کو شہید کر دیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جہاں تک اطلاع ملی کہ کالا میاں صاحب ایک جان باز اور زیرک سیاست دان تھے، انگریزی، اردو، برمیز کے ماہر ہونے کے ساتھ آپ نے جاپانی زبان بھی سیکھ لی تھی، اللہ تعالی قوم کے اس شہید خادم کی جملہ خدمات کو قبول کرتے ہوئے اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا کرے، آمین یارب العالمین۔

کمال الدین صاحب،مجاہد،مینگزوی،بوسیدنگی

جناب کمال الدین صاحب ۱۹۰۱ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی مینگزی میں ایک متمول زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد اس علاقہ کے بڑے زمیندار ہونے کے علاوہ ایک سرکاری نمبر دار بھی تھے، اور ایک اطلاع کے مطابق ان کی والدہ بھی ایک نیک سیرت اور عالم دوست خاتون تھی۔

کمال الدین صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم بستی کے مکتب میں ہوئی، مزید تعلیم کے لئے ان کے والد نے ایک استاذ تو مقرر کیا تھا، لیکن وہ پڑھتے ہی نہ تھے اور ہر حال میں سیر وسفر میں دن گزارنے کو پسند کرتے تھے، ویسے ان کا بچپن سیر وشکار میں گزر گیا تھا۔

بعد میں آپ نے اپنے والد صاحب کے ساتھ زمینداری کی دیکھ بھال شروع کی، کچھ تجارت بھی کرنا چاہا، لیکن اس میں ان کو کوئی کامیابی نہیں ملی تھی، موصوف بڑے دردمند خادم اور سخی انسان تھے، غریبوں اور مسکینوں سے نہایت محبت کرتے تھے، کہتے ہیں کہ گاؤں کے کسی بھی مسکین کا وہ ملجا وماوی تھے، کسی کو بھی اپنے دروازے سے خالی ہاتھ پھیرانا نہیں جانتے تھے۔

۱۹۴۲ء کے واقعۂ کرب و بلا کے دوران موصوف میدان جہاد میں کود پڑے، اس دوران ہونے والے جہاد اسلامی میں انہوں نے بھر پور حصہ لیا، اپنے پاس کے چند اسلحہ جات اور اپنے اموال وزر سے مجاہدین کو تعاون کیا، پھر خود بھی جہاد میں شریک ہو گئے، انہوں نے عبد المجید چوہدری معروف بہ آنتو راراجا صاحب کے قافلۂ جہاد میں شامل ہو کر دشمنان اسلام کی صفائی کے لئے ہر امکانی کوشش کی، جس میں وہ اور ان کے ساتھی مجاہدین سرخرو ہو گئے تھے۔

کمال الدین صاحب ایک سخی منش ہونے کے علاوہ بڑے بہادر مجاہد فی سبیل اللہ تھے، ۱۹۴۲ء میں ہونے والے جہاد اسلامی کے حوالے سے ان کی بہادری اور دلیری کی داستان علاقہ میں سنی گئی ہے، ۱۹۴۲ء کے بعد یہاں شانتی کمیٹی کا قیام عمل میں آیا تو ان کو اس کمیٹی کا ممبر چنا گیا، جس میں رہتے ہوئے انہوں نے اپنی دانائی اور سخاوت پسندی کو بروئے کار لاتے ہوئے ملت وقوم کی نمایاں خدمات انجام دیں، موصوف ظاہر ہے کہ شمالی بوسیدنگ والی شانتی کمیٹی کے رکن تھے، یہاں والے ان کو بہت ہی چاہتے تھے، بہر حال جناب کمال الدین صاحب نے اپنی مستعار زندگی میں ملک وملت کی طویل خدمات انجام دے کر تقریبا ۱۹۷۰ء میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

گورامیاں صاحب، ہڈمن، ریاض الدین بازاری، منگڈوی

جناب ہیڈمن گورامیاں صاحب ۱۹۱۵ء میں شمالی منگڈو کی بستی ریاض الدین بازار کے ایک زمیندار اور بارسوخ گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک دیندار زمیندار آدمی ہونے کے ساتھ گاؤں کے نمبردار رہ چکے تھے، جو بڑے سخی منش ہونے کے ساتھ علمائے دین سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور اطلاع ہے کہ آپ کی والدہ ایک نیک اور پرہیزگار خاتون تھی۔

ہیڈمن گورامیاں صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، مکتب کے ایک مولوی صاحب سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ اردو کی کچھ تعلیم حاصل کی، کچھ بڑے ہوئے تو آپ کے والد صاحب نے آپ کو تعلیم کے لئے ہندوستان بھیجنا چاہا، لیکن پڑھائی کے لئے آپ رنگون جانا چاہتے تھے، اس کشمکش کے عالم میں بالآخر والد نے آپ کو قاضی آباد اردو اسکول میں بھرتی کر دیا، یہاں سے آپ نے پانچویں جماعت کا امتحان پاس کیا، پانچویں جماعت کی تکمیل کے بعد آپ اپنی بستی واپس آ کے گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے، بعد میں گاؤں کے لوگوں نے آپ کی قوت فہم اور قیادی صلاحیت کو دیکھ کر گاؤں کا ہیڈمن منتخب کیا، یہاں سے آپ ہیڈمن گورامیاں صاحب کے نام سے معروف ومشہور ہو گئے تھے۔

۱۹۴۸ء میں محمد جعفر حسین قوال کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ہیڈمن گورامیاں صاحب جہاد کونسل میں شامل ہو گئے، آپ نے جہاد کونسل کے ایک استاد ومربی (ایک رویت کے مطابق جناب رشید احمد صاحب (CL) فوئمالوی) سے عسکری تربیت حاصل کی، عسکری تربیت کے بعد آپ ایک عام انصار کی حیثیت سے کام کرتے رہے، لیکن بعد میں کونسل میں بنفس نفیس شامل ہو کر ہتھیار بند ہو گئے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نہایت ہشیار اور زیرک ہونے کے ساتھ بڑے سخی انسان تھے، چنانچہ آپ کی زیرکی اور سخاوت پسندی کو دیکھ کر جناب محمد جعفر حسین قوال نے ۱۹۵۰ء میں آپ کو ایوان زیرین کا رکن بنالیا تھا۔

جناب ہیڈمن گورامیاں صاحب نے ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک جہاد کونسل میں رہ کر قومی وملی خدمات انجام دیں، محمد جعفر حسین قوال کی پراسرار شہادت کے بعد اگرچہ آپ بڑے پریشان ہو گئے لیکن کونسل کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا، کونسل کی تباہی کے بعد آپ چند سال کہیں روپوش رہے، بالآخر قوم کے اس مخلص خادم نے ۱۹۷۴ء میں اس جہان فانی سے رخصت لی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لالومیاں صاحب، کمانڈر، میرولہ وی، منگڈوی

تاریخ جہاد ارکان کے معروف مجاہد کمانڈر جناب لالومیاں صاحب کی ولادت ۱۹۲۶ء میں شمالی منگڈو کے قصبہ میرولہ/ مرنگلوا میں ایک کاشتکار گھرانے میں ہوئی، کہتے ہیں کہ آپ کے والد ایک داعی اور عابد انسان تھے، اور والدہ بھی ایک دین دار اور پرہیزگار خاتون تھی۔

جناب لالومیاں صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے آبائی محلے کے مکتب میں پائی، اور متوسطہ تک کی اردو اور برمیز کی تعلیم میرولہ کے سرکاری اسکول میں پائی، کہتے ہیں کہ آپ نہایت ذہین وفطین طالب علم تھے، دوران تعلیم آپ اپنے ہم جھولیوں کے سامنے جہاد اسلامی اور مجاہدین اسلام کے گن گایا کرتے تھے۔

۱۹۴۹ء کے اواخر میں برمی ظالموں اور مگھ وحشیوں کے خلاف جہاد کی نیت سے محمد قاسم بن عطاء الدین راجا کی زیر قیادت چلنے والی جہادی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، آپ نے جناب رشید احمد صاحب (CL) فوئمالوی سے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکوں میں شریک ہوئے، معرکوں میں آپ نے اپنی دلیری اور بہادری کا لوہا منوایا تو محمد قاسم راجا صاحب نے اپنے قریبی دوست بناتے ہوئے آپ کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا تھا، جس کے بعد آپ کی صلاحیت اور استعدادِ جہاد میں مزید نکھار آیا، کہتے ہیں کہ آپ جہاد کی منصوبہ بندی کے حوالے سے ایک کامیاب کمانڈر تھے، چنانچہ آپ کی حکمت عملی اور منصوبہ بندی پر محمد قاسم راجا کو خاصے اعتماد تھا، بعد میں آپ کو مجاہد پارٹی کی طرف سے علاقۂ میرولہ کا ذمہ دار بنایا گیا، جہاں رہ کر قومی وملی خدمات انجام دیں۔

جناب لالومیاں صاحب نے مجاہد پارٹی میں رہنے کے دوران قوم کی نمایاں خدمات سرانجام دیں، آپ عالموں اور درویشوں کو نہایت پسند کرتے تھے، عالموں اور درویشوں کی مخالفت کو بدقسمتی سے تعبیر کرتے تھے، آپ بڑے چست وچالاک کمانڈر ہونے کے ساتھ قوم کے بڑے خیرخواہ مجاہد فی سبیل اللہ تھے، غفلت کی بیماری نے کبھی آپ کو چھو کر بھی نہیں گزرا، اس حوالے سے آپ کے رفقائے کار آپ کے بڑے مداح تھے، آپ ہمیشہ قوم وملت کے مستقبل پر غور وفکر کیا کرتے تھے، نہایت بہادر اور فیاض انسان تھے، ہر کسی کو چغلی اور غیبت کرنے والوں سے دامن بچھائے رکھنے کی تاکید کیا کرتے تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ کہیں روپوش ہو گئے، بالآخر قوم کے اس مجاہد و مخلص خادم نے ۱۹۷۹ء میں میرولہ میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

لقمان احمد صاحب، ماسٹر، صاحب بازاری، منگڈوی

قومی خادم جناب ماسٹر لقمان احمد صاحب کی ولادت ۱۸۹۹ء میں شمالی منگڈو کی بستی صاحب بازار میں ایک دین دار اور زمین دار گھرانے میں ہوئی، آپ کے والد بڑے دین دار و پرہیزگار ہونے کے علاوہ گاؤں کے نمبر دار ایک سخی منش بھی تھے، جنہوں نے اپنے اموال وثروت سے اپنے زمانے میں یتیموں، ناداروں اور مسکینوں کی نمایاں خدمات انجام دیں، اور جہاں تک اطلاع ہے کہ ماسٹر صاحب کی والدہ بھی بڑی نیک اور پرہیزگار خاتون تھی۔

ماسٹر لقمان احمد صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں ہوئی، اس کے بعد قاضی آباد شمالی منگڈو کے اردو اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے ساتویں جماعت کی تعلیم مکمل کر کے کلکتہ گئے، کلکتہ کے ایک کالج سے انٹر پاس کر کے اگلی تعلیم کے لئے رنگون پہنچے اور ایک اطلاع کے مطابق رنگون یونیورسیٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کر کے تعلیمی خدمات میں لگ گئے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب لقمان احمد صاحب رنگون کے ایک سرکاری اسکول میں معلم ہوئے، یوں آہستہ آہستہ ترقی پا کر زینت ہائی اسکول آف رنگون کے ہیڈ آف دے ٹیچرز مقرر ہوئے، جہاں آپ نے مدتوں تک علم وثقافت اور قوم وملت کی خدمات نبھائیں، اس زمانے میں آپ ایک مدت کے لئے سہی کمیونزم سے متاثر ہوئے تھے، ویسے آپ آل برما کمیونسٹ پارٹی کے رکن بنے تھے۔

۱۹۴۲ء سے سے پہلے ماسٹر صاحب وطن واپس آئے، ۱۹۴۲ء کے خونچکاں المیہ کے دوران آپ نے قوم کے پاس رہ کر قوم کی رہنمائی کے ساتھ مجاہدین کا ہر اعتبار سے حوصلہ بلند رکھا، چوں کہ آپ ایک جہاں دیدہ سیاست دان تھے تو آپ کی شخصیت اس موقع پر قوم کی بڑی ضرورت تھی، چنانچہ آپ نے قومی سیاست کے میدان میں اتر کر اس قومی ضرورت کو پورا کیا، اور مدتوں تک یہاں کے مسلمانوں کی قیادت کی، حق تو یہ ہے کہ ماسٹر صاحب نے اس میدان میں الحمدللہ حق ادا کیا۔

۱۹۴۲ء کے بعد شمالی مغربی ارکان میں پیس کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو ماسٹر صاحب حلقۂ شمالی منگڈو کے صدر مقرر ہوئے، آپ بڑے بہادر، نڈر اور زیرک سیاست دان تھے، چنانچہ آپ کی صلاحیت اور سیاسی بصیرت سے نہ صرف شانتی کمیٹی نے فائدہ اٹھایا بلکہ آپ کی سیاسی دوراندیشی سے قوم کو نہایت فائدہ پہنچا تھا، آپ نے اس موقع پر قوم کی متنوع اقسام کی خدمات نبھا کر تقریباً ۱۹۶۵ء میں انتقال فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد صاحب، کمانڈر، خانوافاروی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب مولوی محمد صاحب جنوبی منگڈو کی بستی خانوافارہ میں ۱۹۲۵ء میں ایک متمول ومثقف گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک متمول سخی ہونے کے ساتھ ایک نامور تاجر بھی تھے، موصوف سخاوت ونجابت کے حوالے سے بھی اس علاقے میں معروف تھے، اور اطلاع کے مطابق مولوی محمد صاحب کی والدہ بھی ایک نیک، عابدہ اور علمائے کرام سے محبت کرنے والی خاتون اسلام تھی۔

جناب محمد صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم اپنی آبائی بستی کے مکتب میں پائی، ساتھ ہی ساتھ بستی کے سرکاری اسکول سے پرائمری پڑھ کر علی تانجو کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے متوسطہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد آپ نے وہاں کے دینی مدرسے میں داخلہ لیا، ذہین وفطین تو تھے لیکن بعض وجوہات کی بنیاد پر دورۂ حدیث تک کی تعلیم مکمل نہ کر سکے، تعلیم سے علیحدگی کے بعد محمد صاحب نے کبھی تجارت اور کبھی زراعت کے کاموں سے دل چسپی لی، لیکن کسی میں بھی کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔

۱۹۴۸ء کے اواخر میں جناب محمد صاحب کے پاس محمد قاسم راجا صاحب کی طرف سے دعوت آئی تو آپ نے ''مجاہد پارٹی'' میں شمولیت اختیار کی، موصوف نے جناب کرنل رشید احمد صاحب (CL) سے عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد مختلف معرکوں میں شرکت کی، آپ بڑے بہادر اور جری مجاہد تھے، چنانچہ بعد میں آپ کی جرات مندی اور بلند حوصلگی کو دیکھ کر جناب محمد قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک بھاری تعداد کے مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا، جس کے بعد آپ کی استعداد اور صلاحیات میں مزید نکھار آیا تھا، کہتے ہیں کہ جناب مولوی محمد صاحب بڑے ہشیار اور چالاک ہونے کے ساتھ جہادی منصوبہ بندی کے حوالے سے یکتائے روزگار کمانڈر تھے، جن کی جہادی منصوبہ بندی اور حکمت عملیوں سے مجاہد پارٹی کو بہت فائدہ پہنچا تھا۔

جناب کمانڈر محمد صاحب محمد قاسم راجا صاحب کے قریبی اور معتمد علیہ ساتھیوں میں سے ایک تھے، اگرچہ جناب راجا صاحب ایک حیثیت سے ڈکٹیٹر قسم کے مجاہد قائد تھے، لیکن کسی بھی بڑی منصوبہ بندی میں وہ بھی جناب محمد صاحب کی رائے کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد کمانڈر مولوی محمد صاحب عرصۂ دراز تک روپوش رہے، لیکن اس دوران بھی آپ مجاہدین کی دیگر جماعتوں کا ساتھ دیتے رہے تھے، روپوشی کے دوران آپ نے بڑی عسرت کی زندگی گزاری، بعد میں وطن ہی میں آپ کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد صاحب، داروغہ، کھاری فاروی، منگڈوی

جناب محمد صاحب کی پیدائش منگڈو شہر کے معروف محلہ کھاری فارہ میں ایک صاحب ثروت اور دیندار گھرانے میں ہوئی، ان کے والد مرحوم ایک جلیل القدر عالم دین اور صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، جنہوں نے تعلیم ہندوستان میں پائی، کہتے ہیں کہ وہ ہندوستان میں کسی صاحب نسبت شیخ طریقت سے بیعت ہوکر خلعتِ خلافت سے سرفراز ہوکر وطن آئے تھے۔

جناب محمد صاحب نے مکتب نشینی کے بعد سرکاری اسکول سے اردو اور برمیز میں برطانوی دور میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، تعلیم سے فراغت کے بعد برطانوی پولیس میں ملازمت اختیار کی اور مدارج طے کرتے ہوئے منگڈو ٹاؤن شب افسر مقرر ہوئے، موصوف اس علاقے میں محمد داروغہ کے نام سے معروف تھے، انہوں نے منگڈو کے علاوہ دارالحکومت اکیاب میں بھی خدمت کی، بڑے زیرک، ہشیار اور ہردلعزیز انسان تھے، ہرحال میں مسلمانوں کے مفاد کی طرف توجہ رکھتے تھے۔

۱۹۴۲ء کے ہنگامے میں انہوں نے مجاہدین کو بھرپور تعاون کیا، مسلمان مجاہدین کے لئے بڑی تعداد میں ہتھیار اور گولہ بارود فراہم کرکے جہاد کو بامعنی جہاد میں تبدیل کردیا تھا، ظاہر ہے کہ ان کے والد صاحب ایک بلند پایہ کے عالم دین اور شیخ طریقت تھے، یوں عالموں اور بزرگوں سے محبت ان کو ورثہ میں ملی تھی، اور علمائے کرام بھی ان کو بہت محبت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء کے بعد پیس کمیٹی کے دور میں جناب محمد داروغہ صاحب کمیٹی میں شامل ہوکر انتظامیہ سنبھالے ہوئے تھے، اردو کے علاوہ برمیز بھی خوب لکھتے تھے، علاوہ ازیں نہایت تیز اور طرار پولیس انسپکٹر تھے۔

جناب محمد داروغہ صاحب مسلم طلبہ پر عموما اور مدارس اسلامیہ کے طلبہ پر خصوصا محبت اور شفقت رکھتے تھے، کوئی بھی مسلم نادار طالب علم کو آپ اپنی ذاتی رقوم سے تعاون کرتے اور دوسروں کو تعاون کرنے کے لئے رغبت دلایا کرتے تھے، کوئی بھی مدرسہ کے طالب علم پر نظر پڑتے تو اس کو پاس بلاکر خیریت دریافت کرنے کے ساتھ چپکے سے مدد کرتے تھے، اور مشہور ہے کہ انہوں نے اپنے پیسے سے بہت سارے مسلم طلبہ کو طلب علم کے لئے ہندوستان بھیجا تھا، غرض ایک طویل مدت تک ملک وملت کی خدمات انجام دیتے ہوئے انہوں نے منگڈو میں انتقال کیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد ابراہیم صاحب، مجاہد، کمانڈر، پتھری قلعوی

سرزمین ارکان کے مرد مجاہد کمانڈر جناب محمد ابراہیم صاحب ۱۹۱۴ء میں ارکان کے قدیمی دارالسلطنت پتھری قلعہ/ مروہانگ میں ایک دیندار اور متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، صاحب زادۂ گرامی محترم جناب نورالبشر صاحب (مقیم حال کراچی) کے مطابق ابراہیم صاحب کے والد شہید نہایت علماء پسند اور سخی منش تھے، اور والدۂ شہیدہ بھی ایک عابدہ وزاہدہ اور پاک سیرت خاتون تھی۔

جناب ابراہیم صاحب نے ابتدائی دینی اور متوسطہ کی تعلیم پتھری قلعہ میں پائی، اعلی تعلیم کی کوشش تو کی لیکن بعض وجوہات کی وجہ سے کامیاب نہ ہوکے گھر کے کام کاج میں مشغول ہوگئے تھے۔

۱۹۴۲ء کے معرکۂ کرب وبلاء میں آپ کے خاندان کے تقریبا تمام افراد شہید کردیئے گئے، جن میں آپ کے والدین سمیت چند بھائی بہن بھی تھے، لیکن حیرت انگیز طور پر آپ کی جان بچ گئی، چنانچہ آپ نے اپنے علاقے سے فرار ہوکر شمالی مغربی ارکان کے مسلم اکثریتی علاقے میں پناہ لی، اور یہاں پہنچ کر مجاہدین سے مل کر جہادی سرگرمی شروع کردی تھی، جس میں آپ ایک حیثیت سے کامیاب نکلے تھے۔

چونکہ معرکۂ کرب وبلاء میں آپ کے خاندان کے تمام افراد شہید کردیئے تھے، ویسے قدرتی طور پر آپ کے اندر انتقامی جذبہ ہمیشہ بھڑکتا رہا تھا، ۱۹۴۲ء کے معرکہ کے اختتام پر جبھی آپ نے دیکھا کہ شمالی مغربی ارکان میں بھی کفار ومشرکین کی بولیاں چل رہی تھیں، تو آپ نے بڑی کوشش سے مجاہدین اسلام کا ایک گرپ تیار کرلیا، جس کی قیادت کرتے ہوئے ۱۹۴۸ء میں سب سے پہلے آپ نے منگڈو میں متعین ایس ڈی او کو قتل کردیا، جس کی پاداش میں آپ بشمول آپ کے تمام ساتھیوں کو حراست میں لیا گیا تھا، لیکن خوش قسمتی سے آپ بشمول سارے مجاہدین جیل خانے کو توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

جیل خانے سے فرار ہونے کے معا بعد آپ بشمول آپ کے تمام ساتھی مجاہدین جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، کونسل کے زیر سائے مختلف معرکوں میں آپ نے شرکت کی، بعد میں نہ جانے کس وجہ سے کہ جہاد کونسل والوں سے ناراض ہوکر آپ ۱۹۴۸ء کے اواخر میں محمد قاسم راجا کی زیر قیادت چلنے والی تنظیم ’’مجاہد پارٹی‘‘ میں شامل ہوگئے، جہاں آپ کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنادیا گیا تھا، آپ صوم وصلاۃ کے بڑے پابند ایک جانباز مرد مجاہد تھے، لیکن افسوس اور صد افسوس کہ آپ کو ۱۹۴۹ء کے اواخر میں ایک جانگسل واقعہ کے دوران اپنے ہی ایک ساتھی نے گولی مار کر شہید کردیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد امین صاحب، ماسٹر، سیاسی، خائندافاروی، منگڈوی

محترم ماسٹر محمد امین بن مرحوم ماسٹر محمد ہاشم صاحب ۱۹۳۹ء میں مشرقی منگڈو کی بستی خائندا فارہ میں ایک مثقف گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ماسٹر محمد ہاشم صاحب ایک دیندار، خداترس اردوداں دانشور تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں دیگر قومی وملی خدمات کے ساتھ بہت سارے مسلم طلباء کو اپنے علم وعمل اور زیور اخلاق حمیدہ سے آراستہ کیا تھا۔

محمد امین صاحب کی بسم اللہ خوانی اپنے نامور باپ کے مبارک ہاتھوں میں ہوئی، بستی کے مکتب سے قرآن کریم کا ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد بستی کے اردو اسکول میں داخل کرادیا گیا، پھر شقدار فارہ منگڈو کے اردو اسکول سے ہائی گریڈ کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد محمد امین صاحب مختلف سرکاری اسکولوں میں پڑھاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ خفیہ طریقے سے مجاہدین اسلام کی خدمت بھی نبھاتے رہے تھے، آپ کی زندگی کی داستان بڑی طویل ہے، تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں، مختصر یہ ہے کہ آپ ۱۹۶۱ء میں قومی تحریک سے باضابطہ طور پر وابستہ ہوگئے، ۱۹۶۵ء میں قائم ہونے والی تنظیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے آپ تاسیسی ممبر تھے، اس تنظیم کی ترقی وتطویر میں ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے، آپ نے میرے ساتھ ایک تفصیلی گفتگو کے دوران اس تنظیم کے حوالے سے طول طویل داستان سنائی، جس سے اندازہ ہوا کہ اس تنظیم کی ترقی کے لئے آپ نے بہت ساری تکالیف برداشت کی تھیں۔

۱۹۷۳ء میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) نے روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی شکل اختیار کی تو اس زیر زمین تنظیم کے حق میں ماسٹر محمد امین صاحب نے خفیہ طریقے سے بہت سارے کارہائے نمایاں انجام دیئے، اور اندرون وطن رہتے ہوئے ملک وقوم کی خدمات نبھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

محمد امین صاحب ایک خداترس دانشور تھے، عبادت الٰہی گویا آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، بڑے مدبر اور حلیم الطبع بزرگ تھے، علماء وصلحاء کے ساتھ لگاؤ رکھنے کے ساتھ مساجد ومدارس دینیہ کے بڑے خیر خواہ تھے، قوم وملت کی مشکلات ومصائب پر ہروقت پریشان رہا کرتے تھے۔

۲۰۰۱ء میں اچانک یہ خبر پاکر کہ ماسٹر محمد امین صاحب اس دنیا میں نہیں ہیں، مرے دل کو بڑا صدمہ لگا، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اپنے خاص فضل وکرم سے انہیں جنت الخلد میں جگہ عطا فرمائے، آمین۔

محمد انور صاحب، تاجر، سیاسی، شیل خالوی

روہنگیا مسلمانوں کے قومی لیڈر جناب نور الاسلام صاحب کے برادر عزیز جناب محمد انور بن عمر حمزہ صاحب کی ولادت ۱۹۶۴ء میں شمالی منگڈو کی بستی شیل خالی میں ہوئی، ان کے والد جناب امیر حمزہ صاحب علاقے کے بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ بڑے بااثر ورسوخ انسان تھے۔

جناب محمد انور صاحب نے بتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں پاکر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، وہاں سے مٹرک کا امتحان پاس کرکے اعلی تعلیم کے لئے برما کا سفر کیا، مولمین یونیورسیٹی میں میرین سائنس کے شعبہ میں کسی قدر اطمینان سے پڑھتے رہے تھے، لیکن ۱۹۸۸ء میں برما کا مشہور جمہوری انقلاب شروع ہوا تو ان کو مجبوراً یونیورسیٹی چھوڑنا پڑا، اور سیدھے وطن آکر دم لیا تھا۔

جناب محمد انور صاحب نے چند دن کے بعد یہاں وطن کی ایک مسلم طلبہ تنظیم سے منسلک ہوکر قومی خدمات کا آغاز کیا، یہاں سے ان کی سیاسی زندگی شروع ہوئی، ۱۹۸۸ء کے انقلاب کے دوران آپ نے جمہوریت اور جمہوریت نوازوں کے پروگرام سے خاصی دلچسپی لی تھی۔

نیون، سین لوین اور ڈاکٹر مونگ مونگ وغیرہ کی حکومتوں کے زوال پر اقتدار پر فوج کا باضابطہ قبضہ ہوگیا تو ان کو جمہوریت نوازی کی پاداش میں حراست میں لے لیا گیا، اور سیادت وقیادت کے ملزم ٹھہراتے ہوئے ان کو بیس سال کی سزا سنائی گئی، بعد میں اگرچہ سزا کی مدت میں کچھ کمی کی گئی تھی مگر پھر بھی ۱۹۸۸ء سے لے کر ۱۹۹۷ء تک مسلسل اکیاب کے جیل خانہ میں ناکردہ جرم کی سزا بھگتنی پڑی تھی۔

۱۹۹۷ء میں ان کی رہائی ہوئی، مگر وطن واپس آتے ہیں انہوں نے ترک وطن کو اپنے مستقبل کے لئے مناسب سمجھا اور بنگلا دیش آکر دم لیا، یہاں آتے ہی ان کی شادی الحاج محمد عثمان صاحب کی لڑکی اڈووکٹ استانی جنابہ رضیہ سلطانہ سے ہوئی تھی۔

۱۹۹۷ء سے لے کر ۱۹۹۸ء تک جناب محمد انور صاحب ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کے ممبر رہے، ۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کے پہلے قائمہ کمیٹی پھر (NSC) کے ممبر بعد میں مجلس شوری (RNC) کے ممبر بھی رہے تھے۔

جناب انور صاحب نے چاٹگام میں تجارت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ماشاء اللہ اس میں وہ بڑے کامیاب تاجر نکلے، آج کل متحدہ عرب امارات میں مقیم ہیں، اللہ تعالی حفاظت فرمائے، آمین۔

محمد بخش صاحب، کونسلر، تنگ بازاری، بوسیدنگی

کونسلر جناب محمد بخش صاحب شمالی بوسیدنگ کے معروف ومردم خیز قصبہ تنگ بازار میں ۱۹۱۸ء میں ایک متمول اور سخاوت پسند گھرانے میں پیدا ہوئے، اطلاع ہے کہ آپ کے والد صاحب ایک دین دار، پرہیزگار اور علم وعلماء دوست ہونے کے ساتھ سخاوت کے حوالے سے معروف تھے، جنھوں نے اپنی مستعار زندگی میں طلبائے دینی مدارس کے مالی تعاون کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

محمد بخش صاحب نے اپنے آبائی گاؤں کے مکتب سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم پائی، اس کے بعد تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے ابتدائی اور متوسطہ کی اردو تعلیم حاصل کرکے کچھ نجی تجارت کے ساتھ گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے تھے۔

شنید ہے کہ جناب محمد بخش صاحب طالب علمی کے دوران اپنے ہم جھولیوں کے ساتھ ارکانی مسلمانوں کی نجات کے حوالے سے گفتگو کیا کرتے تھے، اس سلسلے میں کہا کرتے تھے کہ:

> ''۱۹۴۲ء کا قتل عام ہمارے سامنے ہے، جس سے یہاں کے مسلمانوں کو درس عبرت لینا ناگزیر ہے، ارکان اور یہاں کے مسلمانوں کی نجات کے لئے مسلم جوانوں اور نوجوانوں کو جہاد کے میدان میں اترنا چاہئے، ورنہ یہاں کے وحشی مگھ اور برمی درندے مسلمانوں کو سرے سے ختم کردیں گے، اگر یہاں کے مسلمان جہاد اسلامی سے جی چرائیں گے تو خدانخواستہ ارکان سے مسلمانوں کا وجود ختم ہوجائے گا''۔

محمد بخش صاحب ۱۹۴۸ء میں محمد جعفر حسین قوال کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، عسکری تربیت کے حصول کے بعد مختلف معرکوں میں شریک ہوئے، آپ بڑے ذہین، چالاک اور معاملہ فہم مجاہد تھے، چنانچہ جہاد کونسل نے آپ کی استعداد وصلاحیات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے آپ کو ایوان زیرین کا ممبر (کونسلر) چن لیا تھا۔

جناب محمد بخش صاحب بڑے نیک، خداترس اور مخلص مجاہد تھے، جہاں بھی جاتے مسلم عوام کو جہاد کی طرف دعوت دیتے ہوئے اس راہِ عزیمت میں صبر وثبات کی تاکید کرتے تھے، آپ نے اپنی مستعار زندگی میں قوم وملت کی نمایاں خدمات انجام دے کر ۱۹۵۲ء میں گولنگی کے مقام پر ہونے والی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد سعید صاحب، ہیڈ ماسٹر، بوری چنگی، بوسیدنگی

محترم جناب ہیڈ ماسٹر محمد سعید صاحب بن عبد القادر ۱۵ / دسمبر/ ۱۹۳۸ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی بوری چنگ میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان ایک زمیندار خاندان ہے، جس کی سخاوت شعاری اور دینی مشاغل سے وابستگی بڑی معروف تھی اور ہے، علاوہ ازیں اس خاندان کے بعض بزرگوں نے امت مسلمۂ ارکانیہ کی بڑی بڑے مشکل حالات میں رہنمائی کی تھی، جو تاریخ ارکان میں محفوظ ہے، خاص طور ۱۹۴۲ء کے ہنگامے میں اس خاندان کی ایک بزرگ ترین شخصیت مرحوم عبد المجید معروف بہ آنتو رارا جانے وہ خدمات انجام دیں، جسے تاریخ ارکان نے ایک روشنی کے مینار کی طرح محفوظ کرلیا ہے، راجا صاحب نے بذات خود جہاد اسلامی میں شرکت کی اور مسلمانوں کی ایسی رہنمائی کی کہ کہتے ہیں کہ اس دوران اگر آپ کی تگ ودو نہ ہوئی ہوتی تو اس علاقہ سے مسلمانوں کا نام ونشان بھی مٹ چکا ہوتا، راجا صاحب کو شاید اس سے پہلے عام مسلمان جانتے ہوں گے، مگر اس واقعۂ کرب وبلا کے بعد آپ کی ایسی شہرت ہوئی جیسی کسی میدان جنگ سے واپس آئے ہوئے سپہ سالار کی ہوتی ہے۔

جناب ماسٹر محمد سعید صاحب کی تعلیم کا آغاز اپنے گاؤں کے مکتب اور سرکاری اسکول سے ہوا، آپ نے مکتب میں قرآن کریم کے ناظرہ کے علاوہ اردو زبان کی ابتدائیات کی تعلیم پائی، ساتھ ہی ساتھ دینیات کی خاصی کتابیں بھی پڑھیں، کچھ بڑے ہوئے تو تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے ساتویں جماعت کی تعلیم مکمل کرکے منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، اور ۱۹۵۷ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا۔

اس کے بعد ماسٹر صاحب نے اعلی تعلیم کے لئے رنگون کا سفر کیا، رنگون یونیورسیٹی سے ۱۹۶۳ء میں فلسفہ، تاریخ اور انگریزی ادب میں بی اے کی ڈگری حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد سیدھے وطن واپس آگئے، اور قومی خدمات سے وابستہ ہو گئے تھے۔

ماسٹر صاحب ۱۹۶۴ء میں بوسیدنگ ہائی اسکول کے سینئر ٹیچر مقرر ہوئے، تدریس کا یہ سلسلہ اسی اسکول میں ۱۹۶۶ء تک جاری رہا، ۱۹۶۶ء میں پرنسپل ہو کے تنگ بازار اسکول میں گئے، اور ۱۹۸۵ء تک اس

اسکول میں پرنسپل رہے، ساتھ ہی ساتھ اس درمیانی مدت میں ایک طرف اس اسکول کو ہائی اسکول بھی بنوایا، اور ۱۹۷۴ء میں بی ایڈ کی ڈگری بھی حاصل کرلی۔

ماسٹر صاحب درحقیقت ایک اکیڈیمک اور ثقافتی ذہن کے آدمی تھے، اللہ تعالی نے آپ کو پڑھنے پڑھانے کا خاص سلیقہ اور ملکہ عطا کیا ہے، آپ نے اپنے تدریسی دور میں اپنے علاقے میں ایک ثقافتی انقلاب برپا کیا، اللہ تعالی نے آپ کے ذریعے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مسلم طلباء کو علم کی دولت سے نوازا، تنگ بازار کے اسکول کو ہائی اسکول بنانے کے لئے آپ نے انتہائی کوشش کی، جس میں آپ کامیاب بھی ہوئے، آپ کی محنت کی برکت سے یہ اسکول بوسیدنگ کے علاقے میں بڑی امتیازی شان کا حامل ہوگیا، چنانچہ سینکڑوں مسلم طلباء نے اس اسکول سے مٹرک کا امتحان پاس کیا، جنہوں نے اپنے اپنے انداز میں قوم کی خدمات انجام دی ہیں۔

۱۹۸۵ء میں ماسٹر صاحب کے خلاف زیرزمین کام کرنے والی تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) سے خفیہ رابطے کا الزام تراشا گیا، دراصل یہ ایک الزام کی شکل میں سازش تھی، آپ کو اس اسکول سے علیحدہ کردینے اور آپ کی روشن خدمات کو روکنے کے لئے دشمن کی طرف سے ایک تخریبی سازش کی گئی تھی، ظالموں نے اس دوران آپ کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا، بالآخر آپ کی گرفتاری کے لئے پروانہ جاری ہوگیا تھا، یہ بھی اللہ تعالی کی مرضی تھی کہ آپ کسی طرح جان بچا کر پڑوسی ملک بنگلا دیش میں پناہ لینے میں کامیاب ہوگئے، پناہ لیتے وقت آپ اکیلے تھے، بعد میں آپ کی اہلیہ محترمہ اپنے پورے گھرانہ سمیت بنگلا دیش پہنچ گئی تھیں، یہ علمی گھرانہ چند دن ٹیکناف میں پناہ گزین تھا، جو چند دن کے بعد چاٹگام پہنچ کر حوالی شہر میں سکونت پذیر ہوگیا۔

ماسٹر محمد سعید صاحب کی ہجرت کی خبر روہنگیا فدائین محاذ کے رہنما حضرت محمد جعفر حبیب تک پہنچی، چنانچہ قائد نے آپ سے ملاقات کرکے محاذ میں شامل ہونے کی دعوت دی تو آپ نے لبیک کہا، یوں آپ اس تنظیم میں ۱۹۸۵ء سے قائد حبیب کی وفات ۱۹۸۷ء تک خدمات نبھائیں، قائد کے انتقال کے بعد آر پی ایف تقریبا کالعدم ہوگئی تو اس وقت ابھرنے والی تنظیم روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے لیڈر محترم جناب ڈاکٹر محمد یونس کی دعوت پر آپ اس میں شامل ہوگئے، اس تنظیم میں

آپ نے نومبر/ ۱۹۸۷ء سے دسمبر/ ۱۹۸۹ء تک مرکزی آفس میں خدمات انجام دیں، موخر الذکر تنظیم میں آپ کی خدمات کے حوالے سے جہاں تک پتہ چلا کہ خدمات کے دوران آپ کو اپنی صداقت نے دے مارا، آپ کو اپنی حق گوئی اور راستبازی کی وجہ سے وقت وقت پر پریشان ہونا پڑا تھا، یوں بھی آپ سیدھے سادے اور حق پسند انسان تھے، بناؤ سنگار سے آپ کی طبیعت تقریبا ناواقف تھی، آپ نہ پیچیدہ بات کہہ سکتے اور نہ پیچیدہ بات سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے، آپ کی گفتگو بڑی سیدھی اور طرز عمل بڑا سادہ تھا، لفاظی نہ آپ کو آتی تھی اور نہ دوسریوں کی لفاظی پسند کرتے تھے، لیکن یہ دنیا ہے بس دنیا، یہاں کسی کو بناوٹ نے مارا تو کسی کو خیانت نے، لیکن آپ کو اس بناوٹ وخیانت کے درمیان صداقت اور سادگی نے دے مارا، بسا اوقات دنیا میں اگرچہ کچھ عرصہ کے لئے ہی سہی ان لوگوں کی قیمت زیادہ ہوجاتی ہے، جنہیں بناوٹ وسجاوٹ کا فن زیادہ آتا ہو، بہر حال ۱۹۸۹ء کے اواخر میں آپ اس تنظیم سے علیحدہ ہوکر متحدہ عرب امارات چلے گئے تھے۔

۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۹ء تک مسلسل دس سال تک آپ مدرسہ عمر بن عبدالعزیز شارجہ میں انگریزی کے استاد رہے، اس دوران آپ نے ایک بیش قیمت کتاب بھی لکھی، جو ۲۰۰۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی، یہ تصنیف انگریزی زبان کے علم الاشتقاق پر مبنی ہے، کوئی ڈھائی سو صفحات پر مشتمل یہ ایک خاص نوعیت کی تصنیف ہے، میں نے اس تصنیف کے متعلق انگریزی زبان سے واقف چند کامیاب لوگوں سے پوچھا تو تقریبا سب کے جوابات یہی تھے کہ یہ ایک کامیاب اور اپنی نوعیت کی ایک خاص تصنیف ہے، مصنف نے اس میں اپنی استعداد کا خوب خوب مظاہرہ کیا ہے۔

۲۰۰۱ء میں متحدہ عرب امارات سے ماسٹر صاحب بنگلا دیش چلے آئے، اور اپنے داماد مولانا مفتی سعید عالم صاحب کے زیر اشراف چلنے والا کامیاب ادارہ "دارالانصار الخیریہ" (جو اس وقت حوالی شہر میں تھا) میں چند سال انگریزی کے استاد رہے، کہنے میں تو ظاہر ہے کہ آپ ایک انگریزی اور برمیز یعنی عصری علوم کا تعلیم یافتہ دانشور ہیں، مگر آپ کی زندگی ایک صحیح معنی کے عالم سے کسی طرح بھی کم نہیں تھی، رفتار وگفتار، طرز زندگی اور معاشرتی انداز واطوار عالمانہ زاہدانہ تھا، کوئی آپ کو دکھ اور تکلیف پہنچاتا تو اس کے لئے آپ کی زبان سے دعائیں نکلتی تھیں، غرض عالم تو عالم ہی ہوتے ہیں مگر دانشوروں

میں آپ جیسے عابد انسان میں نے اپنی زندگی میں کہیں نہیں دیکھا، آپ کی تعلیمی زندگی کے حالات جتنے بھی آپ کے احباب اور ہم نشینوں کے واسطے سے معلوم ہوئے، سب کا یہی کہنا ہے کہ آپ طبعا عابد انسان ہیں، عنفوان شباب میں بھی آپ سنت کے پابند تھے، چہرۂ زیبا زیور سنت سے ہمیشہ منور رہا، کبھی بھولے سے بھی نشتر چلانا تو کجا آپ نے کھینچی چلانا تک گوارا نہ کیا، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کی پاداش میں آپ پر مختلف قسم کی آزمائشیں بھی آئیں، مگر آپ نے ظالموں سے ڈھٹ کر مقابلہ کیا، اور کسی بھی حالت میں اپنے رسولؐ کو ناراض کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔

جہاں تک معلوم ہوا اور بعد میں جہاں تک دیکھا کہ آپ کو اسلامیات کے مطالعہ کے بڑے شائق پایا، اردو زبان سے آپ کو خاص دلچسپی تھی، دعوت وتبلیغ کے کاموں سے لولگائے ہوئے تھے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کے علی الرغم حضرات دیوبندیوں کی تصانیف سے خاص طور پر شغف تھا، علاوہ ازیں قرآن کریم کی تلاوت کے علاوہ انگریزی زبان میں دستیاب تفاسیر ہمیشہ زیر مطالعہ رہتی تھیں، چنانچہ آپ نے ایک روز مجھ سے کہا کہ میرے پاس انگریزی زبان کی چند تفاسیر تو موجود ہیں، لیکن ترجمہ کے ساتھ تفاسیر بڑی مختصر معلوم ہوتی ہیں، تو میں نے اپنی ذاتی لائبریری سے مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی تفسیر جو ضخیم چار جلدوں پر مشتمل ہے نکال کر آپ کا حوالہ کر دیا تھا، اس پر آپ بڑے خوش ہوئے، چند دن کے بعد شکریہ کے بطور فرمایا کہ یہ تفسیر بڑی اچھی معلوم ہوتی ہے، جو معلومات سے پر ہے، اللہ تعالی مصنف کے دراجات کو بلند فرمائے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد ماسٹر محمد سعید صاحب کی شادی خانہ آبادی محترمہ ماسٹر انور جہان بنت ماسٹر محمد ہاشم صاحب حائندہ فاروی سے ہوئی، محترمہ اردو، برمیز، انگریزی اور بنگلہ زبان کی تعلیم یافتہ خاتون تھیں، جن کا انتقال ۲۰۲۰ء میں حوالی شہر چاٹگام میں ہوئی، وہاں کی قبرستان میں مدفون ہیں، ماشاء اللہ محترمہ دینی اور عصری تعلیم سے لیس بڑی شریف، معاملہ فہم، بالغ نظر اور ذہین تھیں، جنھوں نے منگڈ وہائی اسکول سے ہائی اسکول فائنل کر کے وہاں کے ایک سرکاری اسکول میں عرصۂ دراز تک تدریسی خدمات بھی انجام دیں، میری معلومات کی حد تک محترمہ شمالی ارکان جیسے مذہبی علاقے میں ان گنی چنی مسلم خواتین میں سے ایک تھیں، جنھوں نے اردو، برمیز اور انگریزی زبانوں سے لیس

،علوم عصریہ سے آراستہ ہو کر وہاں کے مسلم بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی جدو جہد کی تھی، دین داری اور خدا ترسی کے علی الرغم خانگی زندگی کے حوالے سے بڑی کامیاب خاتون تھیں، محترمہ اپنے لائق شوہر کی طرح غضب کی ذہین تھیں، چنانچہ ملاحظہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی ذہانت وفطانت ان کی اولاد احفاد میں بھی منتقل ہوئی ہے، محترمہ غرباء، ایتام اور مساکین کی گویا ایک شفیق ماں تھیں، اللہ تعالی ان دونوں کی مغفرت کے ساتھ اس علمی واخلاقی گھرانے میں مزید برکت عطا فرمائے، آمین۔

اللہ تعالی نے ان دونوں بزرگوں کی اولاد میں بڑی برکت دی ہے، خالق نے انہیں چار بیٹے اور پانچ بیٹیوں سے نوازا، ان کا پہلا بیٹا محمد اقبال عہد طفولت میں اللہ تعالی کو پیارا ہو گیا، اور باقی سارے کے سارے بیٹے اور بیٹیاں حیات سے ہیں، جن کا کچھ اجمال درج ذیل ہے:

(۱) محترمہ تسنیم فاطمہ: اردو، برمیز، انگریزی اور بنگلہ زبانوں کی مہارت رکھنے کے علاوہ عصری علوم سے آراستہ ہیں، ۱۹۹۵ء سے اپنے لائق شوہر جناب محترم ڈاکٹر محمد علی بن ماسٹر سید حسین کے ساتھ متحدہ عرب امارات کے شہر شارجہ میں مقیم ہیں، ان کی تین بیٹیاں ڈاکٹر صادقہ عالیہ، ڈاکٹر مہرین صالحہ، انجینئر طحاوین صائمہ اور ایک بیٹا انجینئر حافظ محمد بن محمد علی ہیں، صادقہ عالیہ (مقیم حال اسٹرالیا) سلہٹ میڈیکل کالج کی اور مہرین صالحہ (مقیم حال لندن) ڈھاکہ میڈیکل کالج کی فارغ التحصیل ہیں، طحاوین صائمہ (مقیم حال شارجہ) انجینئرنگ میں ڈگری یافتہ ہے، جب کہ حافظ محمد بن محمد علی بھی انجینئرنگ کر کے شارجہ میں والدین کے ساتھ رہتا ہے، جو ابھی تک زیر تعلیم ہے، محترمہ تسنیم فاطمہ ماشاء اللہ بڑی نیک، متعاون، والدین اور اپنے لائق وفائق خاوند (ڈاکٹر محمد علی صاحب کی مختصر سوانح حیات میری اس سلسلۂ کاوش کی زینت بنی ہوئی ہے) کی طرح دین دار اور انسانیت نواز خاتون ہیں، اللہ تعالی ان کو مزید کامیاب کرے، اور توفیق سے نوازے۔

(۲) یاسمین شمیہ: تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ بڑی نیک، اور متعاون خاتون ہیں، اپنے شوہر محترم جناب عبد المناف بن محمد علی صاحب علی تانجوی کے ساتھ متحدہ عرب امارات کے شہر شارجہ میں مقیم ہیں، ایک بیٹے ڈاکٹر محمد اسماعیل اور دو بیٹیاں سلمی مناف اور فاطمہ مناف کی والدہ ہیں، تینوں کی شادی خانہ آبادیاں ہو چکی ہیں، دونوں بیٹیاں اپنے والدین کے قریب شارجہ میں سکونت پذیر ہیں، جبکہ ڈاکٹر محمد

اسماعیل چاٹگام میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کر کے مزید تعلیم کے لئے امریکہ گیا، وہاں کی معروف میڈیکل یونیورسٹی نیومیکسیکو سے نیوروسرجری کا متخصص ہے، اللہ تعالی اس گھرانے کے اس اکلوتے بچے کو مزید کامیابی سے ہم کنار کرے۔

(۳) محترمہ عزیزہ: دینی وعصری تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ نہایت پاک سیرت، عالی صفات اور پرہیزگار خاتون اسلام ہیں، مدرسہ سلیمہ سراج چاٹگام کی فارغ شدہ ہیں، محترمہ حضرت مولانا مفتی سعید عالم صاحب (مدیر دار الانصار الخیریۃ چاٹگام) کی شریک حیات ہیں، مفتی صاحب کے حالات پر مشتمل ایک مقالہ انشاء اللہ تعالی اس کاوش میں شامل ہوگا، محترمہ ایک بیٹی ڈاکٹر/ ماریہ تبسم اور دو بیٹے حافظ مولوی احمد معاذ اور مولوی حافظ انس سعید کی ماں ہیں، اللہ تعالی اس گھرانہ کو مزید قبول فرمائے۔

(۴) کوثر جہاں نیّؔ: مدرسہ سلیمہ سراج کی فارغ التحصیل ہیں، راقم السطور کی شریک حیات ہیں، الحمد للہ تعالی میری زندگی میں وہ آئیں تو بہار آ گئی، جو چار بچوں بالترتیب: ڈاکٹر حفصہ بشری، عائشہ بشری اقصیؔ، رحمۃ بشری نبیلہؔ اور حافظ محمد طارق جمال کی ماں ہیں، حوالی شہر چاٹگام میں مع اہل خانہ مقیم ہیں۔

(۵) ڈاکٹر محمد سعید المستقیم: یہ ماسٹر محمد سعید صاحب کے بیٹوں میں (مرحوم محمد اقبال کو چھوڑ کر) سب سے بڑے ہیں، چاٹگام میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کر کے ڈھاکہ میڈیکل کالج سے ایف سی پی ایس (FCPS) اور ایم ڈی کرنے کے ساتھ بی سی ایس بھی کر چکے ہیں، ان کی اہلیہ ڈاکٹر ام ہانی بھی ایم بی بی ایس کے بعد اف سی پی ایس اور بی سی ایس کر چکی ہے، دونوں آج کل چاٹگام میڈیکل کالج ہسپتال میں اپنے اپنے فنون کے ساتھ مشغول ہیں، ڈاکٹر صاحب ایک بیٹے طلحہ اور ایک بیٹی عائشہ کے والد ہیں، ماشاء اللہ دونوں میاں بیوی نہایت دین دار، پرہیزگار اور متعاون ہیں، اللہ تعالی سب کی حیات دراز کرے۔

(۶) خدیجہ سعیدہ: جامعہ اسلامیہ عالمیہ چاٹگام سے انگریزی میں ماجستر کر چکی ہے، آج کل اپنے شوہر محمد ندیم سرکار صاحب کے ساتھ ڈھاکہ میں مقیم ہے، نہایت اخلاقی اور عبادت گزار خاتون ہے، ماشاء اللہ دو بچے: عبد اللہ اور نصیبہ کی والدہ ہے، اللہ تعالی حیات دراز کرے۔

(۷) ڈاکٹر پروفیسر مولوی حافظ محمد سعید المرتضی: انہوں نے جامعہ دار المعارف الاسلامیہ چاٹگام سے

فارغ التحصیل ہونے کے بعد چاٹگام یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں سے بی اے، ایم اے اور ایم فیل کرنے کے بعد پی ایچ ڈی کی ڈگری بھی حاصل کی ہے، عرصۂ دراز تک مدرسۃ الخضراء امیر آباد چاٹگام کے مدیر و منتظم رہنے کے بعد آج کل الجامعۃ الاسلامیہ العالمیہ چاٹگام کے پروفیسر ہیں، پروفیسر صاحب تین بچوں: امیہ سعید محہ، حمدان سعید، جنینہ جہان ذکری کے باپ ہیں۔

(۸) مولوی حافظ محمد سعید المصطفی: جامعہ دار المعارف الاسلامیہ کے فارغ التحصیل ہیں، جامعۃ القصیم سعودی عرب سے بی اے اور ایم اے کرنے کے بعد آج کل اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لئے تیاری کر رہے ہیں، دو بچوں: حذیفہ سعید سلمان، مقداد سعید حسنین کے باپ ہیں، مع اہل خانہ وہیں مقیم ہیں، اللہ تعالی انہیں کامیاب فرمائے۔

محترم مرحوم ماسٹر محمد سعید صاحب ایک دین دار اور پرہیزگار داعی ہونے کے ساتھ حقیقت میں ایک اخلاقی انسان تھے، راستبازی، امانت شعاری، دیانت داری اور خدا ترسی کے حوالے سے آپ کو ایک گل سر سبد کہا جا سکتا ہے، تلاوت واذکار اور تہجد کی پابندی آپ کی زندگی کا معمول بن چکی تھی، سردی ہو یا گرمی، بارش ہو یا طوفان کوئی بھی چیز آپ کو نماز با جماعت سے روک نہیں سکتی تھی، کہنے میں تو آپ عالم دین نہیں تھے، مگر مجھے عصری تعلیم یافتہ اس ماسٹر صاحب کی عبادت گزاری اور خدا ترسی اور بندہ نوازی پر رشک ہوتا ہے، اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔

ماسٹر محمد سعید صاحب نے ۳۰/ اگست/ ۲۰۲۱ء میں حوالی شہر چاٹگام میں انتقال کیا، اس علاقے کی پرانی قبرستان میں مدفون ہیں، اللہ تعالی آپ کے گھرانہ کو ملک وقوم کی خدمات کے لئے مزید قبول فرمائے، آمین یارب العالمین۔

محمد شاہ صاحب، مرد مجاہد، انقلابی، باعکونوی

دور حاضر کے عظیم مرد مجاہد، جہاد فی سبیل اللہ کے دیوانے اور شیدائی محترم جناب محمد شاہ صاحب کی ولادت آپ کے بقول ۱۹۴۲ء میں منگڈو کی معروف ومردم خیز بستی باعکونہ میں ہوئی، آپ اس علاقہ کے ایک سر برآوردہ معروف خاندان کے چشم و چراغ تھے، آپ کے دادا مرحوم عمر درازروا سوگری کو اس علاقہ کے معروف قوم پرست انسان مانا جاتا تھا، روا سوگری صاحب ۱۹۴۲ء کے مجاہدین اسلام کے سرکردہ لیڈر رہ چکے تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم پر راضی ہوجائے، آمین۔

جناب محمد شاہ صاحب کی تعلیمی زندگی کا آغاز گاؤں کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے ہوا، پرائمری کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کرنے بعد منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، وہاں سے ۱۹۵۹ء میں ہائی اسکول فائنل کیا، پھر چوکپر وکالج میں داخلہ تو لیا لیکن انٹرمیڈیٹ پاس کئے بغیر آپ کو کالج چھوڑنا پڑا، آپ نے پھر رنگون کی راہ لی، وہاں آپ نے فوجی اکیڈیمی میں داخلہ لیا، اور ۱۹۶۷ء سے ۱۹۶۸ء کی درمیانی مدت میں ورکرز کالج سے فوجی تربیت حاصل کرلی تھی۔

محمد شاہ صاحب فوجی تربیت سے فراغت کے بعد برمی پولیس میں بھرتی ہوگئے، مگر یہ نوکری آپ کے لئے راس نہ آئی تو نوکری چھوڑ کر شان اسٹیٹ کے دارالحکومت تونجی چلے گئے، جہاں آپ نے ایک نجی تجارت کا آغاز تو کیا، مگر چند دن گزرتے نہ گزرتے آپ کے لئے یہاں کی زمین بھی تنگ ہوگئی، جس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ اس زمانے میں تونجی میں ایک قومی فساد ہوا تھا، جس میں آپ نے مسلمانوں کی قیادت کی، جس کی پاداش میں سترہ مہینے تک قید و بند سے دوچار ہونا پڑا، اس سے رہائی کے بعد آپ نے تھائی لینڈ کی راہ لی تھی۔

تھائی لینڈ میں آپ نے برمی فوجی حکومت کے خلاف زیرزمین کام کرنے والی مختلف تنظیموں میں کام کیا، جن میں نیشنل ڈیموکراٹیک فرنٹ (NDF) اور کرین نیشنل فرنٹ (KNF) قابل ذکر ہیں۔

بعد میں ان مذکورہ پارٹیوں کے ساتھ کام کرنا بھی آپ کے لئے مشکل ہوگیا تو آپ تھائی لینڈ چھوڑ کر بنگلادیش پہنچے، وہاں آپ نے روہنگیا مسلمانوں کے مفاد میں کام کرنے والی مختلف تنظیموں سے مل جل کر کام کرنا چاہا، مگر آپ کے مطابق ان جماعتوں کو بھی اپنے جذبات وخیالات کی موافق نہ پاکر جہادی تربیت کی نیت سے اول افغانستان پھر فلسطین پہنچے، ان ملکوں کے مختلف مقامات میں آپ نے جہادی

فریضے انجام دیئے تھے۔

افغانستان اور فلسطین کی جہادی تنظیموں میں کام کرنے کی وجہ سے آپ کے اسلامی خیالات اور جذبات میں مزید نکھار آیا، چنانچہ ایک موقع پر آپ مجھ سے کہنے لگے تھے کہ:

> ''میں نے افغانستان اور فلسطین میں ظالم باطلوں کے خلاف جو جہاد اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور وہاں کے مجاہدین کے ساتھ کام کرکے جو تجربہ حاصل کیا، اسے یہاں سرزمین ارکان میں بھی اپنانا چاہتا ہوں، جہاد دراصل جہاد کی طرح ہونا چاہئے، ہمارے یہاں تو میرے خیال میں جہاد کے نام پر ڈھکو سلے ہی ہورہے ہیں، اس طرح کے نام نہاد جہاد سے کوئی بھی کام ہونا ممکن نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سوچنے سمجھنے کی توفیق دے''۔

جہاد افغانستان اور فلسطین سے غازی بنے واپسی کے بعد آپ بنگلادیش میں سکونت پذیر ہوگئے، اس کے بعد آپ نے زیرزمین کام کرنے والی مختلف روہنگیا تنظیموں کی سربرآوردہ لیڈروں سے جہاد کے حوالے سے گفتگو کی، آپ کے مطابق ان ملاقاتوں میں آپ شدید ناکام ہوگئے تھے، چنانچہ اس حوالے سے ایک دوسری موقع پر آپ نے کہا کہ:

> ''میں نے یہاں زیرزمین کام کرنے والی ایک سے زیادہ تنظیموں کے قائدین سے ملاقاتیں کیں، سب کو جہاد اسلامی کے طرز وطریقے سمجھانے کی کوششیں کیں، لیکن آخرکار میں ناکام ہوگیا ہوں، نہ جانے وہ حضرات جہاد اسلامی کو کیا سمجھتے ہیں، میرے نزدیک وہ لوگ جہاد اسلامی کے نام سے اپنے اپنے خیالات اور خوش فہمی میں مبتلا ہیں، شاید سمجھتے ہیں کہ چند اسلحہ جات کے حصول سے عملاً جہاد کئے بغیر لمبی چوڑی تقریریں داغنے سے سارے کام ہوجائیں گے، نہیں اور کبھی بھی نہیں، جہاد دراصل کسی عملی اقدام کا دوسرا نام ہے''۔

بہرحال یہاں زیرزمین کام کرنے والی تقریباً تمام تنظیموں سے مایوس ہوکے بالآخر آپ نے اپنی ایک علیحدہ جماعت ''روہنگیا اسلامک لبریشن آرگنائزیشن (RILO) کا اعلان کردیا، اس کے اعلان کے بعد آپ نے ارکان بنگلادیش کے سرحدی علاقوں کا مختلف دورہ کیا، ۱۹۹۰ء کے دوران روہنگیا مسلمانوں کی ایک بھاری تعداد نے بنگلادیش میں پناہ لی تو آپ اور بھی پریشان ہوگئے تھے، اب آپ

نے اپنی تنظیم کو عملی میدان میں ڈالنے کا فیصلہ کرلیا،لیکن کیسے؟ دراصل آپ یہ سوچنے کے کبھی قائل ہی نہیں تھے کہ آپ کے اس اقدام کے ذریعے میدان جہاد میں کہاں تک کامیاب ہوسکیں گے، آپ کے نزدیک جو کچھ بھی ہوجائے کہ مجاہدین کو عملی میدان میں اتر جانا ہی چاہیئے، اور بس۔

بعض اطلاع سے جہاں تک معلوم ہوا کہ آپ ۱۹۹۰ء میں بیرون ملک سے آئے ہوئے ایک مسلم وفد سے ملاقات کرنے ڈھاکہ گئے تھے، کہتے ہیں کہ اس وفد سے کسی بھی طرح ملاقات کرنے نہیں دیا گیا تو آپ نے پانچ ستارے ایک ہوٹل کی پچھلی دیوار پلانگ کر اندر جانے کی کوشش کی، لیکن عین موقع پر آپ گرفتار ہوگئے، جس کی پاداش میں آپ کو تقریباً چار سالوں تک قید و بند کی تنہائی برداشت کرنی پڑی تھی، بعد میں آپ رہا تو کر دیئے گئے لیکن جسمانی اعتبار سے اندر ہی اندر میں تقریباً ٹوٹ چکے تھے، اطلاع یہی ہے کہ اس قید و بند کی تنہائی سے آزاد ہونے کے چند مہینوں کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

شک نہیں ہے کہ جناب محمد شاہ صاحب ایک اسلامی قوم پرست فعال، نڈر قومی لیڈر تھے، ساتھ ہی ساتھ سیدھے سادھے اور پاک باز بھی، نماز باجماعت کے نہایت پابند تھے، جو بھی کہتے وہ کرگزرنے کے شدید خواہاں تھے، کہتے ہیں کہ طالب علمی کے زمانے سے آپ اسلام سے دلچسپی لینے والے طالب علم تھے، اسلام کی جانب سے دفاع کرنا آپ کی زندگی بھر کا خاص شغف رہا تھا، جہاد اسلامی کے گویا متوالے تھے، آپ ارکان کے جمیع مسائل کا حل صرف اور صرف اسلامی جہاد کی شکل میں ہی دیکھتے تھے، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، آمین۔

محمد شریف صاحب، خائندافاروی، منگڈوی

کمانڈر جناب شہید محمد شریف صاحب ۱۹۱۶ء میں مشرقی منگڈو کی معروف بستی خائندہ فارہ میں ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب بڑے نیک، دین دار اور قوم پرست مرد مجاہد تھے، جنہوں نے ۱۹۴۲ء کے دوران بنفس نفیس مجاہدین میں شامل ہوکر روہنگیا مسلمانوں کی بقاء و استحکام کے لئے منگڈو اور بوسیدنگ کی لڑائیوں میں شرکت کی تھی، کہتے ہیں کہ وہ بڑے بہادر اور دانا مرد مجاہد تھے، جہاد و قتال کے دوران ہمیشہ پیش پیش رہا کرتے تھے۔

جناب محمد شریف صاحب نے اپنی بستی کے مکتب سے ناظرہ قرآن کریم کے ساتھ کچھ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد سرکاری اسکول میں بھرتی ہوکے اردو میں ابتدائی اور متوسطہ کی تعلیم پائی، بعد ازاں تجارت سے دل چسپی تو لی تھی لیکن اس میدان میں آپ کوئی کامیابی حاصل نہ کر پائے، بعد میں گھر کے کام کاج میں ہمہ تن مصروف ہوگئے تھے۔

محمد شریف صاحب ۱۹۴۸ء کی ابتداء میں نامور مرد مجاہد جناب محمد ابراہیم پتھری قلعوی کے جہادی گروپ میں شامل ہوگئے، ان کے ساتھ جناب ابوالحسین اور جلیل احمد (زولونگیا) وغیرہ مجاہدین بھی تھے، جنہوں نے ۱۰/نومبر/۱۹۴۸ء کو منگڈو کے SDO کو قتل کر دیا تھا، جس کی پاداش میں وہ اور ان کے قائد محمد ابراہیم صاحب سمیت گروپ کے تمام مجاہدین کو حراست میں لیا گیا، لیکن خوش قسمتی سے موقع پا کر تمام مجاہدین جیل توڑ کے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

جیل سے فرار ہونے کے بعد جناب محمد شریف صاحب حضرت محمد جعفر حسین قوال کی تحریک جہاد سے وابستہ ہوگئے، جہاد کونسل میں شامل ہوکر آپ نے باضابطہ طور پر عسکری تربیت حاصل کی، اس کے بعد جہاد کونسل کے زیر سائے مختلف معرکوں میں شرکت کی، آپ بڑے مخلص اور باشعور مرد مجاہد تھے، قومی اور ملی غیرت سے سرشار یہ مرد مجاہد جہاں کہیں بھی پہنچتے ارکانی مسلمانوں کو راہ عزیمت میں صبر و ثبات سے کام لینے کی تاکید کیا کرتے تھے۔

محمد شریف صاحب بعد میں کمانڈر بھی بنائے گئے، آپ نے اپنے ساتھی مجاہدین کے ساتھ منگڈو اور بوسیدنگ کی کئی لڑائیوں میں شرکت کی، جہاں بھی لڑائی کی سرخرو ہوکے واپس آئے، لیکن اللہ تعالی کو منظور تھا کہ آپ نے ۱۹۵۰ء کی شقدارفارہ والی لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد شفیع صاحب، میجر جنرل، بلی بازاری، منگڈوی

میجر جنرل جناب محمد شفیع صاحب شمالی منگڈو کے معروف ومردم خیز قصبہ بلی بازار میں تقریباً ۱۹۱۲ء میں ایک متمول سخی گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک عابد، زاہد، زمیندار مالدار اور سخی ہونے کے ساتھ علم وعلماء دوست بزرگ تھے، وہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا مطالعہ کرتے تھے، کہتے ہیں کہ وہ فنافی الرسول کے مقام پر فائز ایک ولی اللہ تھے۔

محمد شفیع صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی محلے کے مکتب میں ہوئی، بعد میں قاضی آباد شمالی منگڈو کے سرکاری اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے اردو میں ساتویں جماعت تک کی تعلیم پائی، فراغت تعلیم کے بعد کچھ نجی کاروبار کے ساتھ گھر بار کے کام کاج میں مشغول ہو گئے تھے۔

جناب محمد شفیع صاحب نے ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران مجاہدین اسلام میں شامل ہو کر مگھ برمیوں کے خلاف لڑائی کی، آپ بڑے بہادر، ذہین اور حوصلہ مند جوان مجاہد تھے، حق گوئی اور حق شناسی میں یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، لوگ کہتے ہیں کہ اس وقت مجاہدین اسلام کو آپ کی بہادری اور حوصلہ مندی سے کافی فائدہ پہنچا تھا۔

۱۹۴۷ء کے دوران آپ نے جب دیکھا کہ مگھ برمی درندے ملک بھر میں دندناتے پھر رہے ہیں، تو آپ کے دل ودماغ کو غیرت دینی ونخوت اسلامی نے بری طرح ستایا، چنانچہ آپ ذہنی طور پر جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار ہو گئے، ایسی حالت میں آپ کو بانی تحریک آزادیٔ ارکان حضرت محمد جعفر حسین قوال کی طرف سے دعوت ملی تو آپ نے ۱۹۴۸ء کی ابتداء میں جہاد کونسل میں شامل ہو کے عسکری تربیت حاصل کی، جس کے بعد مختلف لڑائیوں میں شرکت کی تھی۔

جناب محمد شفیع صاحب ۱۹۴۹ء میں ہونے والی بلی بازار کی جنگ میں شرکت کر کے جہاد وقتال کے حوالے سے بڑی نمایاں خدمات انجام دیں، علاوہ ازیں لڑائیوں کے حوالے سے مختلف کارناموں کی وجہ سے لوگوں کے دل میں آپ کی بہادری اور دقیقہ سنجی کا داغ بیٹھ گیا، اس لئے آپ کو تمام مجاہدین بڑے احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ آپ کے روشن کارناموں اور تابناک خدمات کے صلے میں قائد تحریک جناب محمد جعفر حسین قوال صاحب نے آپ کو میجر جنرل (GM) کے خطاب سے نوازا تھا۔

محمد جعفر حسین کی پراسرار شہادت کے بعد اگرچہ آپ بہت پریشان تھے، لیکن آپ کے دل میں قافلۂ جہاد کو چھوڑنے کا خیال کبھی بھی نہیں آیا، چنانچہ آپ نے محمد عباس صاحب سینڈنگی کا بھرپور ساتھ دیتے ہوئے قومی سیاسی پروگراموں اور جہادی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے کی مسلسل جد وجہد کی، اور جہاد کونسل میں ایک بڑے قائد کی حیثیت سے بنیادی کردار ادا کرتے رہے، بعد میں آپ کے دیرینہ بلکہ زندگی بھر کے دوست اور ساتھی جناب میجر جنرل صالح احمد صاحب فقیروی جہاد کونسل کے صدر بنے تو محمد شفیع صاحب مزید سرگرم عمل ہو گئے، آپ ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۶۱ء تک جہاد ارکان میں قیادی کردار ادا کرتے رہے تھے۔

۱۹۶۱ء کو آپ بشمول آپ کے دوست اور قائد جہاد کونسل میجر جنرل صالح احمد صاحب مشرقی بوسیدنگ کے ایک اصلاحی جلسے میں مدعو ہوئے، جہاں بعض غداروں نے جھانسہ دے کر آپ بشمول قائد جہاد کونسل صالح احمد صاحب کو برمی فوجیوں کے ہاتھوں پکڑوا دیا، ویسے آپ نے دو سال برمی حکومت کے جیل خانے میں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں، بعد میں آپ کو عام معافی کے دوران خلاصی ملی تو آپ نے ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے نائکان سری میں پناہ لی تھی۔

میجر جنرل محمد شفیع صاحب میجر جنرل صالح احمد صاحب کے زندگی بھر کے ساتھی ہونے کے ساتھ آپس میں سمدھی بھی تھے، برادر محترم جناب محمد اقبال بن محمد شفیع صاحب میجر جنرل صالح احمد صاحب کے داماد ہیں، جو نائکان سری والے علاقے کے غالباً دو دو مرتبہ او پوضلع چیرمن بھی رہ چکے ہیں، بڑے نیک اور قوم کے ہمدرد انسان ہیں، اللہ تعالی بڑے باپ کے اس بڑے بیٹے محمد اقبال صاحب کی حیات دراز کرے اور قوم کی مزید خدمات کی توفیق عنایت فرمائے، آمین۔

میجر جنرل محمد شفیع صاحب کے اور ایک صاحب زادہ میرے قریبی عزیز اور دوست جناب محمد شبیر صاحب ماشاء اللہ ایک لائق دانشور ہیں، انہوں نے فراغت تعلیم کے بعد بنگلا دیش اسلامی بنک میں ملازمت اختیار کی، ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے آج کل جنرل منیجری کی پوسٹ پر فائز ہیں، اللہ تعالی حیات دراز فرمائے۔

میجر جنرل محمد شفیع صاحب ایک زندہ دل قومی خادم اور لیڈر تھے، بڑے مدبر، معاملہ فہم، سرگرم عمل خاموش طبیعت کے مرد مجاہد تھے، آپ نے نائکان سری میں انتقال کیا، وہاں کی جامع مسجد کے بغل میں آسودۂ خاک ہیں۔

محمد صدیق صاحب، انجینئر، دمبائیوی، بوسیدنگی

انجینئر محمد صدیق صاحب کی ولادت مئی/۱۹۵۶ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی دمبائی میں ہوئی، آپ کے والد جناب باسومیاں صاحب مرحوم قوم کے ہم درد، علم دوست اور ہر دل عزیز انسان تھے، ایک تاجر تو تھے ہی ساتھ ہی ساتھ ذہین اور طرار بھی تھے، عالی ظرفی، بلند حوصلگی کے حوالے سے وہ یکتائے روزگار سمجھے جاتے تھے، انجینئر صاحب کو مذکورہ سارے اوصاف ورثہ میں ملے ہوں گے، ان بلند صفات میں وہ تو اپنے والد صاحب جیسے ہیں، ما شاء اللہ لیکن آپ کی شریک حیات بھی مذکورہ صفات کے حوالے سے انجینئر صاحب سے کسی طرح کم نہیں ہیں، آپ کی والدہ محترمہ دھلوبی ایک نیک اور پاکیزہ صفات خاتون تھیں، راقم سطور کا سعودی عرب میں ۲۰۰۳ء سے ۲۰۱۸ء تک قیام رہا ہے، محترمہ اس زمانے میں اپنے اکلوتے بیٹا انجینئر محمد صدیق صاحب کے ساتھ سعودی عرب کے شہر جدہ میں مقیم تھیں، اسی دوران غالبا ۲۰۱۷ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

انجینئر محمد صدیق صاحب کی آبائی بستی دمبائی علاقۂ تنگ بازار ہے، جہاں سے آپ اپنے والدین کے ساتھ منتقل ہو کے بوسیدنگ ٹاؤن میں آئے، بعد میں یہ گھرانہ بوسیدنگ سے پھر گاؤں واپس چلا گیا تھا۔

آپ کی مکتب نشینی اور ابتدائی تعلیم دمبائی میں ہوئی، آپ نے گاؤں کے مکتب میں قرآن کریم کا ناظرہ اور دینیات کی دوسری جماعت تک کی تعلیم پائی، آپ کے ابتدائی دینیات کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبد السلام صاحب برادر محترم حضرت مولانا اڈووکٹ شفیق احمد صاحب مرحوم تنگ بازاری قابل ذکر ہیں۔ مکتب میں ایک طرف دینیات کی تعلیم ہو رہی تو دوسری طرف والدین آپ کو سرکاری اسکول میں داخل کرادیا تو آپ نے اپنے آبائی گاؤں کے پرائمری اسکول میں چار سال پڑھ کر چوتھی جماعت کی تکمیل کرلی، پرائمری اسکول میں آپ کے نادر اساتذہ میں جناب ماسٹر عبدالہادی اور جناب ماسٹر نجومیاں صاحبان قابل ذکر ہیں۔

۱۹۶۶ء میں چوتھی جماعت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے ۱۹۶۷ء سے لے کر ۱۹۶۹ء تک تنگ بازار کے مڈل اسکول میں تعلیم حاصل کی، وہاں آپ کے نامور اساتذہ میں ہیڈ ماسٹر جناب محمد سعید صاحب بوری چنگی، ماسٹر حبیب اللہ اور ماسٹر طہ حسین نا قابل فراموش ہیں، بعد ازاں آپ

۱۹۷۰ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک منگڈو ہائی اسکول میں پڑھتے رہے، وہاں جناب ماسٹر نور الزماں صاحب سے خوب خوب استفادہ کرکے ۱۹۷۳ر میں مٹرک کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا تھا۔

اس کے بعد اعلی تعلیم کے سلسلے میں رنگون گئے، اور ۱۹۷۳ء سے لے کر ۱۹۷۸ء تک مسلسل پانچ سالوں تک انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (RIT) رنگون میں زیر تعلیم رہے، ۱۹۷۸ء میں (BE) یعنی میکانیکل انجینئرنگ میں ڈگری حاصل کرلی، اس کے بعد آپ نے رنگون یونیورسیٹی میں ایم اے کے لئے داخلہ تو لیا مگر زمانے کی گردش کا کیا کہنا کہ تعلیم مکمل کئے بغیر آپ کو ۱۹۸۰ء میں ملک بدر ہونا پڑا، یوں آپ نے سعودی عرب کی راہ لی تھی۔

آپ نے اس اجنبی ملک میں جانے کے باوجود اپنی اگلی تعلیم کو نہیں چھوڑا، چنانچہ آپ نے ۱۹۹۳ء میں انٹرنیشنل کراسپونڈنٹ اسکول آف لندن (ICS) سے الکٹرانک انجینئرنگ میں ایسوسی ایٹ ڈگری پھر ۱۹۹۹ء میں اسی انسٹی ٹیوٹ سے کمپیوٹر سائنس میں ایم اے کی ڈگریاں حاصل کرلیں۔

۱۹۸۰ء میں آپ نے ارض مقدسہ مکۃ المکرمہ میں رفریجریشن ورک شپ میں کام کرنا شروع کردیا تھا، اس میں تین مہینے کام کرنے کے بعد آپ نے بذات خود الکٹریکل وائرنگ کنٹرکٹنگ کا کام شروع کردیا، جس میں تقریبا ایک سال تک کام کرنے کے بعد سعودی عرب کے معروف شہر جدہ منتقل ہوگئے، جہاں آپ ۱۹۸۲ر کے اوائل سے ۱۹۸۴ء کے اواخر تک سول ٹیسٹنگ پلان میں کام کرتے رہے، اسی سال آپ کے والد جناب باسومیاں کی وفات حسرت آیات کی خبر آئی تو آپ کا دل اچھاٹ ہوگیا تو آپ اپنے عہدے سے مستعفی ہوگئے تھے۔

۱۹۸۷ء میں آپ کی شادی محترمہ ام الخیر بنت عبدالغنی معروف بہ گھاٹ سرانگ اکیابی سے ہوئی، جن کے بطن سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس نے سعودی عرب سے تعلیم پاکر لندن سے میڈیکل سائنس میں ڈگری حاصل کی، جو آج کل لندن میں والدین کے ساتھ رہتی ہے۔

انجینئر صاحب نے ''سعودی سافٹ'' نامی کمپنی میں عرصۂ دراز تک کام کیا، چنانچہ ۲۰۰۳ء تک اسی کمپنی میں انفارمیشن ٹکنالوجی کے منیجر (ITMAN) کے عہدے پر فائز تھے، اس کمپنی نے آپ کی بڑی قدر کی، ایک سائنس دان کی حیثیت سے آپ کو جائز مقام دیا، مگر بعض نا قابل بیان وجوہات کی

بنیاد پر آپ کو اس کمپنی سے سبکدوش ہونا پڑا تو اور ایک ٹیکنیکل کمپنی میں کام کرتے رہے تھے۔

طالب علمی کے زمانے کے حوالے سے انجینئر صاحب کی کچھ باتیں سننے میں آئیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑے ذہین طالب علم تھے، ابھی آپ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہیں تھی کہ ایک روز آپ نے ناپ تول کا ایک مشین تیار کرلیا، جس کے ذریعے کسی بھی چیز کا طول وعرض یونہی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ناپ لیا کرتے تھے، چنانچہ یہ مشین دیکھ کر نہ صرف آپ کے والدین بلکہ بستی کے لوگ محو حیرت ہو گئے تھے، آپ کو امتحان لینے کے لئے لوگ جمع ہو گئے تو آپ کی ذہانت دیکھ کر سب کے سب متحیر ہو گئے تھے، ویسے آپ کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی تھی، اسی طرح آپ نے مڈل اسکول کی پڑھائی کے دوران ایک ریڈیو تیار کرلیا تھا، چنانچہ علاقے بھر کے لوگ آپ کا ریڈیو دیکھنے آتے اور آپ کی ذہانت کے گن گائے چلے جاتے تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں ہی آپ نے اپنے علاقے کے علمائے کرام اور مشائخ عظام سے ناطے جڑ لئے تھے، علماء اور مشائخ کی مجالس میں بیٹھے ان کی نصیحت اور مواعظ سے محظوظ ہوا کرتے تھے، پند و نصائح سننے کے بڑے شائق تھے، علاقے میں جہاں بھی پند ونصیحت کی محفلیں سجتیں آپ وہاں پہنچ جاتے تھے، آج تک بحمد اللہ آپ کو میں نے ایک عالم دوست اور علم وعمل کا خوگر انسان پاتا رہا، خدا کرے کہ آپ کی عمر اب بھی اسی ڈگر پر چلتی رہے۔

رنگون میں تعلیم کے دوران یونیورسیٹی کی لائبریریوں سے آپ نے خوب خوب استفادہ کیا، آپ کے اساتذہ آپ کی کثیر الاطلاعات پر حیران تھے، آپ ہر حال میں اساتذۂ کرام کے منظور نظر رہے، ابھی آپ مٹرک پاس ہوئے تو بوسیدنگ کے اساتذہ نے آپ کو ہائی اسکول کے طالبعلموں کو پڑھانے کا موقع دیا تھا، یہ جہاں اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ ایک ذہین اور زیرک طالب علم تھے تو وہاں اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ اساتذۂ کرام آپ کو بڑی محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

انجینئر صاحب کے ساتھ میری رفاقت کی ایک طول طویل مدت گزر چکی ہے، جہاں تک میں نے آپ کو پایا بہت ہی اچھے اوصاف کا انسان پایا، آپ دل دردمند اور فکر ارجمند کے مالک انسان ہیں، اللہ تعالی نے آپ کے دل میں ملت وقوم کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے، ماشاء اللہ قوم کے بڑے خیر خواہ

انسان ہیں، ملت وقوم کی بہبودی اور فلاح کے حوالے سے آپ نے بہت سارے کام اور بہتوں فرائض انجام دیئے، جن میں سے چند چیزیں درج ذیل ہیں:

(۱) آپ نے روہنگیا قوم کے شباب اور رجال کار کی تیار کے لئے شارع خالد بن ولید جدہ میں ایک کمپیوٹر ٹریننگ سنٹر قائم کیا تھا، لیکن بعد میں یہ اسکول بند ہو گیا، اس کی وجہ جہاں تک معلوم ہوئی کہ جن حضرات نے اس سنٹر کے حوالے سے تعاون کا وعدہ دیا تھا، انہوں نے اپنے وعدے سے اپنے کو پیچھے ہٹا لیا، تاہم جتنی مدت تک یہ سنٹر چلا، قوم کے بہت سے نوجوانوں نے اس سے استفادہ کیا تھا، آج کل کمپیوٹر کی دنیا میں کم سے کم جدہ کی حد تک جو خاصی تعداد میں روہنگیا نوجوان دکھائے دے رہے ہیں، تقریبا سارے کے سارے اس سنٹر کے ساختہ پرداختہ ہیں، مکہ اور جدہ میں خصوصا جتنے تلامذہ آپ کے ہیں، سب کے سب دنیائے کمپیوٹر کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

(۲) قوم کی نئی نسل کو دینی اور عصری علوم سے آراستہ کرنے کے لئے انجینئر صاحب نے کیلو/ ۱۴ جدہ میں ایک اسکول کی بنیاد رکھی تھی، جو آپ کے اشراف میں تقریبا پانچ سالوں تک چلتا رہا تھا، ماسٹر جمیل احمد صاحب یونگ چنگی کے علاوہ راقم سطور بھی اس اسکول کے ادارت کرتے رہے تھے، مگر بعض فاعل خیر حضرات کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے یہ اسکول بھی بند ہو گیا۔

(۳) انجینئر صاحب نے اپنی قوم کی بہبودی اور فلاح کی خاطر ایک رسم الخط بھی ایجاد کی ہے، ''روہنگیالیش'' اس کا نام دیا گیا ہے، آپ نے لاطینی رسم الخط میں دو تین حروف کے اضافے کے ساتھ روہنگیا زبان کو کنٹرول کرنے کی جو کوشش کی ہے، اس میں آپ سراسر کامیاب نکلے ہیں، آپ نے یہ کام ۱۹۹۸ء سے شروع کیا تھا، اور اس رسم الخط میں روہنگیا زبان کی ابتدائی اور بنیادی نحو وصرف پر مشتمل چند درسی کتابیں بھی لکھیں، علاوہ ازیں ایک ڈکشنری بھی مرتب کی ہے، جس میں پندرہ سے بیس ہزار روہنگیا زبان کے الفاظ ہیں، مستقبل میں قوم کو یہ رسم الخط منظور ہو گیا تو آپ ایک رسم الخط کے بانی کی حیثیت سے دنیائے علم وادب وثقافت کا چاند بن کر چمکیں گے۔

(۴) ۲۰۰۳ء کے اواخر میں انجینئر صاحب نے راقم السطور کے سامنے ایک تجویز رکھی کہ میں روہنگیا لیش میں قرآن کریم کا ترجمہ کردوں، جوابا میں نے آپ سے کہا کہ یہ تو ایک عظیم الشان کام ہے، میری

ذاتی کمزوری اور بے مائیگی کی حد تو یہ ہے کہ میں اس عظیم المرتبت کام انجام دینے کا لائق نہیں ہوں، مگر آپ اپنی تجویز پر مصر ہونے کے ساتھ بار بار حوصلہ بڑھاتے رہے تھے، آخر میں نے استخارہ کے بعد کہا کہ میں پہلے ایک پارہ قرآن کریم کا ترجمہ کر کے دیکھوں گا، اگر خدا کو اس نالائق کے ذریعے یہ کام لینا منظور ہوا تو انشاء اللہ مزید آگے قدم بڑھاؤں گا، یوں میں نے ایک پارہ قرآن کا ترجمہ کیا تو آپ نے بڑے ہی خوش ہو کے کہا کہ انشاء اللہ آپ یہ کام انجام دے پائیں گے، یوں میں نے بشمول دیگر مصروفیات کے تین سالوں میں اس رسم الخط میں پورے قرآن کریم کا ترجمہ مکمل کر لیا، ابھی ترجمہ ختم ہوا تو آپ نے اسے کمپوز کرا دیا، تاہم آج تک یہ ترجمہ زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔

اگرچہ آپ علوم عصریہ خاص طور پر انجینئرنگ اور کمپیوٹر سائنس کے ماہر ہیں، لیکن آپ کی قابل ذکر چیز یہ بھی ہے کہ وہ طبیعتاً دین پسند آدمی ہیں، جوں جوں آپ کی سائنسی اطلاعات میں اضافے ہوتے گئے توں توں بقول آپ کے اللہ تعالی پر یقین بڑھتا چلا گیا، ظاہر ہے کہ وہ ایک سائنس دان آدمی ہیں، مگر آپ کا دماغ (میرا جہاں تک اندازہ ہے) خدا کی قدرت پر ششدر اور حیران ہے، آپ کی حیرت کے اس عالم کی بات میں نے آپ کی زبان و بیان سے بارہا سنی، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ آپ کے اعمال و افکار کو شرف قبولیت سے نوازے۔

اب میں انجینئر صاحب کی بعض باتیں جو میں نے آپ کی مختلف مجالس میں سنیں ان سے کچھ جھلکیاں دکھانے کی کوشش کرتا ہوں:

(۱) مخلوقات پر اللہ تعالی کی بخششوں کی کوئی انتہا نہیں ہے، اس ذات کی طرف سے انسانوں پر جو بخششیں کی گئی ہیں، ان کی نہ حد ہے نہ حساب، خالق نے انسانوں پر کم عنایات نہیں کیں۔

(۲) اللہ تعالی کی نافرمانی اور ناشکری کرنے کا موقع کسی کو نہیں ہے۔

(۳) انسان کو ہر حالت میں اللہ تبارک وتعالی پر یقین اور اس کی بخششوں پر بھروسہ رکھنا چاہئے، اس پر یقین اور بھروسہ انسان کے لئے سب سے قیمتی متاع ہے۔

(۴) قرآن کریم انسان کی سب سے قیمتی اور لازوال دولت ہے، اسی لئے میری ایک آرزو یہی ہے کہ میں اسے روہنگیا زبان میں ترجمہ کر کے قوم کو قرآن سمجھنے کی راہ فراہم کر دوں۔

(۵) انسان کی زندگی میں جو مصیبتیں آتی ہیں، انہیں اللہ تعالی کی جانب سے امتحان اور آزمائش سمجھنا چاہئے، بسا اوقات مصیبت انسان کی ترقی کا زینہ ہوتی ہے، اس لئے مصیبت میں صبر سے کام لینا انسان کے لئے بہت ضروری ہے، مصیبت بسا اوقات انسان کے لئے رحمت ہوا کرتی ہے۔

(۶) اللہ تعالی نے اس پوری کائنات کو بڑے اعتدال اور توازن سے پیدا کیا اور قائم رکھا ہے، اس کی خلقت اور پیدائش میں کسی قسم کی غیر موزونیت کا شبہ اور عدم توازن و اعتدال کی گنجائش نہیں ہے، اگر کوئی بھی انسان کسی بھی کام میں اعتدال کو بے اعتدالی، توازن کو عدم توازن سے بدلنے کی کوشش کرے گا تو اس کی یہ ناروا حرکات اور ناجائز عمل و کردار خود اس کے لئے آفت جان بن جائے گا۔

(۷) کسی بھی انسان کو تکلیف دینے والا اللہ تعالی کی گرفت سے کبھی بچا اور نہ بچے گا، اس کی ناروا حرکت خود اس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب و موجب بن جائے گا، یہی قدرت کا ابدی اور لازوال قانون ہے۔

(۸) صرف دولت وثروت، طاقت وشوکت کے بل بوتے پر انسانی زندگیاں کبھی بھی خوشیوں سے ہم کنار نہیں ہو سکتیں، انسان کی خوشی دل کی دولت سے وابستہ ہے، دنیا میں مال وزر کے بغیر بھی بہتوں انسان تھے اور ہیں کہ جن کی زندگیاں خوشیوں سے بھری ہوئی تھیں اور ہیں۔

(۹) دولت انسان کے لئے رحمت بھی ہو سکتی ہے اور لعنت بھی، اللہ تعالی کسی کو دولت عطا کر کے رحمت کرتا ہے اور کسی کو دولت دے کر لعنت میں مبتلا کرتا ہے، جو انسان دولت کو اللہ تعالی کی رضا اور خوشنودی کے لئے استعمال کرے گا، اس کی دولت خود اس کے حق میں رحمت ہوگی، بصورت دیگر دولت اس کے لئے مصیبت بن جائے گی، اس حوالے سے انسان کو خوب سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے۔

(۱۰) انسان کو ہر حال میں یہ دعا کرنا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے اپنے دین سے دور نہیں کرنا، اور ہمیشہ تیرے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عنایت کرنا، اور میں بھی ہمیشہ ہمیشہ یہی دعا کرتا ہوں۔

(۱۱) رزق کیا ہے؟ جو کھایا پیا جاتا ہے صرف وہ رزق نہیں ہے، علم، عقل، صحیح فکر وخیالات اور اعضاء و جوارح کی جتنی چیزیں ہیں، سب کے سب رزق میں شامل ہیں، رزق کے حوالے سے کھانے پینے کی جتنی چیزیں ہیں سب خدا کی طرف سے آتی ہیں، جو مقرر ہو چکی ہیں، قسمت میں جتنی چیزیں لکھی گئیں، انہیں انسان کو کھا پی کر جانا ہی پڑے گا، رزق کے لئے انسان کو اتنی فکر کی ضرورت نہیں ہے، جتنی فکر

انسان کرتے ہیں، ایک انسان اپنی زندگی میں جتنی چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے یا اٹھا سکتا ہے سب کے سب رزق میں شامل ہیں، انسان کو صرف اپنی فکر نہیں بلکہ دوسروں کی فکر کرنا ضروری ہے۔

(۱۲) اللہ تعالی نے انسان کو بہت خوب بنایا ہے، قرآن کریم میں اعلان ہے کہ **"لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم"** خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو، جس طرح ایک انسان کی ظاہری شکل دوسرے کسی بھی انسان سے ملتی نہیں ہے، ٹھیک اسی طرح اندرون میں بھی جتنی چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ایک دوسری سے ملتی نہیں ہیں، اللہ اکبر۔

(۱۳) کائنات پر مطالعہ کرنے والا ایک صحیح الفکر انسان کے لئے اللہ تعالی کی عظمت و کبریائی اور اس کی شان پر اندازہ لگانا مشکل نہیں، تخلیق کائنات پر انسان کا مطالعہ جتنا وسیع اور گہرا ہوگا، اس کا اللہ پر ایمان بھی زیادہ ہوگا، اجرام سماویہ کی وسعت اس کی ترتیب و تنظیم، تعدیل و توازن پر ایک صحیح الفکر اور سلیم الطبع انسان ششدر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور وہ خالق کتنا بڑا ہے کہ جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا اور اسے کامل توازن اور اعتدال کے ساتھ برقرار رکھا ہے۔

(۱۴) انسان مجبور بھی ہے اور معذور بھی، اس کی ذات اور صفات محدود ہیں، جبکہ خالق کائنات رب العالمین کی ذات سب سے بڑا اور اس کی تمام صفات غیر محدود ہیں، خالق نے انسان کو اتنی صفات محدودہ سے مزین کیا ہے، جتنی اس کے لئے موزون اور ضروری ہیں، دیکھو تو سہی، گھروں، پارکوں اور شہروں میں لاکھوں کروڑوں بجلی کے قمقمے جلتے ہیں، اور ان قمقموں میں ایک سکنڈ میں ایک سو بیس تک رو چلتی ہیں، مگر ہم ان رووں کو دیکھنے سے قاصر ہیں، اب سوال آتا ہے کہ خالق نے انسان کی قوت بصارت کو کتنی کمزور بنایا ہے؟ جواب یہی ہے کہ اتنی باریکیوں کو دیکھنا انسان کے لئے نہ ضروری ہے اور نہ سزاوار، اس کی ایک مثال اس سے سمجھیں کہ انسان کے جسم پر جو چمڑا ہے اس میں لاکھوں کروڑوں سوراخیں موجود ہیں، اگر انسان اپنی قوت بصارت سے ان سارے سوراخوں کو دیکھ لیتا تو وہ خود اپنے جسم پر پریشان اور برگشتہ ہوجاتا، یعنی وہ اپنی قوت بصارت کے ذریعے اپنے جسم کی ان باریکیوں کو دیکھ لیتا تو وہ اپنے جسم کو بدنما اور بدصورت تصور کرلیتا، اسی لئے خالق نے ان کی قوت بصارت کو محدود کردیا ہے، جتنی ان کے لئے ضرورت ہے اتنی عطا کی گئی ہے، یہی احسن التقویم کی جلوہ سامانیاں ہیں، اسی

طرح انسان کی دیگر صفات بھی محدود ہیں، اور عقل بھی اس محدودیت سے بلند نہیں ہے، اس لئے جو انسان صرف اور صرف اپنی عقل پر نازاں ہوگا، وہ گمراہی اور ضلالت میں گر جائے گا۔

(۱۵) اللہ تعالی نے بعض حیوانات کے احساسات کو بہت مضبوط بنایا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں انسان بعض حیوانات کی قوت احساس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مثال کے طور پر کتے کو لیجئے! جس کی قوت سماعت بہت قوی ہے، جس سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں۔

(۱۶) نماز یعنی صلوۃ انسان کے لئے اللہ تعالی کی جانب سے ایک بہترین تحفہ ہے، جس کی روحانی اور آخری فوائد کے علی الرغم ہزاروں جسمانی فوائد بھی ہیں، مثال سے سمجھئے کہ انسان اتنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے دماغی ہیجان میں مبتلا ہوجاتے ہیں، اس کے اعضاء و جوارح اور دماغ گرم ہوجاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کی رحمت دیکھو کہ پانچوں اوقات کے یہ تحفے انسان کے لئے کتنے سودمند ہیں کہ پانچ مرتبہ وضو کے ذریعے انسان اپنے اعضاء کو ٹھنڈا کرلیتا ہے، یوں نماز انسان کی دنیاوی زندگی کے لئے بھی بہت سودمند ہے، ویسے نماز انسان کے لئے تحفہ اور رحمت خداوندی ٹھہری۔

(۱۷) ہم نے ایک متوازن حساب سے اندازہ لگایا ہے کہ ایک وقت نماز کے لئے ایک آدمی کو اٹھائیس منٹ کی ضرورت ہوتی ہے، یوں اٹھائیس کو پانچ سے ضرب دیا جائے تو پانچ وقت نماز کے لئے دو گھنٹے بیس منٹ کی ضرورت ہوتی ہے، یوں یہ دو گھنٹے بیس منٹ دن رات چوبیس گھنٹے کے دس حصے کا ایک متوازن حصہ ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ جو انسان دو گھنٹے بیس منٹ کو نماز یعنی اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی میں گزار دے گا گویا اس نے پورے دن رات کو عبادت الہی میں گزار دیا ہے، تو وجہ یہی ہوسکتی ہے کہ اللہ تعالی نے ہر ایک نیکی کا دس گنا بدلہ مقرر فرمایا ہے، اس طرح ایک نمازی آدمی کی پوری زندگی عبادت الہی میں گزر جاتی ہے۔

(۱۸) میرے ناقص خیال میں انسان کو رزق اس کی نیت کے مطابق ملتا ہے، جو آمی صرف اپنے رزق کی تلاش میں سرگرداں ہوگا، اسے صرف اتنا ہی ملے گا، جتنا اس کے لئے ضرورت ہے، اور جو انسان اپنے رزق کے ساتھ دوسروں کے رزق کے لئے نکلے گا، اسے اللہ تعالی کی جانب سے زیادہ ملے گا، میرے خیال میں انسان کی کمائی میں کمی بیشی اس حساب سے ہوا کرتی ہے، اور میرا ذاتی تجربہ بھی اس

طرح ہے،جس طرح میں نے بیان کیا ہے۔

(۱۹)انسان کے دل در باغ ناقص ہیں، اس طرح انسان کا علم بھی نقص سے خالی نہیں، انسان کا علم محدود اور خالق کا علم غیر محدود ہے، اگر غیر محدود علوم سے اکتساب فیض کرنا ہے تو انسان کے لئے ضروری ہے کہ ہر وقت وہ ''ربی زدنی علما'' کا نعرہ لگایا کرے۔

(۲۰) پوری کائنات رحمت خداوندی کے سہارے جیتی ہیں، اس کی رحمت کے بغیر ایک سیکنڈ بھی یہ کائنات نہیں جی سکتیں، نہ صرف انسان اور جن بلکہ پوری کائنات بس اللہ کی رحمت کی محتاج ہیں۔

(۲۲)اللہ تعالی کی نعمت کی ناشکری اور اس کے اوامر ونواہی سے بے اعتنائی انسان کے لئے سب سے بڑی خطرناک چیز ہے، ناشکرا اور نافرمان انسان اللہ کا کیا خاک بگاڑ سکتا؟ ناشکرا اور نافرمان اللہ سے بھاگے گا تو آخر کہاں بھاگے گا؟۔

(۲۳) ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر انسان اپنے قیمتی اور سنہرے اوقات کو یونہی ضائع کر دیتے ہیں، اب سوال آتا ہے کہ کیوں ضائع کرتے اور کس طرح ضائع کرتے ہیں؟ اس کا جواب یہی بنتا ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے مستقبل کے حوالے سے صحیح فکر وخیال کے ذریعے موزون اور برمحل فیصلے کرنے میں بری طرح ناکام ہوا کرتے ہیں، لمحہ بھر کی غیر متوازن فکر و فیصلے کا نتیجہ ایک انسان کی طویل زندگی کے لئے بھیانک بن سکتا ہے، مطلب یہی ہے کہ زندگی کے کسی بھی مرحلے میں غلط فکر کے نتیجے پر غلط فیصلہ انسان کو ضائع کرسکتا ہے، اس لئے انسان کے لئے صحیح فکر اور صحیح فیصلہ کی اشد ضرورت ہے، سلامت طبع اور صحیح فیصلے کرنے کی قوت بھی انسان کے حق میں رحمت خداوندی ہے، انسان کو فیصلے کے وقت اللہ تعالی کی رحمت کا خواستگار رہنا چاہئے۔

محترم انجینئر محمد صدیق صاحب غالبا ۲۰۱۲ء میں اپنے اہل وعیال سمیت برطانیہ کے شہر لندن میں جا مقیم ہوئے، وہاں بھی آپ روہنگیا قوم کی فلاح وبہبودی کے لئے فکر کر رہے ہیں، قومی مجالس میں اکثر شریک ہوا کرتے ہیں، روہنگیا لیش میں بعض رسالہ جات لکھ کر بنگلا دیش کے مہاجر کیمپوں میں بھیجا کرتے ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے اور قوم کی مزید خدمات کی توفیق سے نوازے، آمین، یارب العالمین۔

محمد قاسم علی صاحب، کمانڈر، شیتا فوریکوی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب محمد قاسم علی صاحب جنوبی منگڈو کے قصبہ شیتا فوریکہ میں ۱۹۲۵ء میں ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک عابد اور پرہیز گار ہونے کے علاوہ ایک سخاوت پسند کاشتکار تھے، موصوف لوگوں کے بڑے کام آنے والے ہر دل عزیز اور نیکوکار انسان تھے۔

جناب محمد قاسم علی صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد محلے کے مکتب سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ کچھ دینیات کی ابتدائی تعلیم پائی، والدین آپ کو مزید تعلیم دلانے کے خواہش مند تھے، لیکن آپ کو پڑھائی سے زیادہ کھیل کود سے دلچسپی تھی، موصوف علاقے کے جوانوں اور نوجوانوں کے سردار تھے، جہاں کہیں بھی جاتے آپ اپنے ہم جھولیوں کے ساتھ مگھ برمیوں کے مظالم پر گفتگو کیا کرتے تھے، ویسے آپ کا لڑکپن مزید تعلیم حاصل کرنے کے بجائے کھیل کود اور قومی فکر میں گزر گیا تھا۔

محمد قاسم علی صاحب نے بعد میں کچھ نجی تجارت سے دلچسپی لی تھی، لیکن وہاں کے حالات کے شکار ہو کر آپ کو تجارت سے ہاتھ دھونا پڑا تھا، اس حوالے سے آپ کو مگھوں نے بہت ہی ستایا، اس کے بعد آپ نے کاشتکاری کی راہ لی، جس میں آپ کو کافی کامیابی ملی تھی۔

۱۹۴۸ء کے دوران جناب محمد قاسم علی صاحب اور آپ کے بعض ساتھی جہاد اسلامی کے لئے ذہنی طور پر تیار ہو چکے تھے، چنانچہ ۱۹۴۹ء میں محمد قاسم راجا کی طرف سے دعوت جہاد ملی تو آپ بشمول آپ کے تمام ساتھی ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، ایک روایت کے مطابق آپ نے کرنل رشید احمد صاحب (CL) سے عسکری تربیت حاصل کی، جس کے بعد آپ مگھ برمیوں کے خلاف لڑی جانے والی مختلف لڑائیوں میں شریک ہوئے، آپ بڑے بہادر جواں مرد مجاہد تھے، چنانچہ آپ کی بہادری اور جہادی صلاحیات کو دیکھ کر محمد قاسم راجا صاحب آپ کو ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنا دیا تھا، آپ کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے بڑی بڑی لڑائیوں میں شرکت کی، جہاں بھی لڑے فتح وکامرانی کے ساتھ واپس لوٹے تھے۔

جناب محمد قاسم علی صاحب سے میری ملاقاتیں رہیں، آپ سے میں نے مجاہد پارٹی کے متعلق بہت ہی استفادہ کیا، جہاں تک اندازہ کیا کہ آپ بڑے مخلص اور قوم کے ہمدرد مجاہد کمانڈر تھے، قاسمی پارٹی کی تباہی کے بعد آپ نے مشرقی پاکستان کے علاقہ کوکس بازار میں پناہ لی، بعد میں بھی آپ مختلف جماعتوں سے وابستہ رہے، آخر کار آپ نے ۱۹۹۹ء میں کوکس بازار میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد قاسم صاحب، کمانڈر، خائندہ فاروی، منگڈوی

محمد قاسم مشرقی منگڈو کی بستی خائندہ فارہ میں ۱۹۶۹ء میں سلطان احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے، سلطان احمد صاحب برمی فوج میں ملازم تھے، اور اکثر ڈیوٹی کے سلسلے میں دور دراز مقامات پر متعین رہتے تھے، جس کی وجہ سے گھر اور بال بچوں سے بہت کم تعلق رکھ سکتے تھے۔

محمد قاسم نے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم بستی کے مکتب میں پا کر سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے پانچویں جماعت تک برمیز کی تعلیم حاصل کی، والد صاحب کی غیر موجودگی اور بڑے دونوں بھائیوں کی گھر کے معاملات سے لاتعلقی کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکے، یوں ان کو گھر کے معاشی انتظام میں لگنا پڑا تھا۔

شروع ہی سے محمد قاسم کا مزاج سنجیدہ تھا، اخلاقی اعتبار ان کا درجہ بہت بلند تھا، موصوف روس کے خلاف افغانوں کے جہاد سے بڑے متاثر تھے، افغانستان جا کر جہاد میں شریک ہونے کے متمنی تھے، ان کی افغانستان جا کر جہاد کرنے کی تمنا تو پوری نہ ہو سکی، البتہ اللہ تعالی نے ان کو ارکان کے جہاد کے لئے قبول کیا تھا۔

۵/نومبر/۱۹۸۸ء کو روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی دعوت ان تک پہنچی تو ان کی شادی کا صرف ایک ہفتہ باقی تھا، اس وقت سب کچھ چھوڑ کر آر ایس او کے معسکر آ پہنچے، یہاں مکمل عسکری تربیت حاصل کی، خصوصی کمانڈو تربیت ماسٹر شبیر احمد تنگ بازاری سے حاصل کی، اور تنظیم کی اعلی قیادت کی ہدایت پر دوبارہ اپنے گاؤں چلے گئے تھے، وہاں انتہائی خفیہ طریقے پر دعوت اور تحریک کو منظم کیا، سینکڑوں نوجوانوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دی اور ان میں سے بیسیوں کو تیار کر کے تربیت کے لئے معسکر بھجواتے رہے، خود بھی مناسب وقفے سے آتے اور اپنی تربیت کی تجدید کر کے چلے جاتے تھے۔

جب تنظیم نے یہ فیصلہ ان تک پہنچایا کہ مستقل طور پر معسکر میں آ جائیں تو بلا تاخیر آ گئے اور بحیثیت ایک کمانڈو انسٹرکٹر نہایت خوبی کے ساتھ اپنی تمام ذمہ داریاں ادا کیں، اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر کمپنی کمانڈر تک ترقی کی، ۱۹۹۲ء میں ان کی شادی خانہ آبادی بھی ہو گئی، دراں حالیکہ ان کا ایک سالہ بچہ ان کی یادگار تھا، وہ صوم وصلاۃ اور نماز تہجد کے بڑے اہتمام کرتے تھے، شہادت کی تمنا کرتے تھے، چنانچہ ۲۸/جون/۱۹۹۴ء کو جنوبی منگڈو کے ہونسرا کے مقام میں ان کی تمنا پوری ہوئی، اور مولانا محمد یونس جہادی کے ساتھ شریک شہید ہوئے، اللہ تعالی ان کا درجہ بلند فرمائے، آمین۔

محمد مراد صاحب، ماسٹر، مجاہد، فتح علی فاروی، بوسیدنگی

مجاہد سیاسی لیڈر جناب ماسٹر محمد مراد صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی فتح علی فارہ میں ایک متمول ومثقف گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک علم دوست زمیندار ہونے کے ساتھ ایک معروف سخی انسان تھے، جنہوں نے اپنی دولت وثروت سے علمائے اسلام اور طلبائے علم دین کی اپنی مستعار زندگی میں قابل قدر اور ناقابل فراموش خدمات کی تھیں۔

جناب ماسٹر محمد مراد صاحب کی ابتدائی دینی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں ہوئی، ساتھ ہی ساتھ بستی کے پرائمری اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے عصری علوم میں چوتھی جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد قصبۂ تنگ بازار کے اسکول میں داخل ہوئے، جہاں سے متوسطہ کی تعلیم پائی، اس کے بعد وزارت تعلیم میں ملازمت اختیار کی اور عرصۂ دراز تک اپنی آبائی بستی کے پرائمری اسکول کے علاوہ تنگ بازار کے اسکول میں معلم رہے تھے۔

ماسٹر محمد مراد صاحب ۱۹۴۲ء کے قتل عام سے پہلے علاقے میں زیر زمین کام کرنے والے روہنگیا مجاہدین میں شامل ہو کر عسکری تربیت حاصل کی، موصوف نے ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران جناب عبدالمجید چوہدری بوری چنگی معروف بہ آنتو راراجا کے قافلۂ جہاد میں شامل ہو کر جہاد اسلامی کا فریضہ انجام دیا، آپ کی خداداد صلاحیت اور تنظیمی مہارت کو دیکھ کر راجا صاحب نے مجاہدین اسلام کا کمانڈر بنا دیا تھا، چنانچہ آپ کی عسکری قیادت میں مجاہدین نے بوسیدنگ والی لڑائی میں کامرانی حاصل کی تھی۔

۱۹۴۲ء کے بعد اس علاقہ میں شانتی کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو جناب ماسٹر محمد مراد صاحب شمالی بوسیدنگ والی کمیٹی کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے، موصوف ایک دور اندیش لیڈر، حاذق دانشور اور بہادر مجاہد فی سبیل اللہ تھے، چنانچہ آپ نے شانتی کمیٹی کے زیر سایۂ قوم کی نئی نسل کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے میں قابل قدر کوشش کی، علاوہ ازیں آپ نے اس کمیٹی کے زیر سایۂ ملت وقوم کے دیگر میدان میں بھی نمایاں خدمات انجام دی تھیں، ۱۹۴۷ء کے بعد جہاد کونسل کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے آپ اس میں شامل ہو گئے، جس میں بھی آپ نے اپنی خداداد صاحیت سے قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، غالبا آپ نے ۱۹۶۸ء میں انتقال کیا، اپنی آبائی بستی کی قبرستان میں مدفون ہیں۔

محمد مسلم صاحب،شہید، بربیلوی، راسید نگی

جناب محمد مسلم صاحب ۱۹۳۴ء میں راسیدنگ کی بستی بربیل میں ایک دین دار اور قومی ہمدردی رکھنے والے بارسوخ گھرانے میں پیدا ہوئے ،آپ کے والد مرحوم جناب کلیہ میاں صاحب رواسوگری ایک دین دار، سخاوت پسند، عالم دوست اور بردوبار حاکم کی حیثیت سے پورے علاقے میں معروف تھے ،موصوف مجاہدین اسلام کے عموما اور محمد قاسم راجا صاحب کے خصوصا بڑے حامی اور طرف دار تھے، علاوہ ازیں موصوف علاقے کے چند علمائے اسلام کے مربی و محسن بھی تھے، ایک روایت کے مطابق اس علاقے کے نامور عالم دین حضرت مولانا فیض احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ(جنھوں نے ہندوستان میں تعلیم حاصل کی تھی)موصوف کے فضل وکرم اور تعاون وامداد سے ہندوستان میں تعلیم پائی تھی، کلیہ میاں رواسوگری صاحب مدرسہ اشرف المدارس راجا ربیل راسیدنگ کے رکن رکین بھی رہ چکے تھے، اور یہ بھی اطلاع ہے کہ موصوف بڑے منصف مزاج حاکم تھے، ان کی سب سے بڑی خوبی یہی تھی کہ ہر حالت میں مسلمانان ارکان کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دیتے اور مجاہدین اسلام کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے، علاقے میں نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بدھ لوگ بھی ان کی انصاف پسندی پر ناز اور اعتماد کیا کرتے تھے۔

جناب ماسٹر محمد مسلم صاحب کلیہ میاں رواسوگری صاحب کے صاحب زادوں میں سب سے چھوٹے تھے، ان کے بھائیوں میں جناب محمد رواسوگری صاحب بھی خاندان کے چشم و چراغ ہونے کے علاوہ اپنے مرحوم والد کے خاصے مثیل تھے، اور دوسرا بھائی جناب محمد سلیمان صاحب بھی ایک عالم پسند، دین دار اور کاشکار پیشہ کے سخاوت پسند آدمی تھے۔

جناب محمد مسلم صاحب کی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب سے شروع ہوئی، اس کے بعد اپنے علاقہ کی مایۂ ناز درسگاہ مدرسہ اشرف المدارس سے جماعت ششم تک کی تعلیم حاصل کی، بعد ازاں آپ نے برمیز کی تعلیم شروع کی اور کیا ندنگ کے سرکاری اسکول سے ساتویں جماعت کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد اعلی تعلیم کے حصول کی نیت سے برما کے دار الحکومت رنگون کا سفر کیا، لیکن مقدر نے ساتھ نہیں دیا تو معاش کی تلاش میں ملائشیا کے دار الحکومت کوالالنپور جا پہنچے تھے۔

ملائشیا میں چند سال گزارنے کے بعد محمد مسلم صاحب تھائی لینڈ کے دار الحکومت بنکاک پہنچے، وہاں بھی

چند مہینے گزارنے کے بعد وطن واپس آئے ،وطن واپسی پر آپ وطن مقدس کی فلاح و بہبودی کے کام میں ہمہ تن لگ گئے، اور قومی وملی کام کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دینا شروع کر دیا تھا۔

محمد مسلم صاحب کی قومی وملی خدمات کو دیکھ کر بستی کے لوگوں نے آپ کے والد مرحوم اور برادر محترم کی جگہ پر آپ کو بستی کا روا سوگری بنایا، یہ اس وقت کی بات تھی کہ جس وقت ارکان آزاد فوج (RNLP) کے مجاہدین اسلام جناب محمد جعفر ثانی کی قیادت میں وطن مقدس کی آزادی اور اسلام کے بول بالا کے لئے جدو جہد کر رہے تھے۔

۱۹۷۴ء کی بات تھی کہ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں چلنے والی مذکورہ مسلح تنظیم کے خلاف بومو(کمانڈر) چوسینگ (۱) کی سرکردگی میں میجر اپریشن ہوا، مجاہدین کے ساتھ اس اپریشن کا زبردست معرکہ ہوا، چند دن تک مسلسل معرکہ کرب و بلا کا دور چلا، چونکہ مجاہدین گوریلا قسم کے جہاد کرتے تھے، ایک طرف تو مارو اور بھاگو کے پیش نظر جب کہ دوسری طرف اپریشن کے نام پر علاقہ کے بے گناہ عوام پر بے پناہ ظلم ڈھائے جانے کے پیش نظر مجاہدین نے پسپائی کی حکمت عملی اختیار کر لی، یاد رہے کہ اس میجر اپریشن کے دوران مجاہدین کے چند بے گناہ معصوم خواتین کے علاوہ خود قائد تحریک جناب محمد جعفر ثانی کی اہلیہ

---

(۱) برمی فوج کا کمانڈر چوسینگ بڑا خونخوار اور ظالم مگھ کمانڈر تھا، جس نے سینکڑوں بے گناہوں کو شہید کر دیا، جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ اس کا خاندان ۱۹۴۲ء کے قبل موضع انڈانگ میں رہائش پذیر تھا، اس کے باپ نے معرکۂ کرب وبلاء کے دوران بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو شہید کر دیا، لیکن مسلمانوں نے موقع پاتے ہی اس دوران اس کو جہنم رسید کر دیا تھا، بعد ازاں چوسینگ کا پورا خاندان کیا ندنگ (راسیدنگ) کے علاقہ میں منتقل ہو گیا، جہاں چوسینگ کی پرورش ایک کس مپرسی کے عالم میں ہوئی تھی، وہ کچھ پڑھائی کے بعد اکیاب جا کے برمی فوج میں بھرتی ہو گیا، اس میجر اپریشن سے پہلے وہ ایک عام فوجی تھا، اس نے برمی حکومت کو یہ باور کرایا کہ اگر حکومت اس کی قیادت میں ایک اپریشن کرے گی تو وہ ارکان سے مجاہدین کا قلع قمع کر دے گا، اس دعوی کی بنیاد پر حکومت نے اس کو عام فوجی سے ایک کمانڈر کی حیثیت دے کر اس اپریشن کی قیادت اس کے ہاتھ سونپی تھی، چونکہ ایک طرف وہ بذات خود اس کے والد کی طرح خونخوار تھا، تو دوسری طرف وہ کمانڈر بنے راسیدنگ پہنچا تو وہاں کے بعض عنصریت پسند مگھوں نے اس کو یہ کہہ کر ورغلایا کہ یہی وہ مسلمان ہیں کہ جنھوں نے ۱۹۴۲ء میں تمہارے باپ کو قتل کیا تھا، اب کیوں تم اس موقع پر تمہارے باپ کا بدلہ اور انتقام نہ لوگے؟ اب مگھوں کے ورغلانے کی وجہ سے اس کے اندر انتقام کا جذبہ مزید در مزید بھڑک اٹھا، چنانچہ اس عفریت ظالم مگھ وحشی نے مجاہدین سمیت سینکڑوں مسلمانوں کو اپنے حسد کی آگ میں جلا کر بھسم کر دیا تھا۔

محترمہ آمنہ خاتون اور جناب ابوالحسین صاحب کی لڑکی راہنہ خاتون بھی برمی فوج کے ناپاک ہاتھوں گرفتار ہوگئی تھیں۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جس وقت جناب محمد مسلم صاحب اپنے گاؤں کے اوکٹہ (ہیڈ من) تھے، آپ کو گاؤں کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے نہ چاہتے ہوئے بھی اس اپریشن کا ساتھ دینا ہی پڑا، ساتھ ہی ساتھ آپ نے یہ بھی سوچا کہ اگر وہ ان خوانخواروں کا ساتھ دین گے تو ممکن ہے کہ وہ بہتوں مسلمانوں کو ان خون خواروں کے پنجے سے بچا سکیں گے، دراصل اس موخرالذکر جذبے کی بنیاد پر آپ نے چوسینگ کا ساتھ دینا اس وقت مناسب سمجھا تھا، چنانچہ آپ کی اس حکمت عملی کی وجہ سے بہتوں مسلمانوں کے عموما اور مسلم خواتین کے خصوصا بے پناہ فائدہ ہوا، اس وقت اگر آپ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ مزید بہتوں معصوم مسلم افراد کی جان جاتی اور بہتوں ماں بہنوں کی عصمتیں پامال ہوسکتیں۔

علاوہ ازیں آپ کے اس خونخوار چوسینگ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے آپ کو ان خون خواروں کی حرکات وسکنات، ان کے پروگرام اور لائحۂ عمل کی خفیہ دستاویزات سمیت ان کے اصلی اہداف کا علم ہوگیا تھا، جس نے آپ کے دل میں پوشیدہ اسلامی اخوت وجذبات کو جنبش دیا، جس نے بالآخر آپ کی جان لے لی اور آپ کو شہادت عظمی کے منصب پر فائز کردیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب آپ نے دیکھا کہ نہ صرف چوسینگ کی قیادت میں چلنے والے ارکانی اور برمی خونخوار افواج بے گناہ مسلم عوام کی جان لے رہی تھیں، بلکہ خود چوسینگ اور اس کے ساتھیوں نے سینکڑوں معصوم مسلم خواتین کی عصمت دریاں کرچکی تھیں، اب آپ سے رہا نہ گیا کہ آپ نے ان خونخواروں کے ناپاک عزائم اور بدکرداری پر مشتمل ایک خفیہ دستاویز تیار کی، اور اس دستاویز کے ناطے ایک درخواست بلکہ فریاد نامہ ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں مقیم کمانڈر کے ہاں پہنچایا، چونکہ دارالحکومت والے کمانڈر نہ صرف اس خونخوار چوسینگ کی تمام بدکرداری سے واقف تھا بلکہ وہ بذات خود چوسینگ کی سرکردگی میں ہونے والی تمام حرکات وسکنات پر خوش بھی تھا۔

چونکہ بربیل (راسیدنگ) میں ایسا سرکردہ کوئی آدمی نہ تھا جو آپ جیسے کردار ادا کرسکتا ہو، بستی کے کوئی بھی مسلمان آپ کو اس وقت بلا کر لے جاتا تبھی اس کے گھر کا کوئی بھی فرد برمی اور مگھوں کے مظالم کا شکار ہوجاتا تھا، ایسی حالت میں جناب محمد مسلم صاحب ان خوانخواروں کے پنجے سے اپنے مسلم بھوئیوں کو بچا کر لایا کرتے تھے۔

بہرحال واقعہ ۱۹۷۴ء کا تھا کہ اکیاب کے اس اوباش کمانڈر نے اس کے پاس پہنچی ہوئی درخواست چوسینگ کے ہاں بھیج دی، چوسینگ کے یہاں جناب محمد مسلم صاحب کی مذکورہ درخوست آ پہنچی تو وہ آگ بگولہ ہوگیا، اب آپ کو شہادت عظمی کے منصب جلیلہ پر فائز کرنے کے لئے اس خوانخوار نے دومگھ فوجیوں کے ہاتھوں پر ذمہ داری سونپی، جو آپ کو آسانی سے شہید کرسکتے تھے، اب ہوا یہ کہ ایک روز بعد الظہر آپ کو چوسینگ کے یہاں بلایا گیا، دراصل آج کا یہ بلاوا بھیجنا عام بلاوے سے مختلف تھا، اس لئے آپ کی دادی اور اہلیہ کا یہی کہنا تھا کہ آپ خدارا آج وہاں جانے سے گریز کیا کریں، دل کہتا ہے کہ خونخوار چوسینگ آپ کی شہادت کا درپے ہوچکا ہے، لیکن آپ نے ان کے جواب میں یہ کہا کہ موت انسان کے لئے ضرور آنی ہے، اگر میں یہاں بیٹھا بھی رہوں تو بھی موت آسکتی ہے، کیوں نہ میں اپنے مسلم بھائیوں اور بہنوں کے کام آکے شہادت کا درجہ حاصل کرلوں؟ ویسے آپ نے سیدھے بربیل جا کے چوسینگ سے ملاقات کرنا مناسب سمجھا تھا۔

نماز عصر کا وقت آن پہنچا تو آپ سیدھے مسجد گئے، نماز کی ادائگی کے بعد عام مسلمانوں کے گھر اس لئے تشریف لے گئے تھے کہ وہ مسلم خواتین کو رات کے وقت بربیل سے منتقل کرکے دیگر نسبتا امن والے مقامات میں بھیج دیں گے، آپ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو مغرب کی آذان ہوگئی تھی، نماز مغرب کے بعد آپ نے صلاۃ الاوابین ادا کی، مسجد تقریبا خالی ہوچکی تھی، وہ دونوں خونخوار فوجی جن کو چوسینگ نے آپ کو بلانے کے لئے بھیجا تھا مسلح آکے مسجد کے دروازے سے آپ کو آواز دے کر کہا کہ مسلم باہر آجاؤ، اب آپ نے بھانپ لیا کہ شہادت کا وقت آن پہنچا ہے، تو آپ نے آواز دے کر کہا کہ مجھے دو رکعت اور پڑھنے دو! مگر انہوں نے نہ مانا، اور آپ کو مسجد سے باہر لاتے لاتے سنگین کے نوک سے زبردست نشانہ بنانا شروع کردیا، چونکہ آپ اس وقت شاید یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ حملہ چوسینگ کے عدم علم میں کیا جارہا ہے، تو ذرا موقع پاتے ہی آپ مسجد کے آنگن کی طرف اس لئے دوڑے کہ اگر اس حالت میں وہ چوسینگ کے ہاں پہنچ سکیں گے تو شاید جان بچ جائے گی، مگر آپ کو کیا معلوم تھا کہ یہ حملہ خود چوسینگ کے حکم سے ہورہا تھا، آخر آپ پر عقب سے ایسی گولی چلائی گئی کہ ادھر سے ادھر کو چیرتی نکل گئی، اور آپ شہادت عظمی کے منصب جلیلہ پر فائز ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شہادت کے بعد آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کے بجائے ایک وحشتناک جھاڑی میں چھپا دیا گیا تھا، لیکن بعد میں وہ آدمی جو آپ کی شہادت کے حوالے سے کی جانے والی سازش میں ملوث تھا، اس

نے آپ کی لاش کو وہاں سے نکال کر ایک دوسری جگہ میں سپرد خاک کر دیا۔

روایت سے جہاں تک معلوم ہوا ہے کہ جناب محمد مسلم صاحب ایک دیندار، خدا ترس، خوش اخلاق و عالی کردار کے حامل ایک دل دردمند اور فکر دار جمند کے مالک مسلم رہنما تھے، آپ نے تحریک آزادئ ارکان سے اپنی جوانی کے دہلیز پر قدم رکھتے ہی دلچسپی لینی شروع کر دی، آپ خفیہ طور پر مجاہدین اسلام سے رابطہ رکھے ہوئے تھے، اور ایک اطلاع کے مطابق آپ چند دن مجاہدین کے ساتھ مسلح بھی رہ چکے تھے، علاوہ ازیں مجاہدین میں شمولیت سے قبل بھی آپ نے ارکان میں زیر زمین کام کرنے والی خفیہ تنظیم روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) کے نہ صرف رکن تھے بلکہ اپنے علاقے کے سکریٹری جنرل کے عہدہ پر بھی فائز تھے، دراں حالیکہ آپ نے نہ صرف اس زیر زمین کام کرنے والی تنظیم کی قیادت کی بلکہ سینکڑوں مجاہدین کو جہاد کے لئے ارکان آزاد فوج میں بھیجا بھی تھا، ساتھ ہی ساتھ آپ برمی درندوں کے خفیہ عزائم سے مجاہدین کو مطلع کرتے رہتے تھے، چونکہ آپ اپنے مشرقی ممالک کے سفر سے قبل برمی فوج کے ایک عہدیدار تھے تو وہ جانتے تھے کہ ایسے اپریشن کے علاوہ دیگر عام حالات میں بھی مگھ اور برمی خونخواروں کے مسلم کش عزائم کیسے ہوتے ہیں، اس لئے آپ کے لئے اس قسم کا کام بہت سزاوار تھا، ممکن ہے کہ اس کام کے لئے آپ کو مجاہدین نے اپنے سے علیحدہ رکھا ہوا ہو۔

یاد رہے کہ ارکان کے مایۂ ناز طالب علم و عالم دین حضرت مولانا دین محمد صاحب فرندگی کی شہادت آپ کی شہادت کے واقعہ سے پہلے ہوئی تھی، دراصل یہ چوسینگ ہی تھا کہ جس نے اپنے انتقام کے نشے میں چور ہو کر ان دونوں کو شہید کر دیا، علاوہ ان دونوں کے اس وقت اس علاقے کے دیگر گیارہ سے زائد بڑے بڑوں کو اس نے کو شہید کر دیا تھا، لیکن اللہ تعالی نے اس کو دنیا میں عبرتناک سزا دی، اسے فوج سے برطرف کر دیا گیا تو وہ پاگل پن سے دوچار ہو کر واصل جہنم ہو گیا۔

محمد نسیم صاحب، کنٹرکٹر، کھاری فاروی، منگڈوی

معروف کنٹرکٹر جناب محمد نسیم صاحب ۱۹۱۷ء میں منگڈو کے محلہ کھاری فارہ میں ایک متمول گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک دین دار اور خدا ترس ہونے کے علاوہ ایک سخاوت پسند انسان تھے، اور ان کی والدہ ماجدہ بھی اطلاع کے مطابق نہایت عابدہ و پارسا خاتون تھی۔

جناب محمد نسیم صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم محلے کے مکتب میں پائی، ایک عالم دین سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی بنیادی تعلیم اور اردو کی کچھ ابتدائی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد منگڈو کے سرکاری اسکول سے متوسطہ تک کی تعلیم پا کر مزید حصول تعلیم کے لئے اکیاب گئے، لیکن وہاں بعض وجوہات کی بنیاد پر تعلیم حاصل کئے بغیر منگڈو واپس آ گئے تھے۔

تعلیم سے علیحدگی بعد آپ نے نجی تجارت سے دلچسپی لی، لیکن اس میں امید کے مطابق کامیاب نہ ہو پانے کی وجہ سے چند مہینے بے کار رہے، بعد میں آپ نے سرکاری کنٹرکٹری شروع کی، جس میں آپ خاصے کامیاب ہو گئے تھے، چنانچہ زمانے نے آپ کو کنٹرکٹر صاحب کے نام سے پہنچانا تھا۔

جناب محمد نسیم صاحب بڑے بہادر، صاف گو اور قومی ہمدردی رکھنے والے انسان تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، ۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران آپ نے اپنی جان اور مال سے جہاد میں شرکت کی، خود بھی جہاد میں شریک ہوئے اور اپنی دولت سے مجاہدین اسلام کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۵۰ میں برمی وزیر اعظم مسٹر اونو منگڈو آئے تو یہاں کے مسلمانوں نے ان سے گفتگو کرنے کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل دی، جس میں محمد نسیم صاحب بھی شامل تھے، اس کمیٹی کے اراکین نے وزیر اعظم سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ یہاں کے مگھ اور برمی دہشت گرد برما ٹریٹوریل فورسس (BTF) نے یہاں کے روہنگیا مسلمانوں پر وہ مظالم ڈھائے، جنہیں سن کر ہٹلر اور چنگیز بھی شرمائے بغیر نہیں رہ سکتے، جن کے مظالم کی وجہ سے یہاں سے ہزاروں مسلمانوں نے مشرقی پاکستان میں پناہ لے رکھی ہے۔

۱۹۷۲ء کے اوائل میں محمد نسیم صاحب شدید بیماری میں مبتلا ہو گئے، منگڈو اور اکیاب میں علاج و معالجہ تو کرایا گیا لیکن کامیاب نہ ہو کر چاٹگام لے جائے گئے تھے، یہاں بھی کامیابی سے ہمکنار نہ ہوئے تو واپسی کے دوران ۱۹۷۲ء کے اواخر میں آپ چاٹگام میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد یحی،مجاہد،شہید،گدوسراوی،منگڈوی

مولانا اشرف علی کے دوسرے بیٹے محمد یحیی ۱۹۷۳ء میں جنوبی منگڈو کی مردم خیز بستی گدوسرا میں پیدا ہوئے،انہوں نے اپنے آبائی گاؤں سے تعلیمی سفر کا آغاز کیا،مکتب کی تعلیم کے بعد مدرسہ عالیہ شقدار فارہ میں ابتدائی تعلیم حاصل کی،ان کو ۱۹۹۱ء کے اواخر میں والدین کے ساتھ بنگلا دیش ہجرت کرنا پڑا، بڑے بھائی مولوی محمد ایوب صاحب اس سے قبل روہنگیا سالیڈ یریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے معسکر میں پہنچ چکے تھے،جس کی اطلاع حاسدین اور منافقین نے دشمن کو پہنچادی تھی،والدین پر شدید دباؤ پڑنے لگا کہ بیٹے کو حوالے کردو ورنہ سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوجاؤ،آئے دن پولیس تنگ کرتی،گھر پر چھاپے پڑتے،خانہ تلاشی ہوتی رہتی تھی۔

واضح رہے کہ ان کے والد مولانا اشرف علی صاحب اپنے گاؤں گدوسرا کی جامع مسجد کے خطیب اور امام تھے،اور شروع ہی سے ارکان کی جہادی تحریک کے پرجوش داعی و مبلغ بھی،ان کی مساعی سے ارایس او کی دعوت اس علاقے میں عام ہوئی تھی،منافقین اور حاسدین کے غیظ و غضب میں بھی اس نسبت سے اضافہ ہورہا تھا،پہلے پہل ان منافقین نے مولانا پر وہی پرانہ آزمودہ نسخہ گمراہی پھیلانے اور فساد عقیدہ کا الزام لگایا،مناظرہ بازی کی دعوت دی،میدان میں تو مولانا کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا،پھر مولانا پر فتاوی کی بوچھار کردی اور کہا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوگی،بالآخر مولانا ترک وطن پر مجبور ہوگئے۔

ہے ترک وطن سنتِ محبوب الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

مولانا اپنے اہل و عیال سمیت پڑوسی ملک بنگلادیش ہجرت کرآئے،خود مولانا اور ان کے بیٹا یحیی نے مہاجرین میں دعوت،تنظیم اور خدمت خلق کا کام شروع کردیا،یحیی ایک سال بعد اپنی ادھوری تعلیم مکمل کرنے اور ساتھ ساتھ جہادی تربیت حاصل کرنے کی عرض سے ارایس او کے معسکر میں آگئے،تنظیم کے بنا کردہ مدرسہ ''مدرسہ ابن عباس'' میں پڑھتے رہے،اور ساتھ ساتھ عسکری تربیت بھی حاصل کرتے رہے تھے۔

۱۹۹۴ء میں جہاد کا فیصلہ ہوا تو یحیی کا نام عازمین کی فہرست میں نہیں تھا،وہ ایک ایک کے پاس جاتے اور ان کو محروم رکھنے کی وجہ دریافت کرتے تھے،انہوں نے سمجھا کہ قائدین کو ان کے والد نے چپکے سے منع کردیا ہوگا،بیٹا باپ کا کچھ زیادہ ہی لاڈلہ تھا،اس لئے قسم کھا کر باپ نے یقین دلایا کہ ایسی کوئی

بات نہیں ہے،پھر انہوں نے باپ کو مجبور کرکے سفارش کروائی،اور اپنا نام عازمین میں درج کروایا۔

مجاہدین کے قافلے سوئے منزل روانہ ہوئے تو بیٹا ماں سے نہیں ملا،کہیں اس کے آنسو ارادے میں حائل نہ ہوجائیں،باپ کو اس طرح ہنستے الوداع کہا کہ جیسے پکنک پر جارہے ہوں،میدان میں ایوب داد شجاعت دے رہے تھے،یحیی کے لئے بھی میدان تگ و تاز بنا،البتہ کمان اور مقام مختلف تھے،یہ کمانڈر تو مولانا محمد یونس جہادی کے زیر کمان تھے،ویسے مسلسل تین ماہ دشمن سے لڑتے رہے تھے۔

اواخر جولائی ۱۹۹۴ء کے دن تھے،اور موسم برسات کا تھا،مجاہدین ایک پہاڑ پر مورچہ زن تھے، چاروں طرف دشمن کی فوج تھی،راشن ختم ہوگیا تھا،مجاہدین کے خفیہ مددگاروں میں سے کوئی چاہے بھی تو کھانے کے لئے کچھ لے کر نہیں پہنچ سکتا تھا،بعض بہادر لوگوں نے کوشش کی تھی،مگر پکڑے گئے اور شہید کردیئے گئے تھے،برمی فوج کی طرف سے اطراف کی بستیوں کے لوگوں کے گھروں کے باورچی خانوں میں گھس کر بانڈی اور پتلی چیک کرنی شروع کردی گئی تھی،اور اعلان کردیا کہ اگر کسی کے پاس بچا ہوا یا پکایا ہوا چاول یا سالن ملے گا اس کی خیر نہیں،مقصد یہ تھا کہ مجاہدین تک یہ کھانا نہ پہنچے اور نہ مجاہدین خفیہ طریقے سے آکر اسے کھائیں یا لے جائیں۔

علاوہ ازیں بیشتر مجاہدین ملیریا کے شکار تھے،دوائیں جو ساتھ لے گئے تھے وہ بھی ختم ہوگئی تھیں،اس وقت مجاہدین کو دوا سے زیادہ فوری خوراک کی ضرورت تھی،ایسے حالات میں مولانا محمد یونس جہادی نے نسبتا تین موزون مجاہدین کا یحیی کی سربراہی میں ایک گروپ تیار کیا،اور انہیں ہدایت کی کہ قریبی مسلم بستی گدوسرا جائیں،اور کسی طرح کچھ کھانے لے کر آئیں،یہ یحیی شہید کا اپنا گاؤں تھا،وہ اس کے چپے چپے سے واقف تھے،مجاہدین کی وردی اتار کر تینوں نے عام لوگوں کا لباس پہنا،اسلحہ وہیں چھوڑا، اور حفاظت کے نقطہ نظر سے صرف ایک ایک دستی بم اپنے ساتھ رکھا،اور اللہ کا نام لے کر بستی کی طرف روانہ ہوگئے،ابھی قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک منافق نے ان کو پہچان لیا،اور قریبی فوجی چوکی میں خبر کردی،دفعتا کئی فوجیوں نے ان کو گھیر لیا،اور گرفتار کرنے کی کوشش کی تو یحیی شہید نے بھاگ کر ایک درخت کی آڑ میں اور باقی دونوں نے بھی ایک کوئنجا (جسے مقامی زبان میں سوکھی گھاس کی ڈھیر کو کہا جاتا ہے) کے پیچھے پناہ لے لی،یحیی نے فوجیوں کو دستی بم دکھا کر خبردار کیا کہ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو دستی بم سے پرخچے اڑادیئے جائیں گے،اب فوجی رک گئے،اب فوج نے بستی کے مسلمانوں سے کہا

کہ انہیں پکڑ وورنہ تمہاری خیر نہیں، گولی ماردی جائے گی ،لیکن مسلمان انہیں کیسے پکڑ سکتے ؟ وہ آگے بڑھتے بھی تو مجاہدین کس طرح اپنے ان بھائیوں ہی کو جن کی نجات وحفاظت کے لئے میدان میں آئے تھے کوئی نقصان پہنچا سکتے تھے؟ فوج کا دباؤ لوگوں پر مسلسل بڑھتا جارہا تھا، اس کشمکش سے فائدہ اٹھا کر مجاہدین نے وہاں سے دور نکل جانا چاہا، لیکن ہر طرف سے آنے والی گولیوں کی بوچھار نے انہیں منزل سے ہمکنار کردیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

محمد یسین صاحب، اڈووکٹ، سیاست دان، اکیابی

اڈووکٹ جناب محمد یسین صاحب کی ولادت تقریباً ۱۹۰۳ء میں ارکان کے حالیہ دارالحکومت اکیاب کے ایک متمول اور سخاوت پسند گھرانے میں ہوئی ،آپ کے خاندان ایک علمی اور سیاسی خاندان تھا، اورآپ کے والد مرحوم بھی ایک دیندار اورعلم وعلماء دوست سخی بزرگ تھے۔

مکتب نشینی کے بعد محمد یسین صاحب نے ابتدائی اور ثانویہ کی عصری تعلیم ارکان کے دار الحکومت اکیاب میں پائی، بعد میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے برما کا سفر کیا اور رنگون یونیورسیٹی سے بی اے اور ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں، تعلیم کے دوران آپ نے قومی سیاست سے دل چسپی لینی شروع کی، اور تعلیم سے فراغت کے بعد وکالت کے ساتھ مستقل طور پر سیاسی میدان میں کود پڑے، آپ کوئی معمولی وکیل نہ تھے، بلکہ وکالت کے میدان میں آپ نے وہ نام کمایا جو کم سے کم آپ کے ہم عصر کسی بھی ارکانی وکیل کے لئے تب تک ممکن نہ ہوسکا تھا۔

دوران تعلیم آپ نے سیاسی میدان میں خاصا نام پیدا کیا، ابھی آپ رنگون یونیورسیٹی کے طالب علم تھے، اس وقت رنگون یونیورسیٹی کی طلباء تنظیم رنگون یونیورسیٹی اسٹوڈنٹ یونین (RUSU) کی طرف سے وہ مشہور زمانہ منشور لکھا جارہا تھا، جس کی رو سے بعد میں برما کی آزادی ممکن ہوسکی تھی، اس منشور کو تحریر کرنے والی کمیٹی میں آپ بھی شامل تھے، چنانچہ ایک باوثوق ذرائع کے مطابق آپ ہی نے بڑی باریک بینی اور نہایت محنت وجانفشانی سے اس منشور کے ابتدائی خاکہ یا مسودہ تیار کیا تھا۔

جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب نہایت ذہین ، معاملہ فہم اور یاسی بصیرت کے حامل سیاست دان تھے، سیاسیات کے پیچ وخم اور زمانے کے داؤ پیچ سے خاصے واقف تھے، آپ برما کے وفاقی وزیر صحت جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب اکیابی کے گو یا دست راست تھے، قومی سیاست کے میدان میں یہ دونوں بزرگ تقریباً ہم خیال اور ہم آہنگ رہ چکے تھے۔

۱۹۴۲ء کے خونچکاں المیہ کے دوران جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب اکیاب ہی میں مقیم تھے، اس دوران ہنگامہ شروع ہوا تو آپ ارکانی مسلمانوں کی عزت وناموس کے بچاؤ کے لئے تڑپ کر رہ گئے، آپ نے اکیاب میں وارد بعض جاپانیوں کے تعاون سے لاکھوں مسلمانوں کی جانیں بچائی تھیں، روایت ہے کہ جبھی اکیاب اوراس کے گردونواح میں مگھ اور برمیوں کے حملے یقینی ہو گئے تو آپ اپنے

چند ساتھیوں کے ہم راہ شدائد برداشت کرتے ہوئے جاپانیوں کی گھاٹی میں پہنچے، اور جاپانیوں کو اکیاب میں بلالالیا، یوں آپ نے ان جاپانیوں کے تعاون سے یہاں کے ہزاروں مسلمانوں کی جانیں بچائی تھیں۔

مجاہدین اسلام کی مبارک کوششوں سے بوسیدنگ کی فتح کے بعد جاپانیوں نے جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب کو جناب اڈووکٹ ناصرالدین پھوکائنگ کے ہمراہ شمالی مغربی ارکان کے مسلم علاقہ جات میں امن گفتگو کے لئے بھیجا، آپ نے منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے مسلمان امراء اور مجاہدین کے سر کردہ رہنماؤں سے ملاقات کر کے امن گفتگو کی تھی، لیکن یہاں کے مسلمان تب تک جوش انتقام میں مدہوش ومتوالے تھے، اس لئے اس حولے سے آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔

یہاں ایک افسوس کا مقام یہ ہے کہ واپسی کے دوران ان دونوں بزرگوں کو مگھ برمی خونخوار دہشت گرد تنظیم برما انڈی پنڈنٹ آرمی (BIA) کے مسلح افراد نے راسیدنگ کے علاقے سے یرغمال بنالیا، لیکن جاپانیوں نے ان دونوں کو مگھ برمی خوانین سے آزاد کر کے اکیاب لے آیا تھا۔

دوسری عالمی جنگ کے دوران اڈووکٹ سلطان محمود کی قیادت میں انڈین نیشنل لیگ (INL) کی تشکیل ہوئی تو اڈووکٹ محمد یسین صاحب اس میں نائب صدارت کے عہدہ پر فائز رہے، جس کے نامور اراکین کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

(۱) صدر: جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب اکیابی۔

(۲) نائب صدر: جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب اکیابی۔

(۳) سکریٹری جنرل: جناب محمد خسرو صاحب۔

(۴) خزانچی: جناب عبدالغنی صاحب۔

یوں تو اس لیگ کے نصب العین یا مقصد ارکانی مسلمانوں کی نجات کا حصول تھا، چوں کہ ایک طرف جاپانی افواج اس وقت برما پہنچ رہی تھیں، ان کے ساتھ تقریبا پچاس ہزار ہندوستانی افواج بھی تھیں، جاپانی اور ہندوستانی افواج کے پاس خوراک اور دیگر سروسامان کی بڑی قلت تھی، چنانچہ اس لیگ نے ان فوجیوں کے لئے بعض ضروری جنگی سروسامان کے علاوہ خوراک اور لباس مہیا کیا تھا، دوسری طرف اس زمانے میں ان بزرگوں کی طرح بعض ارکانی مسلم لیڈروں کا خیال تھا کہ دوسری عالمی جنگ میں جاپان کی جیت اور انگریزوں کی ہار یقینی ہے، چنانچہ جاپانیوں کے ساتھ تعاون سے ارکانی مسلمانوں کے سیاسی مسائل حل ہو جائیں گے، لیکن افسوس ہے کہ بعد میں ان لیڈروں کا خیال غلط ثابت

ہوا، چنانچہ اس دوسری عالمی جنگ میں بالآخر جاپان کی ہار اور انگریزوں کی جیت ہوگئی تو سرزمین ارکان کے یہ تمام مسلم سیاست دان بڑے پریشان ہو گئے تھے۔

آزاد برما میں جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب ایک مسلم سیاست دان کی حیثیت سے مختلف سیاسی پارٹیوں میں شامل رہے، پچھلی سطور میں جس طرح عرض کی جا چکی ہے کہ آپ اپنی سیاسی زندگی کی شروع ہی سے جناب اڈووکٹ سلطان محمود صاحب اکیابی کے حامی اور دست راست رہے تھے، ظاہر ہے کہ یہ دونوں ارکانی سیاست دان اگرچہ دوسری عالمی جنگ کے دوران جاپانیوں کے حامی تھے، لیکن بعد میں انہوں نے جبھی جاپانیوں کے مسلمانوں پر مظالم دیکھے تو ان کی حمایت چھوڑ دی تھی۔

اڈووکٹ محمد یسین صاحب نے اپنے بعض ساتھیوں کے ہمراہ رنگپور (حالیہ بنگلا دیش) کے مہاجر کیمپوں کا تفصیلی دورہ کیا، آپ نے ان ارکانی مہاجرین کے حق میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ آپ کی پیہم کوشش سے ان ارکانی مہاجرین کو دوبارہ ارکان میں آنا ممکن ہوسکا تھا۔

برما کی آزادی کے بعد جناب اڈووکٹ محمد یسین صاحب نے جناب اڈووکٹ سلطان محمود کے ساتھ شمالی مغربی ارکان کا مختلف دورہ کیا تھا۔

بالآخر ارکانی مسلمانوں کے یہی عظیم سیاست دان ورہنما نے اپنی مستعار عملی زندگی میں مختلف قومی وملی خدمات انجام دے کر ارکان کے دارالحکومت اکیاب میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمد یعقوب صاحب، کرانی، سیاسی، اکیابی

جناب محمد یعقوب صاحب ۱۹۰۷ء میں سرزمین ارکان کے حالیہ دارالحکومت اکیاب کے ایک مالدار اورسخاوت پسند گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک مالدار اورسخی ہونے کے ساتھ نہایت دین دار اور علماء پسند بزرگ تھے، اور والدہ ماجدہ بھی ایک عابدہ و پارسا خاتون ہونے کے ساتھ طلبائے مدارس دینیہ کوتعاون کرنے کے حوالے سے نہایت معروف تھی۔

جناب محمد یعقوب صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد اپنے محلہ کے مکتب سے ناظرۂ قرآن کے ساتھ دینیات کی ابتدائی تعلیم پائی، اس کے بعد سرکاری اسکول میں داخلہ لے کر متوسطہ تک کی اردو اور برمیز کی تعلیم حاصل کی، بعدازاں اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ہندوستان کا سفر کیا، لیکن ہر چند کوشش کے با وجود بعض وجوہات کی بنیاد پر آپ کو اس حوالے سے زیادہ کامیابی نہیں ملی تھی۔

ہندوستان سے واپسی کے بعد جناب محمد یعقوب صاحب نے نجی تجارت سے دلچسپی لی، لیکن مگھوں کی شرارت کی وجہ سے انھی اپنی تجارت سے آپ کو ہاتھ دھونا پڑا، بعدازاں آپ نے اپنے والد صاحب کی چاہت سے مجبور ہو کر سرکاری نوکری لی، ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے کرانی کے منصب پر فائز ہو گئے، جہاں سے آپ کرانی کے خطاب سے علاقے بھر میں معروف ہو گئے تھے۔

۱۹۴۲ء کے قتل عام کے دوران جناب محمد یعقوب صاحب اکیاب میں مقیم تھے، لیکن بعد میں آپ مجاہدین اسلام میں شامل ہو کر منگڈو کے علاقے میں آئے، آپ نے اپنی جان و مال سے مجاہدین کی بھر پور حمایت اور تعاون کیا، بوسیدنگ والی لڑائی میں آپ نے بنفس نفیس شریک ہو کر مگھ برمی خوانین کے خلاف دل کھول کر لڑائی کی، کہتے ہیں کہ آپ نہایت بہادر اور جہاد کی حکمت عملیوں کے ماہر تھے، چنانچہ ان کی جہادی منصوبہ بندی اور حکمت عملیوں سے مجاہدین اسلام نے بھر پور فائدہ اٹھایا تھا۔

۱۹۴۲ء کے بعد شمالی مغربی ارکان میں پیس کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو جناب محمد یعقوب کرانی صاحب کو جنوبی منگڈو والی کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا، اس کمیٹی میں رہتے ہوئے آپ نے ملت وقوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، آپ مسلم بچوں کو تعلیم دلانے کے حوالے سے نہایت پر جوش تھے، مسلم بچوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسکولوں اور مدرسوں میں داخل کروا دیتے تھے، اور ماں باپ سے کہتے کہ آپ کے بچے اگر نہیں پڑھیں گے تو قوم وملت کی خدمات کیسی نبھائی جا سکیں گی؟ بہر حال ایک طویل مدت تک قوم کی خدمات انجام دے کر آخر کار آپ نے ارکان میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

محمود الحسن صاحب، ماسٹر، خیر فاروی، منگڈوی

جناب ماسٹر محمود الحسن بن حضرت مولانا احمد حسین المعروف بہ مولانا لال محمد/لعل محمد صاحب شمالی منگڈو کی مردم خیز بستی خیر فارہ میں ۱۹۱۸ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد حضرت مولانا لال محمد صاحب ایک جلیل القدر عالم باعمل بزرگ اور شیخ طریقت تھے، جو ہندوستان سے تعلیم حاصل کر کے وطن واپس آئے، اور اپنی مستعار زندگی کو خدمات دینیہ و روحانیہ کے لئے وقف کر دیا، ایک روایت کے مطابق حضرت موصوف ایک صاحب نسبت مجاز بیعت ہونے کے علاوہ صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے، حضرت کی کرامات اور فوق العادات باتین بہت سننے میں آئیں، موصوف خیر فارہ کی قبرستان میں مدفون ہیں۔

جناب محمود الحسن کی بسم اللہ خوانی اور ابتدائی دینی تعلیم اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی، بعد میں منگڈو کے اردو اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے اردو میں ساتویں جماعت تک تعلیم مکمل کر کے رنگون پہنچے، اور زینت ہائی اسکول سے سند فراغت حاصل کر کے وطن واپس آئے تھے۔

فراغت تعلیم کے بعد جناب ماسٹر محمود الحسن صاحب منگڈو کے متعدد اسکول میں پڑھاتے رہے، اور ہزاروں مسلم طلباء کو مستفید کرتے رہے تھے، ساتھ ہی ساتھ اس دوران تحریک آزادئ ارکان کی متعدد جماعتوں سے وابستہ بھی رہے، جن میں روہنگیا انڈی پنڈنٹ فورس (RIF) قابل ذکر ہے، بعد میں موصوف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے، اور پہلے پہلے ٹیکناف میں رہے، پھر وہاں سے منتقل ہو کر مستقل طور پر شہر چاٹگام میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔

چاٹگام میں پہنچتے ہی ماسٹر محمود الحسن صاحب ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے وابستہ ہو کر سماجی اور فلاحی کاموں میں مشغول ہو گئے، موصوف روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کے بھی بڑے خیر خواہ خادم تھے، قائد تحریک آزادئ ارکان حضرت محمد جعفر حبیب کو بہت ہی پسند کرتے تھے۔

ماسٹر محمود الحسن صاحب بڑے نیک، ذہین وفطین اور نہایت باریک بین سیاست دان ہونے کے علاوہ دل درمند اور فکر ارجمند کے مالک دانشور تھے، انہوں نے ارکان ہسٹریکل سوسائٹی اور روہنگیا فدائین محاذ کے ساتھ وابستہ ہو کر بڑی بڑی قومی وملی خدمات انجام دیں، حتی کہ اسی حالت میں ۱۶/نومبر/۱۹۸۸ء میں چاٹگام میں انتقال کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالی ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

محمد یونس صاحب، کمانڈر، منگڈوی

کمانڈر جناب محمد یونس بن محمد اسحاق صاحب منگڈو ٹاون میں ۴/جنوری/۱۹۶۸ء میں ایک صاحب ثروت گھرانے میں پیدا ہوئے، ان کے والد ایک معمولی آدمی تو تھے لیکن ذی فہم اور ملک وقوم کے حوالے سے بڑے دردمند تھے، ساتھ ہی ساتھ وہ بڑے بہادر، نڈر اور بے باک تھے، قوم کی ہر مشکلات پر ترسنے اور ظلم وبربریت کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں سے بھی تھے۔

محمد یونس صاحب کی تعلیم کا آغاز دینی مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے ہوا، منگڈو ٹاون کے سرکاری ہائی اسکول سے مٹرک پاس کر کے اکیاب کالج میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۸۸ء میں انٹر میڈیٹ کا امتحان پاس کیا، انٹر پاس کرنے کے بعد وہ رنگون یونیورسیٹی کو جانے کی تیاری کر رہے تھے کہ یکا یک برما میں ۱۹۸۸ء کا وہ جمہوریت نواز انقلاب شروع ہوا، جس نے پورے برما کو ہلا کر رکھ دیا تھا، انقلاب کے دوران وہ منگڈو واپس آگئے اور جمہوریت نوازوں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دیا، چونکہ وہ ایک بردبار اور حلیم الطبع طالب علم تھے، چنانچہ طلبہ کی ایک بڑی اکثریت کی خواہش پر انہوں نے وہاں کی طلبہ تنظیم کی قیادت کی، ویسے ان کو ۱۹۸۹ء کے دوران "مایو اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن برائے منگڈو ٹاؤن شپ" کے عہدۂ صدارت بھی سنبھالنا پڑا تھا۔

بعد میں برما کی مرکزی حکومت کی باگ ڈور فوج نے سنبھالی تو محمد یونس کے لئے وطن کی زمین تنگ ہوگئ، یوں وہ ترک وطن کی راہ اختیار کرتے ہوئے بنگلا دیش پہنچ کر سیدھے روہنگیا قوم کی زیر زمین کام کرنے والی تنظیم "روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) میں شامل ہو گئے تھے۔

مذکورہ جماعت میں شامل ہو کر محمد یونس نے فوجی تربیت حاصل کی، بعد میں انہوں نے ار ایس او کے اس وقت کے امیر جناب ڈاکٹر محمد یونس کی لڑکی سے شادی کی، بعد میں ان کو مجاہدین کا سرخیل (مجاہدین کے کمانڈر انچیف) چن لیا گیا اور اس عہدے پر دو سال تک فائز تھے۔

۱۹۹۴ء کے بعد ار ایس او میں ایک انقلاب آیا تھا، جس کی وجہ سے محمد یونس بڑے پریشان ہو گئے تھے، ۱۹۹۸ء کے بعد روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کو کالعدم قرار دے کر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو محمد یونس پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر بنے، پھر مجلس عاملہ (CEC) کے ممبر منتخب ہوئے

تھے، بعد میں مجلس عاملہ اور قائمہ کمیٹی کی موافقت سے وہ نائب سالار مجاہدین چن لئے گئے تھے۔

محمد یونس ۲۰۰۰ء کے دوران اپنے سسر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کے ساتھ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) سے سبکدوش ہو کر سعودی عرب چلے گئے، جہاں انہوں نے چند سال اپنی نجی تجارت سے دل چسپی لی، جس میں ماشاء اللہ تھوڑی سی کامیابی بھی ملی تھی، لیکن سعودی عرب میں بعض ناگفتہ بہ حالات کے شکار ہو کر وہ دوبارہ بنگادیش واپس آئے اور تا حال بنگلہ دیش میں مقیم ہیں۔

محمد یونس صاحب کم سے کم ۱۹۹۴ء سے اپنے لائق سسر جناب ڈاکٹر محمد یونس صاحب کا ساتھ دیتے رہے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر محمد یونس صاحب والی روہنگیا سالیڈ ریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے رکن ہونے کے ساتھ بعد میں جب ارکان روہنگیا نیشنل الائنس (ARNA) کا قیام عمل میں آیا تو وہ اس الائنس میں بھی رکن رکین رہے ہیں، شنید ہے کہ آج کل مگھوں کی تنظیم ارکان آرمی (AA) کے خلاف برمی فوجی حکومت کے زیر سائے انقلابی سرگرمی کر رہے ہیں، واللہ اعلم، اللہ تعالی ان کو اپنی حفاظت میں رکھے، آمین یارب العالمین۔

مسیح الدین صاحب، ماسٹر، سیاسی، خیر فاروی

منگڈو کی معروف شخصیت جناب ماسٹر مسیح الدین بن مولانا ناظر حسین صاحب ۱۹۱۸ء میں شمالی منگڈو کی معروف بستی خیر فارہ منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان ایک علمی اور فکری خاندان ہے، آپ کے والد مرحوم مولانا ناظر حسین صاحب مغربی بنگال کی معروف درسگاہ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے فارغ التحصیل تھے، ان کی پوری زندگی درس وتدریس اور رشد وہدایت میں گزری، علاقہ والے ان کے بڑے مداح ہیں، کہتے ہیں کہ وہ ایک درویش صفت انسان تھے، اور اس علاقہ میں وہ ایک روشن چراغ تھے۔

ماسٹر مسیح الدین صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی خیر فارہ میں ہوئی، بعد میں منگڈو ہائے اسکول سے اردو اور انگریزی کی تعلیم پاکر مزید تعلیم کے سلسلے میں رنگون کا سفر کیا، اور ایک روایت کے مطابق رنگون کی معروف دانشگاہ ''زینت ہائی اسکول'' سے اردو لٹریچر میں مٹرک پاس کیا تھا۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ وطن واپس آئے اور منگڈو ہائے اسکول میں استاد مقرر ہوئے، وہیں عرصۂ دراز تک تعلیم دے کر ہزاروں طلباء کو مستفید کرکے پھر تجارت سے منسلک ہوگئے، چنانچہ تجارت کے میدان میں بھی آپ نے بڑا نام پیدا کیا تھا۔

ماسٹر صاحب جمعیت علمائے ارکان کے حامی تھے، لیکن ایک روایت کے مطابق جمعیت کے کچھ افراد سے اس لئے بیزار تھے کہ اس میں آپ کے مطابق علمائے سو کی ایک بڑی اکثریت شامل تھی۔

ماسٹر صاحب نے ۱۹۴۲ء کے وقعۂ کرب وبلا کے دوران قوم وملت کی بڑی خدمات انجام دیں، مظلوم مسلمانوں کی رہنمائی کی، اس زمانے کے دیگر مسلم قائدین سے مل کر قوم کو اس مصیبت کے حالات میں صحیح راستوں پر چلایا، آپ نے ہر حال میں قومی وملی مسائل سے دلچسپی رکھی تو قوم نے بھی آپ کے بر محل اور جامع مشوروں کو غنیمت جانا تھا۔

ماسٹر صاحب نے ۱۹۴۲ء کے دوران سیاست وقیادت سے عملاً ناطہ جوڑا، بعد میں آپ غالباً ۱۹۴۶ء میں وطن عزیز ارکان کی آزادی کے حوالے سے دیگر قائدین کی طرح قومی سیاست پر ابھر کر سامنے آئے، اور وطن کو برطانوی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے رات دن کو ایک کر دیا تھا، آپ کو ۱۹۴۶ء میں یہ احساس ہوا تھا کہ ہندوستان سمیت دیگر مشرقی ممالک برطانوی بھگوڑوں سے آزاد ہونے والے ہیں، اور عیاں دیکھ رہے تھے کہ سرزمین ارکان کو اگلے دنوں میں برما کا ایک مستقل صوبہ بنادیا جائے گا، تو آپ

نے ایک وفد میں شامل ہوکر ہندوستان کا دورہ کیا، اس وفد میں آپ کے علاوہ اور دو بزرگ لیڈر مسٹر ظہیر الدین بی اے علیگ شجاع فاروی اور مرحوم ماسٹر جناب وجیہ اللہ صاحب کیلا دنگی بھی شامل تھے۔

سب سے پہلے اس وفد نے بنگال کے معروف مسلم لیڈر حسین شہید سرور دی/ سہروردی سے کلکتہ میں ملاقات کی، وہاں جناب سروردی کے ساتھ اس وفد کی تفصیلی گفتگو ہوئی تھی، انہوں نے اس وفد کو مسٹر لیاقت علی خان صاحب سے تعارف کرانے کے ساتھ اس وفد کو قائد اعظم محمد علی جناح سے ملاقات کرانے کی سفارش بھی کی تھی، چنانچہ یہ وفد دہلی پہنچا، مسٹر لیاقت علی خان نے قائد اعظم سے اس وفد کی ملاقات کرائی، اس حوالے سے میں نے ماسٹر مسیح الدین صاحب سے چاٹگام میں ایک موقع پر پوچھا تو آپ کا بیان تھا کہ:

> ''مسٹر لیاقت علی خان نے ہمیں قائد اعظم محمد علی جناح مرحوم سے ملایا، ہم نے قائد کو سرزمین ارکان کے مسلمانوں کے حالات زار سے مطلع کر کے کہا کہ ہم برمی درندے اور مگھ اوباشوں کے سائے تلے اگلے دن نہیں رہنا چاہتے ہیں، اور آزادی بھی پاکستان کے ساتھ مل کر حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے بعد قائد اعظم نے فرمایا کہ یہ ایک اچھی بات اور اچھا خیال ہے، آزادی کے سلسلے میں ہم بھی کوشش کررہے ہیں اور تم بھی کوشش کرتے ہوئے کام کو آگے بڑھاؤ''۔

لیکن یہ الگ بات ہے کہ اس دور کی ساری کوششیں بظاہر رائگاں ہوگئیں، بالآخر ارکان کو برما کے ایک صوبہ کی حیثیت سے برما کا سپرد کردیا گیا، لیکن پھر بھی جناب مسیح الدین صاحب نے ہمت نہیں ہاری، اور ۱۹۴۸ء کے بعد بھی آپ ارکان کے مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کے لئے کام کرتے رہے تھے۔

۱۹۴۸ء کے اواخر میں ارکانی مسلمانوں پر برمی درندوں کی درندگی شروع ہوئی تو آپ نے اس درندگی کے خلاف پرزور آواز اٹھائی، جس کی پاداش میں آپ کو راستے سے ہٹانے کے لئے مگھ برمی درندوں نے پوری کوشش کی، لیکن اللہ تعالی نے آپ کی جان کی حفاظت کی، البتہ درندوں کی درندگی سے تنگ آکر آپ نے مشرقی پاکستان کی طرف ہجرت کی تھی۔

۱۹۴۹ء میں برمی وزیر اعظم مسٹر اونو نے ارکان کا سرکاری دورہ کیا، اور مسلمانوں کے حق میں خیر سگالی اور خیرخواہی کے گن گائے تو آپ کے لئے دوبارہ وطن واپس آنا ممکن ہوسکا تھا۔

ماسٹر صاحب نے وطن واپسی کے بعد بھی ہر ممکنہ سیاسی کوشش کرتے رہے، اونو کے دور حکومت میں آپ

ایک عوامی لیڈر کی حیثیت سے قومی سطح پر کام کرتے رہے تھے، لیکن ۱۹۶۲ء میں برمی اوباش جنرل نیون نے جب اقتدار پر ڈاکہ ڈالا تو نہ صرف ارکان بلکہ برما کے دیگر عوامی لیڈروں کی طرح آپ کی بھی زبان بندی عمل میں آئی، تو آپ کو مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑا تھا۔

راقم الحروف نے ماسٹر صاحب سے آخری ملاقات ۲۰۰۲ء میں چاٹگام میں ان کے داماد جناب ماسٹر الحاج ابو لفیض بن ابوالخیر جیلانی کی ہائش گاہ میں کی، آپ سے بہت سارے قومی، ملی، ثقافتی، سیاسی اور تاریخی موضوعات پر گفتگو ہوئی تھی، ماشاءاللہ میں نے آپ کو عمر کے اس آخری مرحلہ میں بھی کافی ذہین اور دور اندیش آدمی پایا، ظاہر ہے کہ آپ ایک اردو دان دانشور تھے، چنانچہ ارکان کے دیگر اردو دان دانشوروں کی طرح آپ بھی شاعر مشرق حضرت علامہ محمد اقبال مرحوم کے شیدائی تھے، اردو زبان وادب سے خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔

ماسٹر صاحب کے لائق داماد محترم جناب الحاج ابوالفیض ابوالخیر جیلانی صاحب ایک مورخ، لیڈر اور مصنف آدمی تھے، تصنیف وتالیف کے حوالے سے آپ سے راقم السطور کے قریبی تعلقات تھے ،۱۹۹۸ء سے لے کر خاص طور پر سیاسی میدان میں راقم السطور اور ابوالفیض صاحب ایک ہی پلیٹ فارم میں کام کرتے رہے تھے، بعد میں ملائشیا میں مقیم ہو کے وہیں انتقال کیا۔

جناب ماسٹر مسیح الدین صاحب کے فرزندوں میں جناب جوادالدین صاحب سنگاپور میں مقیم تھے، وہ بھی اپنے والد کی طرح قومی ہمدردی رکھنے والے تھے، ان کا انتقال سنگاپور میں ہوا، ان کے علاوہ ڈاکٹر وقارالدین اور جناب رضاءالدین صاحبان امریکہ میں مقیم ہیں، جناب ڈاکٹر وقارالدین صاحب پر مستقل تحریر انشاءاللہ اسی سلسلۂ کاوش کی زینت بنے گی، تاہم ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے اتنی سی بات سردست یاد رہے کہ ۲۰۱۱ء کے دوران منظمۃ التعاون الاسلامی (OIC) کے اشراف میں بننے والی روہنگیا تنظیم (ARU) کے آپ ڈائرکٹر جنرل منتخب ہوئے تھے، اس کے بعد آپ ہماری قومی سیاست میں ابھر کر سامنے آئے، اس تنظیم کے قائد کے بطور آپ نے مختلف ملکوں کا دورہ بھی کیا، ۲۰۱۲ء کو ارکان میں پھر سے کرب وبلا کا سماں چھا گیا تو آپ ایک قومی لیڈر کی حیثیت سے سامنے آ کے بہت ساری مفید ومثبت قومی خدمات انجام دیں، ڈاکٹر صاحب نے امریکہ میں انتقال کیا، اللہ تعالی ان کی جمیع مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے، آمین یارب العالمین۔

جناب ماسٹر مسیح الدین صاحب غالبا ۲۰۰۳ء میں ارکان سے امریکہ پہنچے، وہاں ۲۰۰۵ء میں آپ کا انتقال ہو گیا، امریکہ میں مدفون ہیں، اللہ تعالی آپ کی مغفرت کرے، آمین۔

مسیح الدین احمد صاحب، المعروف بہ احمد داروغہ، منگڈوی

جناب مسیح الدین احمد صاحب کا خاندانی تعلق بنگلادیش کے معروف علاقہ کومیلہ سے تھا، آپ ایک اطلاع کے مطابق منگڈو میں جب کہ دوسری رویت کے مطابق کومیلہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب نے سرزمین ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کی نمایاں خدمات کی تھیں، خیر جو کچھ بھی ہو کہ جناب مسیح الدین احمد صاحب ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے نہایت مخلص اور فعال خادم تھے، انگریزی عمل داری کے دور اواخر میں آپ نے یہاں کے مسلمانوں کے حق میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

آپ نے تعلیم منگڈو اور بنگال میں پائی، فراغتِ تعلیم کے بعد برطانوی پولیس میں نوکری لی، اور ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے ارکان کے انسپکٹر مقرر ہو گئے، لیکن بعد میں بعض نامعلوم وجوہات کی بنا پر آپ کو اپنے منصب جلیلہ سے تنازل کر کے بس بوسیدنگ کا سب انسپکٹر بنادیا گیا تھا۔

۱۹۴۲ء کے ہنگامۂ رستخیز کے دوران جناب مسیح الدین احمد صاحب نے مسلم مجاہدین کو بھرپور تعاون کیا تھا، اس دوران آپ نے ہزاروں مسلمانوں کو مگھ اور برمی خوانین کے مظالم سے بچا لیا، ۱۹۴۷ء کے اواخر میں حضرت محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں تحریک آزادی کا آغاز ہوا تو آپ نے پولیس میں رہتے ہوئے ایک جاندار حکمت عملی کے تحت مجاہدین کو ہر ممکن تعاون سے نوازا، اور خفیہ طریقہ سے مجاہدین کے پاس ضروری وسائل پہنچاتے رہے، اس سلسلے میں آپ نے محمد جعفر حسین قوال کے لئے ایک پستول بھی بھیجا، علاوہ ازیں آپ مگھ برمی خوانین کے پروپیگنڈوں سے مجاہدین اسلام کو مطلع بھی کرتے رہے تھے، محمد جعفر حسین قوال صاحب آپ کو کو بڑی عزت ووقار کی نگاہ سے دیکھتے تھے، آپ کے نیک مشوروں کو کبھی کبھار حرف آخر بھی سمجھتے تھے، احمد صاحب نے حضرت محمد جعفر حسین قوال کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''محمد جعفر حسین صاحب ! یاد رہے کہ جہاد اسلامی ایک نہایت پاکیزہ عبادت ہے، ظاہر ہے کہ اس راہِ عزیمت میں مشکلات بہت آئیں گی، تمہیں ہر حال میں جوش سے زیادہ ہوش سے کام لینا ہوگا، کہیں ایسا نہ ہو کہ جذبات سے مغلوب ہو کر ہوش کے بجائے جوش سے کام لیا جائے''۔

جناب احمد داروغہ صاحب ارکان کے درجنوں سیاست دانوں کے استاد تھے، جن میں ابوالخیر صاحب

داروغہ (ایم پی) سرفہرست ہیں، جناب ابوالخیر صاحب مرحوم سیاسیات کے حوالے سے اپنے آپ کو آپ کی طرف منسوب کر پانے پر فخر محسوس کرتے تھے، چنانچہ اس حوالے سے محترم جناب ابوالفیض جیلانی صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''والد مرحوم جناب ابوالخیر داروغہ صاحب ایم پی ارکان کی تین بزرگ ترین ہستیوں کو اپنے استاد مانتے تھے، اپنے آپ کو ان تینوں عظماء کی طرف منسوب کرنے کو سعادت سمجھتے تھے، ان میں سے ایک ان کے روحانی و دینی استاد مرشد برحق اور معروف ولی کامل حضرت مولانا عبدالجبار صاحب (فقیر مولوی) سعداللہ سری تھے، جب کہ دوسرے استاد برمی وفاقی وزیر صحت سلطان محمود صاحب اکیابی اور تیسرے استاد احمد داروغہ صاحب تھے، جنھوں نے وقت وقت پر ان کی رہنمائی کی تھی''۔

جناب احمد داروغہ صاحب بڑے بالغ نظر سیاست دان ہونے کے علاوہ ارکانی مسلمانوں کے نہایت خیر خواہ رہنماء تھے، آپ نے ارکان میں انتقال کیا، اور ایک روایت کے مطابق منگڈو میں مدفون ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مسیح الدولہ صاحب، کیلادنگی، منگڈوی

مرحوم قاسم راجا صاحب کے اعلی درجہ کے شیدائی، مجاہد افسر جناب مسیح الدولہ بن ماسٹر حبیب الرحمن کی پیدائش ۱۹۲۹ء میں جنوبی منگڈو کی بستی کیلادنگ میں ہوئی، ان کے والد صاحب سرکاری اسکول کے استاد ہونے کے علاوہ ایک مالدار آدمی تھے، مسیح صاحب کے بیان کے مطابق وہ بڑی نستعلیقی کیفیت کے مالک قوم کے خادم بزرگ تھے۔

جناب مسیح الدولہ صاحب کی ابتدائی تعلیم ان کی آبائی بستی میں ہوئی، بعد میں منگڈو ہائی اسکول میں ساتویں جماعت تک اردو کی تعلیم پائی، اردو زبان وادب سے آپ کی خاصی دلچسپی تھی، مالدار گھرانے کے چشم وچراغ تھے، چنانچہ وہ اپنے والد کی طرح زندگی کے آخری ایام تک نستعلیقی کیفیت کے مالک بنے رہے تھے۔

جناب مسیح الدولہ صاحب کے بیان کے مطابق انہوں نے ۱۹۵۱ء میں قاسم راجا کی پارٹی میں شمولیت اختیار کی تھی، اس پارٹی میں آپ کے حقیقی بہنوی معروف مجاہد کمانڈر جناب جمال احمد کیلادنگی بھی شامل تھے، یوں جمال صاحب کے واسطہ سے مسیح صاحب کی قاسم صاحب سے قربت حاصل ہوگئی تھی، قاسم صاحب نے ان کی فطری صلاحیات کو مزید نکھارا، بالآخر ان کو مرکزی اتصالات واستخبارات کے ذمے دار بنانے کے علاوہ مرکزی بیت المال کے نگران اور حسابات کے ذمے دار بھی بنایا گیا تھا۔

قاسمی پارٹی کے انتشار اور اضمحلال کے بعد جناب مسیح الدولہ صاحب مشرقی پاکستان چلے گئے، لیکن چند دن کے بعد انہوں نے رنگون اور آپر برما کا سفر کیا، پھر چند دن کے بعد ارکان کے راستے سے مشرقی پاکستان ہوتے ہوئے حجاز مقدس پہنچ گئے، جہاں چند سال گزارنے کے بعد پھر بنگلا دیش میں رہائش پذیر ہوگئے تھے، لیکن کوئی نو دس سال وہاں گزار کر دوبارہ سعودی عرب پہنچے، جہاں غالبا ۲۰۰۹ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔

مرحوم مسیح الدولہ صاحب کی دو اہلیہ تھیں، چھوٹی اہلیہ کے بطن سے صرف ایک بیٹا رفیق العالم صاحب تھے، جو ماشاء اللہ قوم کے بڑے دردمند انسان تھے، جناب رفیق العالم صاحب مارشل آرٹ (کونفو) کے اعلی درجہ کے استاد تھے، جنھوں نے اندرون وطن کے علاوہ بنگلا دیش اور سعودی عرب میں اس فن کو بہت پھیلایا، انہوں نے ۲۰۰۰ء کے دوران چاٹگام کے سرکاری فوجی کیمپ میں بنگلا دیشی فوجیوں کو مارشل آرٹ کی تربیت بھی دی تھی، ان کا انتقال ۲۰۲۲ء میں ڈھاکہ میں ہوا، اناللہ وانا الیہ راجعون، حوالی شہر چاٹگام میں مدفون ہیں۔

مظفر احمد صاحب، چوہدری، کینسوی، بوسیدنگی

جناب مظفر احمد چوہدری صاحب کی ولادت ۱۸۹۹ء میں شمالی بوسیدنگ کی بستی کنیسی کے ایک زمیندار اور سخاوت پسند خاندان میں ہوئی، آپ کے والد صاحب ایک بڑے زمیندار ہونے کے ساتھ بستی کے با اثر آدمی تھے، جو حق پسندی اور انصاف و عدل کے حوالے سے نہایت مشہور تھے، کہتے ہیں کہ موصوف عالموں سے بڑی محبت، نہایت شناسائی اور لگاؤ رکھتے تھے۔

جناب مظفر صاحب چوہدری نے بسم اللہ خوانی کے بعد بستی کے مکتب سے دینیات کی ابتدائی تعلیم پا کر تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے متوسطہ تک کی اردو میں تعلیم پائی تھی، دوران تعلیم آپ علاقے بھر کے مسلم طلباء کے لیڈر رہ چکے تھے۔

۱۹۳۷ء کے دوران آپ نے ارکان اور برما کے سیاسی ماحول اور فضاء سے اندازہ کرلیا کہ ارکان میں مگھ برمیوں کی بالادستی یقینی ہے، چنانچہ آپ نے سمجھ لیا کہ ان خوانین کے مظالم سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے مسلح جد و جہد کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں، اس لئے آپ نے اپنے ساتھیوں کو جہاد اسلامی کے لئے تیار کرلیا تھا، ۱۹۴۲ء کے قتل عام سے پہلے جناب مظفر احمد صاحب اور آپ کے درجنوں ساتھیوں نے خفیہ طریقے سے جہادی تربیت حاصل کرلی تھی۔

جناب مظفر احمد صاحب بشمول آپ کے تمام مجاہد ساتھیوں نے ۱۹۴۲ء کے جہاد میں بھر پور حصہ لیا، آپ نے اپنے اموال و ثروت سے مجاہدین اسلام کی بڑی مدد کی، جناب عبد المجید صاحب چوہدری معروف بہ آنتو راراجا آپ کو بہت پسند کرتے تھے، الغرض آپ نے ۱۹۴۲ء کے جہاد میں حصہ لے کر ارکانی مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

۱۹۴۲ء کے بعد شمالی مغربی ارکان میں پیس کمیٹی بنی تو آپ علاقہ کے ایک لیڈر کی حیثیت سے نمایاں ہوکر سامنے آئے، اور شمالی بوسیدنگ والی پیس کمیٹی کے ممبر منتخب ہوکے ملت وقوم کی خدمات انجام دیں، علاوہ ازیں جناب ظہیر الدین بی اے علیگ کی سربراہی میں انجمن اسلامی عدالت کی تشکیل ہوئی تو جناب مظفر احمد صاحب اس عدالت کے ممبر منتخب ہوئے، آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح عدل پسندی کے حوالے سے بھی نہایت مشہور تھے، آخر کار آپ نے بوسیدنگ میں انتقال کیا، اور اپنی آبائی قبرستان میں مدفون ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقبول احمد صاحب، کمانڈر، سندی فرانگی، بوسیدنگی

معروف مجاہد کمانڈر جناب مقبول احمد صاحب کی ولادت جنوبی بوسیدنگ کی معروف بستی سندی فرانگ میں ۱۹۱۷ء میں ایک دین دار گھرانے میں ہوئی، ان کے والد صاحب نہایت دین دار، پرہیزگار اور علماء وصلحاء پسند ایک کاشتکار تھے، اور والدہ ماجدہ بھی نہایت عابدہ و پارسا خاتون تھی۔

جناب مقبول احمد صاحب نے اپنی آبائی بستی کے مکتب میں قرآن کریم کے ناظرہ اور دینیات کی ابتدائی چند کتابیں پڑھیں، اس کے بعد سندی فرانگ کے مدرسہ میں داخلہ لے کر چند جماعتیں پڑھیں، موصوف بڑے ذہین وفطین طالب علم تھے، لیکن بعد میں بعض وجوہات کی بنیاد پر مزید پڑھائی نہیں ہوسکی تھی۔

پڑھائی سے علیحدگی کے بعد مقبول احمد صاحب گھر کے کام میں مشغول ہوگئے، ۱۹۴۷ء کے اواخر میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی جماعت ''جہاد کونسل'' کی طرف سے دعوت شمولیت ملی تو وہ ۱۹۴۸ء کے ابتدائی مہینوں میں جہاد کونسل میں شامل ہوگئے، عسکری تربیت کے حصول کے بعد انہوں نے مگھ برمیوں کے خلاف لڑے جانے والے مختلف معرکوں میں شرکت کی، جہاں بھی گئے انہوں نے اپنی دلیری اور بہادری کا لوہا منوایا، چنانچہ ان کی بہادری، ہشیاری اور جنگی حکمت عملیوں کو دیکھ کر جہاد کونسل کے قائدین نے ان کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنادیا تھا۔

کہتے ہیں کہ محمد جعفر حسین کی پراسرار شہادت کے بعد جناب مقبول احمد صاحب جہاد کونسل سے علیحدہ ہوکر محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں چلنے والی جماعت ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہوگئے، محمد قاسم راجا صاحب نے ان کی خاصی قدر کی، اور ایک بھاری تعداد مجاہدین کی قیادت ان کے ہاتھ پر سونپا تھا۔

جناب کمانڈر مقبول احمد صاحب جنوبی منگڈو اور جنوبی بوسیدنگ کے مختلف علاقہ جات کے انچارج رہ چکے تھے، موصوف بڑے جنگجو مجاہد کمانڈر تھے، خوف و ہراس ان کے پاس سے بھی گزرنے نہیں پاتے تھے، چنانچہ ان کی قیادت میں مجاہدین اسلام نے چند مرتبہ حکومت کو پسپا ہونے پر مجبور کردیا تھا۔

۱۹۵۴ء میں مجاہد پارٹی پر برمی حکومت کی طرف سے زبردست حملہ ہوا تو مقبول احمد صاحب اور ان کے مجاہدین نے عقب سے حملہ کرکے برمیوں کو زبردست نقصان پہنچایا، اس کے بعد بھی موصوف مختلف معرکوں میں شریک رہے، آخر کار اللہ کے اس مخلص مجاہد بندہ نے ۱۹۵۵ء کی ایک لڑائی میں جام شہادت نوش فرمایا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

منیر احمد صاحب، سماجی کارکن، شقدار فاروی، منگڈوی

جناب میر احمد بن مولانا افلاطون صاحب ۱۹۴۸ء میں شقدار فارہ منگڈو میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مرحوم حضرت مولانا افلاطون صاحب ایک با کمال عالم دین تھے، کہتے ہیں کہ جس وقت شقدار فارہ میں ایک عالم دین نہ تھے اس وقت آپ کی ذات و عالی صفات اس بستی کے لئے گویا ایک روشنی کی مینار تھی، مزید کہتے ہیں کہ آپ بڑے صاحب دل بزرگ بھی تھے۔

جناب منیر احمد صاحب کی تعلیم بستی کے مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول میں ہوئی، شقدار فارہ ہائی اسکول سے چھٹی جماعت تک کی تعلیم مکمل کرکے برمی فوج میں بھرتی ہوگئے، جہاں آپ نے کافی ترقی کی، ابتدائی زمانے میں اکیاب وغیرہ علاقہ میں رہے، بعد میں منگڈو میں منتقل ہوکے آئے تھے، یہاں بھی آپ نے چند سال خدمات انجام دیں، ۱۹۸۶ء کے ابتدائی ایام میں بعض قومی معاملات میں آپ کو پھنسایا گیا تو آپ کے لئے وطن کی زمین تنگ ہوگئی، جس کی وجہ آپ کو ترکِ وطن کرنا پڑا تھا۔

جناب منیر احمد صاحب ۱۹۸۶ء میں ترکِ وطن کرکے کوکس بازار بنگلا دیش کے علاقے میں مقیم ہوئے، اسی سال ایک مسئلہ یہ پیدا ہوا تھا کہ کوئی پندرہ ہزار کے لگ بھگ ارکانی روہنگیا مہاجرین کو ہندوستان سے بنگلا دیش دھکیل دیا گیا تو جناب منیر احمد صاحب نے ایک مجلس کی تشکیل دی، اور بنگلا دیشی حکومت سے پرزور مطالبہ کیا کہ ان مہاجرین کو سردست ارکان میں دھکیلنے کے بجائے بنگلا دیش کے پہاڑی علاقے میں بسنے کی اجازت دی جائے، چنانچہ اس مہم میں وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے۔

جناب منیر احمد صاحب بعد میں سعودی عرب پہنچے، اور ۱۹۸۸ء کے دوران پھر بنگلا دیش آکے کچھ انقلابی سرگرمیوں سے وابستہ رہے، مگر ناکام ہوئے، ۱۹۹۱ء میں جب روہنگیا مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد بنگلا دیش پہنچی تو آپ نے اپنے بعض دوستوں سے مل کر ایک مجلس بنام ''روہنگیا مسلم ولفیر آرگنائزیشن'' کی تشکیل دی، اور اس مجلس کو بنگلا دیش میں رجسٹر بھی کرایا، جس میں آپ صدر اور مرحوم ماسٹر سراج صاحب نائن چنگی نائب صدر اور جناب عبداللطیف فوئما لوی صاحب سکریٹری جنرل کے عہدے پر فائز تھے، ابتداء میں اس مجلس میں محی الدین صاحب (BA) مقیم حال ولایات متحدہ امریکہ بھی میں شامل تھے، مگر وہ بعض وجوہات کی بنا پر اس مجلس سے مستعفی ہوگئے تھے۔

جناب منیر احمد صاحب نے اپنے احباب کی شمولیت میں اس مجلس کے ذریعے ایک زمانے تک روہنگیا

مسلمانوں کی بھرپور خدمات کیں، اور اپنے دوست احباب کی شمولیت کے ساتھ مہاجرین کی سہولیات کے لئے جرات مندانہ کوششیں بھی کی تھیں۔

یاد رہے کہ منیر احمد صاحب کی یہ تنظیم بنگلا دیش میں رجسٹر شدہ ایک وہ تنظیم ہے، جو روہنگیا مسلمانوں کے نام پر رجسٹر ہوسکی تھی، اس سے پہلے ۱۹۷۵ء میں ایک تنظیم ارکان کے نام سے رجسٹر ہوسکی، جسے دنیا ''ارکان روہنگیا ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کے نام سے جانتی ہے، یعنی ایک تنظیم ارکان کے نام پر جب کہ دوسری تنظیم روہنگیا کے نام پر بنگلا دیش میں رجسٹر ہوسکی تھی، باوجودیکہ ان دونوں تنظیموں کے علاوہ بعد میں متعدد کوششیں رجسٹر کرنے کے سلسلے میں ہوئیں، لیکن میرے علم کی حد تک آج تک دوسری کوئی تنظیم اس قسم کے ناموں سے رجسٹر کرائی نہ جاسکی۔

ویسے جناب منیر احمد صاحب کی اس کوشش کا نتیجہ روہنگیا مسلمانوں کے لئے بنگلا دیش کی سطح پر بڑی بار آور رہی، دراصل آپ کی یہ تنظیم روہنگیا مسلمانوں کے لئے ایک سرمایہ کی حیثیت رکھتی ہے جس کی حفاظت وقت کی ایک اہم ضرورت بھی ہے۔

مگر بات یہ ہے کہ منیر احمد صاحب نے باوجودیکہ اس تنظیم کو رجسٹر کرایا تھا، مگر آج کل ۲۰۰۵ء تک یہ تنظیم نیم جان بلکہ کسی حد تک بے جان سی ہوگئی ہے، جس میں ایک طرف وقت کے بعض ذمے داران مسئول ہیں تو دوسری طرف اس تنظیم کی ترقی میں رکاوٹ خود جناب منیر احمد صاحب کی ناسمت شناسی اور ناحقیقت پسندی بنی ہوئی ہے، آج کل وہ اس تنظیم کے سارے کاغذات اور دستاویزات بغل میں دبائے سعودی عرب میں مقیم ہیں، حد یہ ہے کہ اس تنظیم کے ذریعے وہاں پائے جانے والے بعض مفاد پرست سعودی عرب میں اپنے اپنے مفاد کا دامن بھر رہا ہے، چونکہ منیر احمد صاحب ایک سادہ لوح، کسی حد تک جذباتی اور سیاسی بصیرت کے اعتبار سے گویا نابلد ہیں، یوں آپ کو دھوکہ دے کر بعض مفاد پرستوں نے اس تنظیم کے ذریعے اپنے مفاد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔

اگر چہ بنگلا دیشی سطح پر کیوں نہ ہو، دراصل یہ ایک جاندار تنظیم ہے، اس سے روہنگیا مسلمانوں کے مفاد میں بہت کچھ کیا جاسکتا تھا اور کیا جاسکتا ہے، مگر وہ اس کے تمام کاغذات بغل میں دبائے سعودی عرب میں رینگتے رہے ہیں، میرے خیال میں ذاتی طور پر منیر احمد صاحب کے پاس وہ صلاحیت نہیں ہے، جسے بروئے کار لاکر اس تنظیم کے ذریعے قوم کے لئے کچھ کیا جاسکے، پھر افسوس صد افسوس ہے کہ جوہر جوہری کے ہاتھ میں نہیں رہا، جہاں تک محسوس ہو رہا ہے کہ اس تنظیم کی موت خود بانی تنظیم کے

ہاتھوں واقع ہونے والی ہے، الامان والحفیظ۔

جناب منیر احمد صاحب سے میری پہلی ملاقات ۲۰۰۴ء میں جدہ سعودی عرب میں ہوئی، اس کے بعد بھی مسلسل ہوتی رہی تھی، آپ کو میں نے اپنی حد تک سمجھانے کے ساتھ یہی گزارش کی تھی کہ:

> "جناب من! اگر آپ بنگلا دیش جانے والے نہیں یا نہ جا سکتے ہوں تو آپ اس تنظیم کو روہنگیا مسلمانوں میں سے ایسے افراد کا حوالہ کر دیں جو اس تنظیم سے کام لینے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ فعال اور قوم کے ہم درد بھی ہوں، اس صورت میں قوم کی یہ تنظیم متحرک ہو کے اس کی قانونی صلاحیت پھر سے بحال ہو جائے گی، کم سے کم بنگلا دیش میں اس کی بڑی ضرورت محسوس ہو رہی ہے"۔

لیکن وہ بڑی حد تک سمجھانے سے بھی نہیں سمجھے، جہاں تک محسوس ہو رہا ہے کہ وہ اس تنظیم کو اپنے سینے سے دبائے اپنے کفن کے ساتھ دنیا سے رخصت لینا چاہتے ہیں، اللہ تعالی حفاظت فرمائے۔

ناصر الدین صاحب (پھوکائنگ) اڈووکٹ، سیاست دان، رامریوی

سرزمین ارکان کے معروف سیاست دان اڈووکٹ جناب ناصر الدین المعروف بہ پھوکائنگ صاحب کی پیدائش جزیرۂ رامری کے ایک کمانچی مسلم گھرانہ میں ہوئی، بعض بڑوں کے مطابق کمانچی مسلمان تو عموی طور پر نیم مسلم ہوتے ہیں، لیکن کہتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب ایک دین دار، مالدار اور نہایت سخاوت پسند آدمی تھے، اور والدہ بھی پڑھی لکھی نہایت پارسا خاتون تھی۔

جناب ناصر الدین صاحب نے ابتدائی دینی تعلیم آپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں پائی، اس کے بعد سرکاری اسکول میں داخلہ لے کر متوسطہ تک کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد اکیاب گئے جہاں کے ایک سرکاری اسکول سے مٹرک کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا، بعد ازاں اعلی تعلیم کے حصول کے لئے رنگون گئے، جہاں سے ہائر گریڈ کے علاوہ ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی تھی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد جناب ناصر الدین صاحب اکیاب آئے، جہاں آپ نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا، ۱۹۳۶ء کے بلدیہ کے انتخابات میں حصہ تو لیا لیکن ناکام ہو گئے، آپ کے متعلق سرزمین ارکان کے نامور مورخ اڈووکٹ خلیل الرحمن صاحب اپنی زندہ کاوش "کر بلائے ارکان" میں لکھتے ہیں کہ:

> "چوں کہ پھوکائنگ (جس کا کوئی اسلامی نام والدین نے شیرخوارگی میں رکھا ہوگا) رامری کا ایک کمانچی مسلم تھا، جو اکیاب میں شادی کرنے کے بعد وکیل بنا، ۱۹۳۶ء میں کونسل کی ممبری کے انتخابات میں مسلمانوں کی ووٹ نہ ملنے کے سبب سے سازن لھا کی طرح ناکام ہوا، اس لئے وہ دونوں۔۔۔۔۔ہم خیال اور ہم مشرب بن گئے، اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے، ان دونوں کا شاید یہ گمان تھا کہ اگر ضلع اکیاب سے سارے انڈین مسلمانوں کو خارج کر دیا جائے گا تو باقی ماندہ مسلمانوں کو قابو میں کر کے اگلے انتخابات میں جیت کر خوب ناچ سکیں

گے۔۔۔‘‘۔

باوجودیکہ مورخ موصوف نے اپنی گرانقدر تصنیف ’’تاریخ اسلام ارکان وبرما‘‘ کی تصنیف کے دوران جناب ناصرالدین صاحب سے بھرپور تعاون حاصل کیا، مگر اندر ہی اندر میں وہ موصوف سے بڑے نالاں اور بیزار تھے، چنانچہ وکیل صاحب نے ۱۹۴۲ء کے ہنگامۂ رستخیز کے دوران موصوف کے کردار پر سخت نکتہ چینی کی ہے، مسلمانوں کے ایسے حالات میں موصوف کی طرف سے کئے گئے کردار کو منافقانہ اور چمکاڈرانہ کردار وعمل قرار دیا ہے۔

لیکن ناظرین کرام کو موصوف پر وکیل صاحب کی اس نکتہ چینی سے اتنا برگشتہ نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ خود معاصرین کے درمیان ہونے والی ایسی چپقلس پر انگلی اٹھائی جاسکتی ہے، اس قسم کے خیالات پر خاص نظر رکھنے کی ضرورت ہے، ایسے حالات میں اعتدال پسندی کے ساتھ ان بزرگوں کے حالات کو مطالعہ کرنا چاہئے، جب کہ جناب ناصرالدین صاحب کے بعد کے حالات سے پتہ چلا ہے کہ موصوف اپنے ماضی کے بعض سیاسی اور سماجی و معاشرتی مواقف سے رجوع بھی کر چکے تھے، جس کی کچھ جھلکیاں ناظرین کرام کو اگلی سطور میں نظر بھی آئیں گی۔

مئی ۱۹۴۲ء میں ارکان کے کمشنر معروف مگھ درندہ اوچوکائنگ کی ہلاکت کے بعد جاپانی، برما آزاد فوج اور تھکین پارٹی کی ہمت ٹوٹ گئی تھی، اس کے بعد جاپانیوں نے اڈووکٹ ناصرالدین اور اڈووکٹ محمد یسین صاحبان کو امن گفتگو کے لئے شمالی مغربی ارکان کی طرف بھیجا تھا، ان دونوں بزرگوں نے وہاں کے امراء، مسلم رؤساء اور مجاہدین کے لیڈران سے امن گفتگو کی تھی، انہوں نے یہاں کے مجاہدین کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سردست جاپانیوں کے خلاف نبردآزما ہونا مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف ہے، لیکن یہاں کے مسلم لیڈروں کو خود جناب ناصرالدین صاحب کی شکل سے کھٹکا محسوس ہوا، اس حوالے سے مورخ محترم جناب اڈووکٹ خلیل الرحمن صاحب کا بیان ہے کہ:

’’مسلمانوں کو پھوکائنگ کی شکل وصورت دیکھ کر بڑا غصہ آیا تھا، کیوں کہ انہوں نے مسلمانوں کی بیخ کنی کی تھی، لیکن پھر بھی مسلمانوں نے جاپانیوں کے خلاف نبردآزما نہ ہونے کا وعدہ ضرور کیا تھا‘‘۔

آزاد برما میں ۱۹۵۱ء کے عام انتخابات میں جناب ناصرالدین صاحب کامیاب ہوکر ایوان بالا کے رکن ہوئے، جبکہ اس انتخابات میں ان کی بیٹی محترمہ زہرہ بیگم (اہلیہ محترمہ جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب بالوخالوی) جنوبی منگڈو کے حلقے سے کامیاب ہوکر ایوان زیرین کی ممبر بنی تھی، اور آزاد برما کی سیاست کے حوالے سے جہاں تک پتہ چلا کہ جناب ناصرالدین صاحب کے سیاسی خیالات میں کافی تبدیلی آچکی تھی، کہا جاتا ہے کہ صاجزادی زہرہ بیگم کے ساتھ جناب اڈووکٹ سلطان احمد صاحب کی شادی ایک سیاسی مفاد والی شادی تھی، جس کے بعد اس کمان لیڈر کے خیالات روہنگیا مسلمانوں کے خیالات اور ان کے مفادات سے قریب ہوچکے تھے، جس کا بین ثبوت جناب ناصرالدین صاحب کی آنے والی اگلی سطور کی ایک تقریر میں عیاں طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔

۱۳/جولائی/۱۹۶۰ء بروز اتوار کی صبح نو بجے اکیاب ڈسٹرکٹ اسلامک ویلفئر کونسل نے زیرصدارت جناب اڈووکٹ ناصرالدین پھوکائنگ ایک جلسہ منعقد کیا، جس میں مگھوں کی مشترکہ کمیٹی کے درج ذیل حضرات پر مشتمل ایک وفد نے شرکت کی:

(۱) اومونگ کیوزن: پریسیڈنٹ راٹانیا (مگھ پارٹی)۔

(۲) اومونگ کیواو: چیرمن آف میونسپل۔

(۳) اومونگ سین: ممبر راٹانیا۔

(۴) اومونگ پھرو: ممبر نیشنل یوتھ آرگنائزیشن۔

(۵) اوساجوڈی موسائی مگھ لیڈر

اس اجلاس میں مونگ کیوزن اور مونگ سین نے کل ارکان کو ایک جداگانہ مگھ ریاست بنائے کے مطالبات کی حمایت کرنے کے لئے اسلامک ویلفئر کونسل سے گزارش کی، جس کے جواب میں صدر کونسل جناب ناصرالدین صاحب نے ایک طویل لیکن ضروری تقریر کی تھی، جس کا خلاصہ حاضر خدمت ہے:

’’سب سے پہلے میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ آپ حضرات نے کونسل کے اجلاس میں شرکت کرنے کی تکلیف گوارہ کی ہے، اب میں سرزمین ارکان کو ایک علیحدہ ریاست بنانے یا نہ بنانے کی حمایت اور عدم حمایت سے پہلے یہ

عرض کروں گا کہ برما کی آزادی کے بعد جس وقت میں پا سا پھالا کا ممبر تھا، اس وقت آپ حضرات نے ارکان کو علیحدہ ریاست بنانے کے سوال پر جو کمیٹی بنائی تھی، اس میں میں بھی ایک ممبر تھا، لیکن اس دن سے لے کر اب تک ارکان کو ایک علیحدہ ریاست بنا کے سوال پر میرے ساتھ کسی قسم کی گفتگو نہیں ہوئی، چونکہ آپ کا خیال ہے کہ ارکان کو علیحدہ ریاست بنانے سے ملک وقوم کی ترقی ہوگی، اب پارلیمنٹ میں اس کا مطالبہ پیش کیا گیا ہے، تو میں عرض کردوں گا کہ مطالبہ پیش کرنے سے قبل ارکان کی تمام قوموں اور نسلی گروہوں کے ساتھ مشورہ ضروری تھا، مگر اس کے برعکس آپ نے ایسا اقدام کیا، اخبارات اور اشتہارات کے ذریعے ایسے ایسے اعلانات کرائے کہ جو واقعہ اور حقائق کے بالکل خلاف ہے، جس طرح آپ حضرات نے الزام لگایا کہ ارکان میں دو تین لاکھ پاکستانی مسلمان داخل ہو گئے ہیں، جس کی وجہ سے امیگریشن کے حکام کو موقع مل گیا، اور مسلمانوں کے ساتھ حیوانوں سے بدتر سلوک کیا گیا ہے، ہزاروں کو بے گھر اور ہزاروں کو قید خانے کی اندھیری میں غرق کر دیا گیا ہے، لیکن مسلمانوں کے ایسے المناک حالات میں نہ صرف آپ نے امداد نہیں دی بلکہ ان کے خونچکاں المیے کو دیکھ دیکھ کر مسکرایا، اور مذاق اڑایا، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں خوف و ہراس کا عالم چھا گیا ہے، جس کے نتیجے میں آپ پر اعتماد بالکل ختم ہو گیا ہے۔۔۔ میں برطانوی دور حکومت میں برمی پارلیمنٹ کا ایک ممبر تھا، اور حصول آزادی کی راہ پر جنرل اونگ سان کے دوش بدوش کارنامہ انجام دیا تھا، آپ خوب جانتے ہیں کہ میں برما کی ایک مشہور شخصیت ہوں، میرا تعلق کمان مسلمانوں سے ہے، جو برما کی ایک تاریخی قوم کی حیثیت سے معروف اور مشہور ہے، فروری ۱۹۶۰ء کو جب میں نے اپنی اہلیہ سمیت عام انتخابات کے دوران ووٹ ڈالنے گیا تو دیکھا کہ ووٹر لسٹ میں میرا نام نہیں تھا، اگر مجھ جیسا لیڈر کا یہی حال ہے تو میری سیدھی سادھی قوم کی کیسی حالت ہوگی؟ اس دلخراش سوال اور

شکایت کے جوابات آپ کے پاس شاید ہوں، لیکن میرے پاس نہیں ہے، اب آپ کے سامنے میرا یہی مطالبہ رہے گا کہ چونکہ آپ میں پارلیمانی ممبران بھی ہیں ، اگر آپ حضرات مسلمانوں کو اپنے ملکی بھائی مانتے ہیں تو فوراً برمی پارلیمنٹ میں ارکان کے مسلمانوں کو یہاں کے اصلی شہری تسلیم کرنے کا مطالبہ پیش کردیں، تاکہ اس کے بعد میں پنی قوم کے سامنے آپ حضرات کی چاہت وطلب کی بات رکھ سکوں، اس کے بغیر آپ کے مطالبہ یعنی ارکان کو ایک علیحدہ مگھ ریاست بنانے کی خواہش کی حمایت ممکن نہیں ہے"۔

۱۹۵۶ء کے عام انتخابات میں شمالی بوسیدنگ کے حلقے پر ناصر الدین (پھوکائنگ) اور جناب اظہار میاں صاحب کے درمیان مقابلہ ہوا، جس میں اظہار میاں کامیاب ہوئے تو ناصر الدین نے اظہار میاں کے خلاف بدعنوانی اور دھاندلی کا الزام لگاتے ہوئے مقدمہ دائر کر دیا، عدالت نے اظہار میاں کی کامیابی کو دھاندلی کا نتیجہ قرار دیا تھا، بعد ازاں اس حلقہ پر پھوکائنگ اور سلطان محمود صاحب کے درمیان مقابلہ ہوا تو اب کی بار بھی موصوف ناکام ہو گئے تھے۔

ناصر حسین صاحب، المعروف بہ ناسوداروغہ، شقدار فاروی، منگڈوی

جناب ناصر حسین صاحب معروف بہ ناصوداروغہ کی ولادت سن ۱۹۰۰ء میں بستی شقدار فارہ منگڈو میں ہوئی، آپ کے والدین دین داری کے حوالے سے مشہور تھے، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں علماء اور طلبائے علوم دینیہ کی نہایت خدمات کی تھیں۔

جناب ناصر حسین نے مکتب نشینی کے بعد منگڈو کے اسکول سے نویں جماعت تک اردو اور برمیز میں تعلیم پائی، فراغت تعلیم کے بعد برطانوی پولیس میں نوکری لی، ترقی کرتے کرتے انسپکٹر/ داروغہ ہوگئے، آپ نے برطانوی دور اواخر میں ارکانی مسلمانوں کی فلاح وبہبودی کے کاموں میں بھر پور حصہ لیا تھا۔

۱۹۴۲ء کے ہنگامے میں جناب ناصر حسین صاحب نے مسلم مجاہدین کو بھر پور تعاون کیا، ۱۹۴۲ء کے بعد پیس کمیٹی کی بنیاد پڑی تو آپ نے مسلم حکومت میں بحیثیت پولیس انسپکٹر انتظامیہ سنبھالا، اور شمالی مغربی ارکان میں امن کی بحالی کے لئے بڑی بیش قیمت خدمات انجام دیں، جسمانی اعتبار سے آپ موٹے اور فربے تھے مگر فعال، ذمہ دار اور کام سے لگن رکھنے والے تھے، آپ بڑے رعب ودبدبہ کے مالک انسان تھے، لوگ آپ سے محبت بھی کرتے اور ڈرتے بھی تھے، اس لئے کہ آپ میں لچک بہت کم تھی، مجرمین کو سزا دینے میں کسی بھی قسم کے تردد سے باز رہا کرتے تھے، خصوصی طور پر چور، ڈاکو، لینگے اور غنڈے قسم کے لوگ آپ سے بڑے خائف رہا کرتے تھے، آپ نے منگڈو اور بوسیدنگ کے علاوہ اکیاب میں بھی خدمات انجام دی تھیں۔

جناب ناصر حسین صاحب مجاہدین کے ساتھ خفیہ تعلقات بھی رکھتے تھے، موصوف بظاہر مجاہدین کے خلاف نظر آتے، لیکن اندر ہی اندر ان کے ساتھ ملے ہوئے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہاں کے مسلمانوں کے حقوق کی بحالی کے لئے ان مجاہدین کے کردار وسرگرمی کی نہایت ضرورت ہے، ان کی جہادی سرگرمیوں کے بغیر یہاں کے مسلمانوں کی انسانی حقوق کی بحالی ممکن نہیں، وہ ایک سرکاری افسر ہونے کی وجہ سے بظاہر حکومت کے گن گاتے اور مجاہدین کو برا کہتے تھے، لیکن بباطن وہ مجاہدین کو بڑے احترام کرتے تھے، آپ علمائے کرام سے نہایت محبت کرتے، مسلم بچوں کے والدین کو تعلیم کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتے کہ مسلمانوں کے بچے قوم کے اگلے مستقبل کے ضامن اور رکھوالے ہیں، آپ نے طویل عرصہ تک قومی فریضے انجام دیتے ہوئے ۱۹۷۹ء میں انتقال کیا۔

نجومیاں صاحب، فرخالوی، بوسیدنگی

جناب نجومیاں صاحب شمالی بوسیدنگ کی بستی پیرخالی میں ۱۹۰۵ء میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب گاؤں کے سرکاری نمبردار اور منصف تھے، علاقہ میں امن وامان کے قیام کے لئے وہ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، علاوہ ازیں وہ علماء وصلحاء سے بھی بہت خوب تعلقات رکھتے تھے۔

جناب نجومیاں صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد گاؤں کے مکتب میں داخلہ لیا، جہاں ایک عالم دین سے ناظرۂ قرآن کریم کے ساتھ دینیات کی بنیادی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد تنگ بازار کے سرکاری اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے متوسطہ کی اردو اور برمیز میں تعلیم حاصل کی تھی۔

جناب نجومیاں صاحب تعلیم سے علیحدگی کے بعد آبائی زمینداری کے کام کاج میں مصروف ہوگئے، والد کے انتقال کے بعد آپ گاؤں کے نمبردار اور مصفیف ہوئے، آپ نے ہر حال میں اپنے والد کی طرح گاؤں میں امن وآمان قائم رکھنے کی کوشش کی، جس میں آپ کامیاب بھی تھے، شنید ہے کہ موصوف ایک اچھے شکاری بھی تھے، کبھی کبھار اپنے ہم جھولیوں کے ساتھ سیر وشکار کو نکل جاتے تھے، اس دوران خفیہ طریقے سے کچھ عسکری تربیت بھی پائی تھی، ۱۹۴۲ء کے ہنگامے کے دوران آپ نے مجاہدین میں شامل ہوکے اپنی جان اور مال سے اسلامی جہاد میں بھر پور حصہ لیا تھا۔

جناب نجومیاں صاحب نے ۱۹۴۲ء کے دوران جناب عبد المجید چوہدری معروف بہ آنتورا راجا صاحب کے دست راست بنتے ہوئے جہاد اسلامی میں بھر پور حصہ لیا، بوسیدنگ کی لڑائی میں آپ دوسرے نامور مجاہدین کی طرح ہر اعتبار سے پیش پیش تھے، اپنی جان اور مال کو راہ خدا میں پانی کی طرح بہایا تھا، کہتے ہیں کہ آپ نے گھر کے تمام زیورات اور سونے چاندی بیچ کر مجاہدین کی خدمت میں لگادی تھی، ۱۹۴۲ء کے بعد شمالی مغربی ارکان میں شانتی کمیٹی بنی تو آپ شمالی بوسیدنگ کی انجمن کے ممبر منتخب ہوئے، اس کمیٹی کے زیر سائے آپ نے اس پورے علاقے میں ملت وقوم کی نمایاں خدمات انجام دیں، موصوف خدمت خلق کے حوالے سے یکتائے روزگار تھے، علاقے میں امن وآمان کی بحالی کے ساتھ تعلیم کو فروغ دینے کے لئے نہایت کوشاں تھے، مسلم بچوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسکولوں اور مدرسوں میں داخل کروادیتے اور ممکنہ حد تک مالی امداد بھی فراہم کرتے تھے، قوم کے اس نامور خادم نے اپنی مستعار زندگی میں قوم کی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۷۵ء میں انتقال کیا۔

نور احمد صاحب، عاشقہ فاروی، منگڈوی

جناب نور احمد صاحب شمالی منگڈو کی بستی عاشقہ فارہ میں ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے، آپ کا خاندان ایک علمی اور با اثر ورسوخ خاندان تھا، آپ کے والد صاحب بھی اپنے زمانے کے قوم وملت کے بڑے خادم تھے، جنھوں نے علم دین اور طلبائے مدارس دینیہ کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

جناب نور احمد صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد آبائی بستی کے مکتب سے دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، سرکاری پرائمری اسکول سے چوتھی جماعت کے امتحان پاس کر کے منگڈو ہائی اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے ساتویں جماعت پاس کر کے اکیاب گئے، جہاں کے ایک ہائی اسکول سے مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کر کے عسکری تربیت حاصل کی تھی۔

تعلیم وتربیت سے فراغت کے بعد آپ پولیس میں بھرتی ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے منگڈو شب انسپکٹر بن گئے، ۱۹۴۲ء کے ہنگامے میں آپ نے بڑی بڑی قومی وملی خدمات انجام دیں، آپ نے اس دوران مجاہدین کا بھرپور تعاون کیا، اپنی صلاحیات واستعدات کو بروئے کار لاتے ہوئے مجاہدین اسلام کی خوب خوب رہنمائی کی تھی۔

۱۹۴۲ء کے بعد شمالی مغربی ارکان میں پیس کمیٹی بنی تو آپ اس کمیٹی میں شامل ہو کر انتظامیہ کے کاموں میں مشغول ہو گئے، آپ نے اس علاقے کے نامور مالدار جناب خلیل سوداگر کی لڑکی سے شادی کی، سسرال کی طرف سے جتنی بھی ثروت ودولت ملی تھی اسے ۱۹۴۲ء میں راہ خدا میں صرف کر دیا تھا، ۱۹۴۷ء کے دوران محمد جعفر حسین قوال کی قیادت میں جہاد کونسل کا قیام ہوا تو آپ خفیہ طور پر اس میں شامل ہو گئے، مجاہدین کو اپنے قیمتی مشوروں کے علاوہ اپنے مال سے بھرپور تعاون کیا تھا۔

محمد قاسم راجا کے دور میں آپ نے قاسم صاحب اور حکومت کے درمیان ثالثی کا فریضہ انجام دیا، حکومت آپ کو اس علاقے کے ایک معمر سیاست دان مانتی تھی، اور محمد قاسم راجا صاحب بھی آپ کو احترام کرتے تھے، آپ نہایت زیرک پولیس انسپکٹر اور تیز وطرار سیاست دان تھے، سیاست کے پیچ وخم سے بخوبی واقف تھے، علاوہ ازیں مسلم قیدیوں کی طرف آپ کی خاص توجہ رہتی تھی، بہت سے مسلم قیدیوں کو رہائی دلائی تھی، آپ نے ۱۹۸۵ء میں منگڈو میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نور احمد صاحب، صاحب بازاری، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب نور احمد صاحب شمالی منگڈو کی بستی صاحب بازار میں ۱۹۰۸ء میں ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک سخاوت پسند زمیندار ہونے کے ساتھ قومی ہمدردی کے حوالے سے نہایت مشہور تھے، علاوہ ازیں وہ مدارس دینیہ کی سرپرستی اور علماء وطلبائے علوم نبوت کے بڑے خیر خواہ انسان کی حیثیت سے بھی معروف تھے۔

جناب نور احمد صاحب کی بسم اللہ خوانی اور ابتدائی دینی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں ہوئی، اور متوسطہ تک کی تعلیم شمالی منگڈو کی معروف بستی قاضی آباد کے اردو میڈل اسکول میں پائی، دوران تعلیم آپ وقت وقت پر اپنے ہم جھولیوں سے قوم وملت کے مستقبل پر گفتگو کیا کرتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں جب ارکان میں قتل عام شروع ہوا تو آپ اپنے علاقہ سے مجاہدین کی ایک بڑی جماعت تیار کر کے جنوب منگڈو کو چل پڑے، ایک روایت کے مطابق آپ اور آپ کی جماعت نے بوسیدنگ والی لڑائی میں شرکت کی، جب کہ دوسری روایت کے مطابق ابھی آپ اور آپ کی جماعت بوسیدنگ پہنچی ہوئی تھی کہ بوسیدنگ ٹاؤن کی فتح ہو گئی تھی، بہر حال جو کچھ بھی ہو کہ آپ نے بوسیدنگ والی لڑائی میں شرکت کر کے نوید فتح لئے اپنے علاقہ کو واپس لوٹے تھے۔

۱۹۴۲ء کے بعد زیر صدارت جناب ماسٹر عمرہ میاں صاحب شمالی مغربی ارکان میں پیش کمیٹی کی تشکیل ہوئی تو نور احمد صاحب کو شمالی منگڈو کی انجمن کا ممبر چن لیا گیا، چونکہ صاحب بازار کے علاقہ کے لئے بڑی کمیٹی کی ضرورت نہیں تھی تو تین ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی کی تشکیل کی گئی، جس میں آپ بھی شامل تھے، جس کے زیر سائے آپ نے نمایاں قومی وملی خدمات انجام دی تھیں، آپ علاقہ میں ایک دین دار اور قوم پرست آدمی کی حیثیت سے مشہور ومعروف تھے۔

۱۹۴۷ء میں محمد جعفر حسین قوال صاحب کی قیادت میں جہاد کونسل کا قیام ہوا تو جناب نور احمد صاحب اس میں اپنی جان و مال سے شامل ہو گئے، اور اپنی جان و مال سے مجاہدین کی خدمات انجام دیتے رہے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے راہِ خدا میں اپنے اموال کو پانی کی طرح بہایا تھا۔

جناب نور احمد صاحب نہایت جری اور بہادر انسان تھے، کم گو تھے، لیکن جو کچھ بھی کہتے سوچ سمجھ کر کہتے تھے، آپ نے ۱۹۷۸ء کے لگ بھگ انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نور احمد صاحب، ماسٹر، سماجی کارکن، خایونگ خالوی

محترم جناب ماسٹر نور احمد صاحب بن مفضل الرحمن صاحب شمالی منگڈو کی بستی خایونگ خالی کے ایک متمول گھرانے میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے، نشوونما اور مکتب نشینی وہیں ہوئی، آپ کے والد صاحب ایک قومی ہمدردی رکھنے والے بزرگ تھے، جنہوں نے اپنی زندگی میں قوم کی کافی خدمات کی تھیں۔

جناب ماسٹر نور احمد صاحب نے خایونگ خالی کے اردو اسکول سے چوتھی جماعت تک تعلیم پا کر منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں سے ۱۹۵۳ء میں مٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا، اس کے بعد ایک سال یعنی ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک رنگون سے تدریسی تربیت حاصل کر کے سیدھے وطن واپس آکے قومی خدمات سے وابستہ ہو گئے تھے۔

جناب ماسٹر نور احمد صاحب ۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۹ء تک منگڈو ہائی اسکول میں معلم رہے، جہاں تک میری جانکاری کا تعلق ہے اس کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ آج کل قومی مفاد کے حوالے سے کام کرنے والے بہت سارے قائدین آپ کے تلامذہ میں سے ہیں، بہر حال اس معلمی کے دوران آپ نے ہزاروں مسلم طلباء کو زیور تعلیم سے آراستہ کیا، ساتھ ہی ساتھ آپ اس معلمی کے دوران روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورس (RIF) کے اعلی رکن بھی رہ چکے تھے، چنانچہ اس قومی تنظیم کے زیر سائے آپ نے نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

جناب ماسٹر نور احمد صاحب نے ۱۹۸۲ء میں ترک وطن کر کے بنگلا دیش میں پناہ لی، اور اپنے برادر نسبتی جناب محمد یونس صاحب کی دکان ''فوٹو میکس چاٹگام'' میں کام کرتے رہے، علاوہ ازیں دیگر قومی، تحریکی یا سیاسی جماعتوں سے باضابطہ وابستگی کے ساتھ آپ غالبا ۱۹۸۴ء سے دم آخر تک ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) سے وابستہ تھے، اس تنظیم کے زیر سائے بھی آپ نے بہت ساری قومی وملی اور فلاحی خدمات انجام دیں، ماشاء اللہ آپ بڑے زیرک، شریف، بردبار، حلیم الطبع اور صائب الرائے انسان تھے، کم گو تھے لیکن جو کچھ بھی کہتے بڑی سمجھداری کے ساتھ کہتے تھے۔

ماسٹر نور احمد صاحب بڑے دل جلے، قومی ہمدردی رکھنے والے، ارکان اور وہاں کے مسلمانوں کے مستقبل پر ہمیشہ غور وفکر کرنے والے انسان تھے، آپ کو میں نے عرصۂ دراز تک چاٹگام میں دیکھا، آپ سے میری ملاقاتوں کا سلسلہ آپ کے انتقال تک بحال رہا، آپ نے غالبا ۲۰۱۷ء میں چاٹگام میں انتقال کیا، اللہ تعالی آپ کی مغفرت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

نور الاسلام صاحب، ماسٹر، باغگونوی منگڈوی

جناب ماسٹر نور الاسلام صاحب بن تعظیم الدین بن واعظ الدین کی پیدائش جنوبی منگڈو کی بستی باغگونہ میں ہوئی، آپ ڈاکٹر محمد یونس صاحب صدر روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کے حقیقی چچا ہیں، جنہوں نے اپنی مستعار زندگی میں قوم وملت کی نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔

ماسٹر نور الاسلام صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی بستی میں اپنے والد گرامی اور چچا ماسٹر امیر حمزہ وغیرہ سے پائی، علاقے میں ساتویں جماعت تک اردو اور برمیز کی تعلیم پا کر مجاہدین اسلام کے قافلہ میں شامل ہو گئے، آپ حضرت محمد جعفر حسین قوال کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے، خود شاعر بھی تھے اور نغمہ سرا بھی، محمد جعفر حسین صاحب کے بہت سارے نغمے آپ کو زبانی یاد تھے، جہاں کہیں بھی جاتے آپ محمد جعفر حسین قوال صاحب کی یاد کرتے رہتے تھے۔ راقم السطور کی آپ سے پہلی ملاقات حارۃ البلدیہ مکہ مکرمہ میں ہوئی، ایک سے زیادہ ملاقاتوں میں آپ نے اپنی نجی زندگی، خاندانی حالات کے علاوہ مجاہدین اسلام کی سرگرمیوں کی بہت ساری داستانیں سنائیں، ایک موقع پر آپ نے فرمایا تھا کہ:

> ''یوں تو ظاہر ہے کہ ہمارے ناسمت شناس لوگ راہ خدا میں قربان ہوجانے والے ہمارے مجاہدین اسلام کی بدنامی اور دشنام طرازی کرتے رہتے ہیں، لیکن انہیں کیا معلوم کہ ہمارے ان مجاہدین، غزاۃ اور شہداء کے لئے اللہ تعالی نے کیا کیا نعمتیں رکھی ہیں، اللہ تعالی ہمارے لوگوں کو سمجھ عطا کرے''۔

آپ بڑے ذہین اور حافظہ کے بڑے پختے نظر آئے، عمر کے آخری مرحلہ میں بھی آپ کے حافظہ پر بہت تعجب ہوا، آپ خوش آواز اور پر جوش ہونے کے علاوہ بڑے پر امید نظر آئے، ۱۹۶۰ء کے بعد موضع شقدار فارہ منگڈو میں آپ نے اپنی نجی تجارت شروع کی تھی، اسی دوران ہمارے قومی گلوکار مرحوم شبیر احمد المعروف بہ ''شبو'' صاحب نے آپ سے باضابطہ اردو کی تعلیم حاصل کی تھی، یوں آپ شبیر احمد صاحب کے استاد ہیں، ماسٹر صاحب اپنے شاگرد شبیر احمد صاحب کی شخصیت، اعلی صفات کے علاوہ مدھور و مدبھری آواز کے بڑے مداح تھے، جس طرح شبیر احمد صاحب آپ کے مداح تھے اسی طرح ماسٹر صاحب بھی اپنے شاگرد کے بڑے خیر خواہ اور خیر اندیش تھے، ماسٹر صاحب عرصۂ دراز تک حارۃ البلدیہ مکہ المکرمہ میں مقیم اور عبادت الہی میں مگن تھے، جہاں آپ کا انتقال ہو گیا، خاکِ مقدس میں مدفون ہیں۔

نورالاسلام صاحب، سیاسی، سماجی کارکن، علی تانجوی

محترم نورالاسلام صاحب بن شونا علی مرحوم جنوبی منگڈو کے معروف قصبہ علی تانجو میں ۲ / جون/ ۱۹۵۳ء میں پیدا ہوئے، ان کے والد جناب شونا علی صاحب ایک متمول آدمی ہونے کے ساتھ نہایت دین دار انسان کی حیثیت سے علاقے میں معروف تھے، اور والدہ بھی نہایت پرہیزگار اور علم دوست خاتون تھی، اور جناب نورالاسلام صاحب بھی ایک نیک اور قوم کے ہم درد دانشور تھے۔

محترم جناب نورالاسلام صاحب نے قرآن کریم کا ناظرہ اور کچھ اردو کی ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب میں پاکر علی تانجو کے سرکاری پرائمری اور مڈل اسکول سے ساتویں جماعت تک تعلیم پائی، اس کے بعد منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا، وہیں سے ۱۹۷۰ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد اعلی تعلیم کے لئے ملک برما کا سفر کیا، اور مولمین یونیورسیٹی سے ۱۹۷۴ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کر کے رنگون یونیورسیٹی میں داخلہ لیا، جہاں سے ان کو ایم اے کرنا تھا، مگر ملک کے ناسازگار حالات کی وجہ سے ان کو پڑھائی سے ہاتھ دھونا پڑا، تاہم پھر بھی بڑے کٹھن حالات سے مقابلہ کرتے ہوئے انہوں نے ایک سال تک وہیں پڑھ کر ترک وطن کیا تھا۔

جناب نورالاسلام صاحب غالبا ۱۹۷۵ء میں بنگلا دیش پہنچے، جہاں دو سال گزارنے کے بعد ۱۹۷۷ء میں متحدہ عرب امارات چلے گئے، جہاں انہوں نے ایک برطانوی کمپنی میں ملازمت کی، مگر دو سال کے بعد پھر بنگلا دیش چلے آئے، اور نجی تجارتی کاموں میں سرگرم عمل ہو گئے تھے۔

اللہ تعالی نے نورالاسلام صاحب کی تجارت میں برکت دی، ماشاءاللہ انہوں نے دولت بہت کمائی، چاٹگام کے معروف رہائشی علاقہ چاندگاؤں میں ایک خوب صورت مکان بھی بنایا، جہاں وہ مرتے دم تک رہائش پذیر تھے، ساتھ ہی ساتھ جناب نورالاسلام صاحب نے چاٹگام میں رہتے ہوئے قوم کی خدمات کے حوالے سے بھی بہت سارے کام سرانجام دیئے، مختلف قومی اور تحریکی منظمات سے منسلک رہے، ان میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) اور ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) قابل ذکر ہیں، ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ میں وہ عرصۂ دراز تک مجلس شوری کے ممبر رہے، اسی طرح ارکان ہسٹریکل سوسائٹی میں دسمبر/ ۱۹۹۸ء سے دسمبر/ ۲۰۰۰ء تک نائب صدر رہے، انہوں نے ماشاءاللہ روہنگیا قوم کے مفاد کے حوالے سے انٹرنیٹ میں بہت کچھ لکھے تھے، ان کا انتقال غالبا ۲۰۱۷ء میں چاٹگام میں ہوا۔

نورالبشر صاحب، سیاسی، خائندہ فاروی، منگڈوی

محترم جناب نورالبشر صاحب ہماری تاریخ کے ایک عظیم مرد مجاہد مرحوم جناب محمد ابراہیم صاحب کے بڑے صاحب کے زادے ہیں، آپ کے والد دراصل پتھری قلعہ کے رہنے والے تھے، ۱۹۴۲ء میں مگھوں نے ان کے تقریبا سارے خاندان کو شہید کر دیا تو وہ کسی طرح جان بچا کر راستے کی کلفت و مشکلات اور خطرات سے بچتے ہوئے منگڈو آ گئے تھے، جہاں انہوں نے ۱۹۴۲ء میں مگھ برمیوں کے خلاف ہونے والے جہاد میں بھر پور حصہ لیا، بعد ازاں حضرت محمد جعفر قوال کی قیادت میں جہاد کونسل کی بنیاد پڑی تو انہوں نے اس میں بھی شامل ہو کر ملک وقوم کی بڑی بڑی خدمات انجام دی تھیں۔

جناب محترم نورالبشر صاحب کی ابتدائی تعلیم مجاہدین کے کیمپ فقیرہ یا آم تلہ میں ہوئی، بعد میں آپ اپنی والدہ نور جہاں بنت ماسٹر محمد ہاشم صاحب شقدار فاروی کے ساتھ شاہی فریر دیپ چلے گئے، جہاں آپ نے بنگلہ زبان کی مبادیات کی تعلیم حاصل کی، اس کے بعد آپ کو اپنے نانا نے منگڈو کی معروف بستی شقدار فارہ لے آیا، یہاں مکتب کی پڑھائی کے ساتھ شقدار فارہ ہائی اسکول میں بھی بھرتی کر دیا گیا، جہاں سے آپ نے مٹرک کا امتحان پاس کیا تھا۔

آپ کے والد محمد ابراہیم صاحب کی شہادت حسرت آیات کے بعد آپ کی والدہ منگڈو چلی آئی، جہاں نورالبشر صاحب نے سرکاری ملازمت اختیار کر لی، لیکن ملازمت میں آپ کی کوئی کامیابی نہ ہوئی، اس درمیان آپ کا ایک چھوٹا بھائی نورالحق ارکان سے ہجرت کر کے کراچی پاکستان چلا گیا تو نورالبشر صاحب اس کی تلاش کرتے ہوئے خود بھی پاکستان کے شہر کراچی پہنچ گئے تھے۔

کراچی میں ایک طرف آپ نے ملازمت اختیار کر لی تو دوسری طرف اپنی پڑھائی کو بھی آگے بڑھایا، اب کی بار آپ دونوں میدانوں میں آپ کامیاب ہوئے تھے۔

جناب نورالبشر صاحب کی تحریک جہاد اور ارکانی انقلابیوں سے وابستگی اپنے عظیم باپ کے واسطے سے زندگی کی شروع ہی سے رہی ہے، دوران تعلیم بھی آپ کا محرکین سے تعاون اور تعلق رہا تھا، لیکن آپ کی اس حوالے سے باضابطہ وابستگی جناب کمال (چولا) صاحب کی قیادت میں بننے اور ابھرنے والی تنظیم مسلم لبریشن آرگنائزیشن آف برما (MLOB) سے رہی ہے، اس تنظیم کے زیر سائے گزرے ہوئے دنوں میں آپ نے بلاشبہ بہت ساری قومی خدمات نبھائیں، بنگلا دیش، پاکستان اور سعودی

عرب کے علاوہ اس تنظیم کے حوالے سے آپ نے تھائی لینڈ وغیرہ کے مختلف دورے کئے، سعودی عرب میں آپ کو اس تنظم کا اہم رکن مانا جاتا رہا۔

روہنگیا مسلمانوں کے حالات زار سے عالم اسلام بطور خاص پاکستانی حکومت وعوام کو مطلع کرنے میں آپ کی کوششیں بڑی بارآور رہیں، علاوہ ازیں آپ نے اس حوالے سے عالم اسلام کے چند رہنما اور قائدین سے مختلف ملاقات کر کے انہیں روہنگیا مسلمانوں کی مشکلات ومصائب سے آگاہ کیا تھا۔

جناب نورالبشر صاحب ''الحباش مکہ مکرمہ'' نامی ٹرابل ایجنسی میں عرصۂ دراز تک کام کرتے رہے، ۲۰۰۰ء کے دوران آپ ایک جان لیوا مرض کے شکار ہو گئے تھے، مگر اللہ تعالی نے کسی طرح شفادی تھی۔

سرزمین مقدس سعودی عرب میں بعض سماجی اور فلاحی کاموں میں بھی آپ بھرپور حصہ لیتے رہے تھے، تھوڑی فرصت ملتے ہی قومی اور ملی پروگرام لئے ہر کہیں دوڑتے رہے تھے، جہاں بھی جاتے آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، ہماری روہنگیا برادری میں آپ بڑے محترم مانے جاتے تھے اور مانے جاتے ہیں، بلاشبہ آپ نہایت زیرک، دل جلے، مدبر، اور حلیم الطبع، سخی، شریف اور نجیب انسان ہیں، زندگی میں ناچیز کو آپ سے بڑی شفقت ملی تھی، اللہ تعالی جزائے خیر دے۔

جناب نورالبشر صاحب عرصۂ دراز تک مکہ مکرمہ میں رہ کر غالبا ۲۰۱۷ء میں کراچی چلے گئے، شنید ہے کہ آپ وہیں آج کل تقریبا صاحب فراش ہیں، اللہ تعالی آپ کی حیات میں برکت دے، آمین۔

نورعلی صاحب، کمانڈر شیتا فوریکوی منگڈوی

پلاٹون کمانڈر جناب نورعلی صاحب ۱۹۲۴ء میں شمالی منگڈو کی بستی شیتا فوریکہ میں ایک قوم پرست زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد صاحب ایک زمنیدار، دیندار، متواضع اور دل دار آدمی تھے، لوگوں سے محبت کرنا گویا ان کی فطرت ثانیہ تھی، عیب جوئی، غیبت، چغلی کرنے والوں سے نہ صرف متنفر تھے بلکہ موقع ملتے ہی ایسے لوگوں کو ڈانتے تھے، چنانچہ یہ صفت نورعلی صاحب نے اپنے والد مرحوم سے وراثت میں پائی تھی، موصوف بڑے صاف گو ہونے کے علاوہ بے پناہ فیاض آدمی تھے۔

جناب نورعلی صاحب نے اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں قرآن کریم کا ناظرہ ختم کیا، اس کے بعد آپ سرکاری اسکول میں بھرتی ہوئے، جہاں سے چوتھی جماعت تک کی اردو اور برمیز کی تعلیم پائی، تعلیم سے علیحدگی کے بعد گھر کے کام کاج کے ساتھ کچھ نجی تجارت سے وابستہ ہو گئے تھے۔

۱۹۵۰ء میں جناب نورعلی صاحب محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی قیادت میں چلنے والی جہادی تنظیم ''مجاہد پارٹی''میں شامل ہو گئے، جناب رشید احمد صاحب (CL) فوئمالوی سے عسکری تربیت لی، اس کے بعد مختلف معرکوں میں شریک ہو کر خراج تحسین حاصل کی، موصوف نہایت جری، فعال اور نڈر مجاہد تھے، قاسم راجا صاحب آپ کو بہت پسند کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمیں صاف گوئی اور حقیقت پسندی کمانڈر نورعلی سے سیکھنا چاہئے، چنانچہ آپ کی لیاقت واستعداد کو دیکھ کر راجا صاحب نے آپ کو پہلے ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنایا، لیکن بعد میں ترقی دے کر پلاٹون کمانڈر بنا دیا تھا، موصوف کے متعلق ان کے ایک دیرینہ ساتھی کا بیان ہے کہ:

> ''جناب کمانڈر نورعلی صاحب ایک حق پسند اور صاف گو مجاہد تھے، آپ اپنے ساتھیوں کو خدا ترسی اور لوگوں سے محبت کی تاکید کیا کرتے تھے، اور کہتے کہ ہم میدان جہاد میں اترے ہیں، جہاد عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت ہے، اس میں تقوی اور پرہیزگاری کی بڑی ضرورت ہے، علاوہ ازیں خدمت دین وملت اور وطن وقوم ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے، ورنہ ہمارا جہاد ایک بے معنی کا جہاد ہو جائے گا''۔

مجاہد پارٹی کی مکمل تباہی کے بعد آپ عرصۂ دراز تک اندرون وطن میں کہیں روپوش رہے، بعد میں غالبا ۱۹۸۸ء کے دوران آپ کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نورالحق صاحب، رواسوگری، مگنی فاروی

جناب نورالحق صاحب مرحوم کہنے میں تو ایک رواسوگری معروف تھے، لیکن جہاں تک سننے میں آیا کہ ان کی بعض خصوصیات ایسی ہی ہیں، جن کی وجہ سے ان کے نام گرامی یاد رکھنے کے قابل ہے، ان میں ایک ہے عدل گستری وانصاف پسندی، اوردوسری خدمات دین وملت اور علم وعلماء۔

جناب نورالحق صاحب مرحوم کی ولادت ۱۸۹۸ء میں مگنی فارہ منگڈو میں ہوئی، کہتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب ایک دین دار اور علم وعلماء دوست انسان تھے، علاوہ ازیں خدمت خلق کے حوالے سے بھی یکتائے روزگار تھے۔

جناب نور الحق صاحب نے تعلیم اپنے علاقے میں پائی، آپ کی شادی خانہ آبادی شمالی منگڈو کی معروف بستی تمرو کے ایک معزز خاندان کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

جناب نورالحق صاحب تعلیم سے فراغت کے بعد پولیس ڈیپارٹمنٹ میں نوکری اختیار کی، مدتوں تک اس خدمت میں رہتے ہوئے سرجنٹ کے عہدے پر فائز ہوئے، اوراس عہدے میں رہتے ہوئے بے شمار ملکی اورقومی خدمات انجام دیں، یوں تو ظاہر ہے کہ پولیس والے ہرایک زمانے میں بدنام زمانہ انسان ہوا کرتے ہیں، لیکن جناب نورالحق صاحب عام روایات سے ہٹے ہوئے ایک ایسے پولیس سرجنٹ تھے، جن کی انسان دوستی اور خلق نوازی پر علاقے کے ہرایک افراد کو بھروسہ تھا، بعد میں آپ پولیس ڈیپارٹمنٹ سے مستعفی ہوگئے، اس کے بعد انتخابات کے ذریعے آپ اپنے علاقہ کے سرپنچ (رواسوگری) بنے، ساتھ ہی ساتھ جامعہ عالیہ شقدارفارہ کے اہتمام کی ذمہ داری بھی سنبھالی، آپ نے ان دونوں ذمے داریوں پر رہتے ہوئے ایک طرف ملک وقوم کی بے شمار خدمات انجام دیں تو دوسری طرف دین وعلم ودین کی ایسی ایسی خدمات انجام دیں، جن پر آج تک علاقے کے باشندے آپ کے نام گرامی پر نہ صرف فخر کرتے، بلکہ ان کی خدمات کے طرز وطریقہ کو آنے والوں کے لئے روشنی کے منارے سمجھتے ہیں۔

بعد میں برما میں رواسوگری والا طرز ختم ہوکے اوکٹہ والا طرز یہاں لاگو ہوا تو آپ اب بھی موخرالذکر اس عہدہ پر فائز رہے، ساتھ ہی ساتھ مذکورہ مدرسہ کی خدمات بھی بڑے حسن وخوبی سے انجام دیتے رہے تھے، بالآخر مدتوں تک ملک وملت کی خدمات انجام دیتے ہوئے آپ ۱۹۷۸ء میں انتقال کر گئے، اناللہ واناالیہ راجعون، آپ کے اخلاف میں انوارالحق اور سراج الحق بھی والد کی طرح علاقے کی معروف شخصیات ہیں۔

نورکمال صاحب، سیاسی، تاجر، خایونگ خالوی

صدیق محترم جناب نورکمال صاحب کے تذکرہ لکھنے بیٹھا تو دل فرط مسرت سے لبریز ہوگیا، وہ اس لئے بھی ہے کہ وہ راقم السطور کے بعض ناگفتہ بہ حالات کے دوران بعض احسانات سے پیش آئے تھے، آج ایک محسن کی یاد تازہ ہوئی تو دل خوشی سے لبریز ہوتا جارہا ہے، کیوں کہ ظاہر ہے کہ انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے۔

نورکمال صاحب بن حاجی امین اللہ مرحوم ۱۹۵۹ء میں شمالی منگڈو کی بستی خایونگ خالی میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ ان کے والد مرحوم ایک درویش صفت انسان تھے، مکتب نشینی کے بعد نورکمال صاحب کی ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے دینی مکتب اور سرکاری پرائمری اسکول سے شروع ہوئی، بعد میں منگڈو ہائی اسکول میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۵ء میں مٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد اکیاب کالج میں بھرتی ہوئے، لیکن وہاں چند دن یا چند مہینے ہی پڑھ سکے تھے، یہاں کچھ مگھ طلباء نے ان کا جینا حرام کردیا تھا، بالآخر ان کو کالج چھوڑنا ہی پڑا تھا۔

اکیاب کالج سے واپسی پر ۱۹۷۷ء میں انہوں نے زیرزمین چلے جانے کو مناسب سمجھا، چنانچہ اس وقت کی زیرزمین کام کرنے والی معروف تنظیم روہنگیا فدائین محاذ (RPF) میں شامل ہوکر انہوں نے عسکری تربیت حاصل کرلی تھی۔

۱۹۷۸ء کے اواخر میں نورکمال صاحب نے روہنگیا فدائین محاذ سے علیحدگی اختیار کرلی، ڈیڑھ سال تک بنگلا دیش میں گزار کر ۱۹۸۱ء میں پاکستان کے شہر کراچی پہنچ گئے، کہتے ہیں کہ انہوں نے لانڈھی (کراچی) کالج میں داخلہ لیا بھی تھا، مگر ہزار کوشش کے باوجود حالات نے ان کی پڑھائی کو آگے بڑھنے نہ دیا۔

نورکمال صاحب ۱۹۸۲ میں سعودی عرب پہنچے، جہاں انہوں نے اپنے نجی کاموں کے ساتھ ساتھ تحریک ارکان سے وابستہ حضرات کا بھرپور تعاون کیا، کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت جناب اڈووکٹ نورالاسلام اور ڈاکٹر محمد یونس صاحبان کی قیادت میں قائم ہونے والی تنظیم ''ارکان مسلم آرگنائزیشن (AMO) جو در اصل روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی پیش خیمہ تھی کے تاسیسی اراکین میں شامل تھے، بہر حال جناب نورکمال صاحب سعودی عرب میں چند مہینے گزار کے دوبارہ بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

۱۹۸۳ء میں نورکمال صاحب نے پھر سعودی عرب کی راہ لی، وہاں ان کا ۱۹۸۶ء تک قیام رہا، اس درمیانی مدت میں انہوں نے تجارت میں حصہ لیا، مگر بعد میں اپنے کفیل سے دل برداشتہ ہو

کر پھر بنگلا دیش چلے آئے تھے۔

اب کی بار بنگلا دیش پہنچتے ہی وہ اپنی نجی تجارتی کاموں میں سرگرم ہو گئے، اللہ تعالی نے ان کی تجارت میں کافی برکت دی، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے اگلے چند سالوں میں ماشاءاللہ کروڑ پتی بن گئے۔

جناب نور کمال صاحب ۱۹۸۸ء سے لے کر ۲۰۰۰ء تک ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کے سینئر ممبر رہے، ساتھ ہی ساتھ زیر زمین کام کرنے والی تنظیم ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) سے بھی وابستہ رہے تھے، پھر ۱۹۹۸ء کے دوران سوسائٹی کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر بھی فائز رہے، یاد رہے کہ راقم السطور کی پہلی تاریخی دستاویزی کتاب ''سرزمین ارکان کی تحریک آزادی تاریخی پس منظر میں'' ان کی سکریٹریٹ کے زمانے میں اسی سوسائٹی سے شائع ہوئی تھی، جس میں نور کمال صاحب اور اشرف العالم صاحب کے علاوہ سوسائٹی کے تقریبا تمام اہم اراکین کی تائید اور تعاون شامل تھے۔

۱۹۹۸ء میں ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ اور روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن کو کالعدم قرار دے کر ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل عمل میں آئی تو نور کمال صاحب اس نئی قائم شدہ تنظیم میں پہلے قائمہ کمیٹی (NSC) کے ممبر رہے، پھر سرپرستگان کی مجلس میں بھی ان کو چن لیا گیا تھا، یہاں انہوں نے روہنگیا سیاست وقیادت اور انقلاب کے حوالے سے بڑی بڑی خدمات انجام دیں، ان کی تمام خدمات سے صرف نظر بس ایک خدمت کا تذکرہ کر دینا بہت ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ:

> ''۲۰۰۰ء کے دوران ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) اور مگھوں کی اس وقت کی زیرزمین کام کرنے والی معروف تنظیم نیشنل یونائی ٹڈ پارٹی آف ارکان (NUPA) کے درمیان جو ایک تاریخی معاہدہ ہوا، اسے وجود میں لانے اور اس معاہدہ کو عملی جامہ پہنانے میں نور کمال صاحب کا بھرپور کردار اور تعاون تھا، انہوں نے دامے درمے، قدمے سخنے جتنی کوششیں کیں، ان کی تفصلات کے لئے ایک طویل مضمون کی ضرورت ہوگی، اسی دوران وہ ایک بڑے جری، فعال اور مبصر سیاست دان اور دریا دل انسان نظر آئے، اس معاہدہ کی وجہ سے روہنگیا قوم کا کتنا فائدہ ہوا، اس کی تفصیلات کے لئے ایک طویل مقالہ کی ضرورت ہوگی''۔

جناب نور کمال صاحب ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) میں دراڑے پڑنے کے بعد اس تنظیم سے قسما علیحدہ ہو گئے، الحمد للہ تادم تحریر (۲۰۲۴ء) حیات سے ہیں، چاٹگام میں مقیم ہیں، اللہ تعالی ان کی حیات میں برکت عطا کرے، آمین۔

ولی اللہ صاحب، کمانڈر، لمبا گونوی، منگڈوی

مجاہد کمانڈر جناب ولی اللہ صاحب ۱۹۲۶ء میں جنوبی منگڈو کی معروف بستی لمبا گونہ کے ایک کاشکار گھرانے میں پیدا ہوئے، کہتے ہیں کہ آپ کے والد تحریک آزادی ارکان وبرما کے مجاہد تھے، علاوہ ازیں بڑے علماء دوست اور قوم وملت کے خادم ہونے کے علاوہ بااخلاق اور متقی بھی تھے۔

جناب ولی اللہ صاحب نے بسم اللہ خوانی کے بعد ابتدائی دینی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب میں پائی، جہاں ایک مولوی صاحب سے قرآن کریم کے ناظرہ اور اردو عربی کی ابتدائی تعلیم بھی پائی تھی، بعد میں علاقے کے ایک مدرسہ میں داخل ہو کر متوسطہ تک کی عربی اور اردو تعلیم حاصل کی، اس کے بعد والد کا ہاتھ بٹاتے ہوئے گھر کے کام کاج میں مشغول ہو گئے تھے۔

جناب ولی اللہ صاحب بچپن ہی سے ایک تحریک پسند انسان ثابت ہوئے، ۱۹۴۹ء کے اواخر میں محمد قاسم بن عطاء الدین صاحب کی زیر قیادت چلنے والی جہادی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں شامل ہو گئے، تنظیم میں شامل ہوتے ہی آپ نے جناب رشید احمد صاحب معروف بہ (CL) رشید فوئما لوی سے جہادی تربیت حاصل کی، اس کے بعد منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ کے مختلف معرکے میں شریک ہوئے، چوں کہ آپ نہایت بہادر اور جری مرد مجاہد تھے، ویسے جہاں کہیں بھی لڑے فتح وکامرانی کے ساتھ معسکر واپس لوٹے تھے، چنانچہ آپ کی بہادری کے اعتراف کرتے ہوئے آپ کو قاسم راجا صاحب نے ایک گروپ مجاہدین کا کمانڈر بنایا، بعد میں ترقی دے کر پلاٹون کمانڈر بنا دیا تھا۔

آپ محمد ابوالقاسم راجا صاحب کے قریبی ساتھیوں میں سے ایک تھے، ۱۹۵۲ء کے دوران آپ ہمیشہ ان کے ساتھ رہا کرتے تھے، بڑے بہادر اور جانباز انسان تھے، کہتے ہیں کہ آپ کو قدرت نے جہاد وقتال کی حکمت عملیوں کی صلاحیت سے نوازا، اس حوالے سے آپ نے بڑے بڑے جرنیلوں کی طرح میدان جہاد وقتال میں کام سرانجام دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ واقعی آپ عظیم کمانڈر رہونے یا بننے کے لائق انسان ہیں۔

جناب نور علی صاحب نہایت علماء، صلحاء اور طلباء پسند مجاہد کمانڈر تھے، طلبائے دینی مدارس جہاں بھی ملتے کسی نہ کسی اعتبار سے ان کی خدمت کیا کرتے تھے، اور بتاتے کہ انہیں کی برکت سے سرزمین ارکان آباد ہے، قاسمی پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش ہو گئے، بعد میں ارکان میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

ولی چاند صاحب، کمانڈر، اودنگی، منگڈوی

کمانڈر جناب ولی چاند صاحب ۱۹۲۶ء میں جنوبی منگڈو کی بستی اودنگ میں ایک کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ کے والد ایک عابد اور ہر دل عزیز انسان ہونے کے ساتھ نہایت علماء پسند بزرگ تھے، اور والدہ بھی ایک عابدہ، پارسا اور نیک خاتون تھی۔

جناب ولی چاند صاحب نے ابتدائی اور متوسطہ تک کی دینی تعلیم اپنے آبائی گاؤں کے مکتب و مدرسہ میں پائی، کہتے ہیں کہ آپ قرآن کریم کی تلاوت ترتیل کے ساتھ کرتے تھے، ساتھ ساتھ موقع پاتے ہی دینیات کا مطالعہ بھی کرتے تھے، ویسے دینیات کی ابتدائی چیزوں سے آپ بخوبی واقف تھے۔

۱۹۴۲ء میں مگھ وحشیوں اور برمی درندوں کے ظلم وستم کو دیکھ کر جناب ولی چاند صاحب کے دل میں یہ شعلہ برپا ہوا کہ ان ظالموں کے خلاف ڈھٹ کر مقابلہ کرنا ہوگا، اور دل ہی دل میں یہ بھی سوچنے لگا کہ یہ زمین، آسماں اور پوری کائنات تو اللہ کی ہیں، یہاں تو بس اللہ والوں کا راج ہونا چاہئے، لیکن کیوں آج ظالم اور طاغوت یہاں حکومت کررہی ہے، اس لئے یہاں سے ان کو ہٹانا ناگزیر ہے۔

جناب ولی چاند صاحب ۱۹۵۰ء کے اوائل میں محمد قاسم بن عطاء الدین راجا صاحب کی جہادی تنظیم ''مجاہد پارٹی'' میں بشمول چند احباب شامل ہوگئے، آپ نے جناب کرنل رشید احمد صاحب معروف بہ (CL) رشید فوئما لوی سے جہادی تربیت حاصل کی، اس کے بعد راسیدنگ، بوسیدنگ اور منگڈو میں مگھ برمیوں کے خلاف لڑی جانے والی مختلف لڑائیوں میں شرکت کی، ابتداء میں ایک عام مجاہد بن کر ان لڑائیوں میں شریک رہے، لیکن بعد میں آپ کی جہادی صلاحیت اور قوت فیصلہ کو دیکھ کر جناب محمد قاسم راجا صاحب نے آپ کو ایک سکشن مجاہدین کا کمانڈر بنایا، لیکن بعد میں آپ کی صلاحیات میں مزید نکھار آیا تو آپ کو پلاٹون کمانڈر بنادیا گیا تھا، اس کے بعد آپ نے درجنوں معرکے میں شرکت کی، جہاں کہیں بھی لڑے کامیاب اور سرخرو ہوکے معسکر واپس آئے تھے۔

مجاہد پارٹی کی تباہی کے بعد آپ روپوش ہوگئے تھے، بعد میں کرنل راغب اللہ اور کرنل مستفیض الرحمن صاحبان کے ساتھ کام کرتے رہے، اس کے بعد ۱۹۶۶ء کے دوران محمد جعفر ثانی کی قیادت میں روہنگیا نیشنل لبریشن پارٹی (RNLP) ابھر کر سامنے آئی تو آپ اس میں بحیثیت کمانڈر شامل ہوگئے، بالآخر ارکان کے اس مجاہد کمانڈر نے ارکان ہی میں انتقال کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ارکان اور اس کے متعلق بعض نمایاں تاریخی واقعات

۲۶۶۶ق م	ـ	سے دھنووتی / دھنیاودی پہلے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۸۰۰ق م تک جاری تھا۔
۸۲۵ق م	ـ	سے دھنووتی / دھنیاودی دوسرے عہد حکومت، جس کا سلسلہ ۷۸۸ء تک جاری تھا۔
۷۸۸ء	ـ	ویسالی دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۰۱۸ء تک جاری تھا۔
۹۵۷ء	ـ	ارکانی راجا چولاٹنگ چندرا کے زمانے میں ارکان پر منگولوں کا حملہ، اور ارکان کی تاخت وتاراج۔
۱۰۱۸ء	ـ	پن سا پہلے دور حکومت کی ابتداء، جو ۱۱۰۳ء میں اپنی انتہاء کو پہنچی تھی۔
۱۱۰۳ء	ـ	پارن دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۶۷ء تک جاری رہا۔
۱۱۶۷ء	ـ	کریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۱۸۰ء تک جاری تھا۔
۱۱۸۰ء	ـ	پن سا دوسرے دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۲۳۷ء تک جاری تھا۔
۱۲۳۷ء	ـ	لنگریٹ دور حکومت کا آغاز، جس کا سلسلہ ۱۴۰۴ء تک جاری تھا۔
۱۴۰۴ء	ـ	برمی غاصب راجا ''من کھاؤن'' کا ارکان پر حملہ، نرامیخلا کی ارکان کی سلطنت سے بے دخلی۔
۱۴۰۴ء	ـ	ارکانی باشاہ نرامیخلا (محمد سلیمان شاہ / من سامون) کا ترک وطن یا جلاوطن۔
۱۴۳۰ء	ـ	سلیمان شاہ کی ارکان واپسی اور مروکو حکومت کی بنیاد، جس کا سلسلہ ۱۷۸۴ء تک جاری تھا۔
۱۶۶۰ء	ـ	بدنصیب مغل شہزادہ شجاع کی ارکان میں آمد، بعد میں اس کا مع اہل وعیال قتل۔
۱۶۶۶ء	ـ	مگھ اور پرتگیز لٹیروں کی وجہ سے مختلف آلام و پریشانیاں۔
۱۷۱۰ء	ـ	ارکان میں خانہ جنگی، اور وسیع پیمانے میں نقصانات۔
۱۷۸۴ء	ـ	برمی غاصب راجا بودھو پھیا کا ارکان پر حملہ وقبضہ، اور اس کی دہشت گردی، اور قتل عام۔
۱۷۹۶ء	ـ	تیس ہزار ارکانیوں (مگھ / مسلمانوں) کا ترک وطن اور بنگال میں ان کی پناہ۔
۱۷۹۸ء	ـ	جنرل علیہ بائنگ / علی بھائی (مسلمان) وغیرہ کی برمی غاصبوں سے آزادی کی جدوجہد۔
۱۸۱۱ء	ـ	سین فیا (KINGBERING) اور مسلم لیڈروں کی قیادت میں ہونے والے انقلاب کی ناکامی۔
۱۸۲۵ء	ـ	پہلی انگلو برمن جنگ۔
۱۸۲۶	ـ	ارکان پر برطانیہ کا قبضہ۔
۱۹۳۰ء	ـ	برمی مسلم تاجر'' اوباو ''کے تعاون سے برما مسلم سوسائٹی کا قیام۔
۱۹۳۰ء	ـ	مگھ ڈاکو (بورینگ اونگ) اور اس کے حواریوں کی بربریت اور مسلمانوں کی بڑے پیمانے سے ہجرت۔

۱۹۳۰ء ۔ وسطی، تحتی برما اور ارکان میں مسلمانوں کا قتل عام اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۳۳ء ۔ روہنگیا جمعیت علمائے اسلام ارکان کی بنیاد۔

۱۹۳۶ء ۔ برطانوی ہند سے برما کی انتظامی علیحدگی، اور ملک بھر سے مسلمانوں کا کریک ڈاؤن۔

۱۹۴۲ء ۔ رنگون پر جاپانیوں کا قبضہ۔

۱۹۴۲ء ۔ ارکانی مسلمانوں کا تاریخی قتل عام، اور بڑے پیمانے پر ان کی ہجرت۔

۱۹۴۲ء ۔ منگڈو، بوسیدنگ اور راسیدنگ پر مشتمل تاریخی ''مسلم ریاست'' کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ ارکان میں برطانویوں کی دوبارہ واپسی۔

۱۹۴۵ء ۔ ''برما مسلم جنرل کونسل'' نامی تنظیم کا قیام۔

۱۹۴۵ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی صدارت میں برما مسلم کانگرس کا قیام۔

۱۹۴۶ء ۔ مسٹر عبدالرزاق کی سربراہی میں پمنا رپیومنا مسلم کانفرس کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ سازش پر مبنی بدنام زمانہ ''پیلونگ کانفرنس'' کا انعقاد۔

۱۹۴۷ء ۔ برمی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات۔ جس میں ارکانی مسلمانوں کو قانونی طور پر نمائندگی ملی تھی۔

۱۹۴۷ء ۔ محمد جعفر حسین قوال کی زیر قیادت ''جہاد کونسل'' کی تشکیل اور ظالموں کے خلاف اعلان جہاد۔

۱۹۴۸ء ۔ برطانیہ سے برما یا برمیوں کو حصول آزادی۔

۱۹۴۸ء ۔ محمد قاسم بن عطاء الدین کی قیادت میں ''مجاہد پارٹی'' کا قیام۔

۱۹۴۹ء ۔ مولانا مظفر احمد کی زیر صدارت انجمن مہاجرین ارکان کا قیام۔

۱۹۵۰ء ۔ بی ٹی ایف کی بربریت، ہزاروں مسلمانوں کی شہادت اور ہزاروں کی ہجرت۔

۱۹۵۰ء ۔ بانئ تحریک آزادئ ارکان محمد جعفر حسین قوال کی افسوسناک شہادت۔

۱۹۵۱ء ۔ آزاد برما میں قومی اسمبلی کے پہلے عام انتخابات۔

۱۹۵۴ء ۔ ارکان میں بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۵۶ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے دوسرے انتخابات۔

۱۹۵۹ء ۔ ارکان میں اور ایک مرتبہ بنگالی مگھوں کا دخول عام، مسلم بستیوں پر قبضہ، مسلمان ترک وطن پر مجبور۔

۱۹۶۰ء ۔ مایو فرنٹیر اڈمنسٹریشن کا نفاذ۔

۱۹۶۱ء ۔ برمی قومی اسمبلی کے تیسرے عام انتخابات۔

۱۹۶۱ء ۔ راغب اللہ مرحوم وغیرہ کی قیادت میں ۲۹۰ سے زائد مجاہدین کا برمی فوجی قیادت کے سامنے سارنڈر۔

۱۹۶۲ء ۔ جمہوری آئین کی معطلی، اور اقتدار پر جنرل نے ون کی قیادت میں برمی فوج کا مکمل قبضہ۔

۱۹۶۲ء ۔ برما میں شوشل ازم کا نفاذ۔

۱۹۶۳ء ۔ نے ون کے نام نہاد قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۶۴ء ۔ روہنگیا انڈیپنڈنٹ فورسس (RIF) کی تشکیل۔

۱۹۶۶ء ۔ مگھ شر پسندوں کی شر پسندی اور برمی بربروں کی بربریت کی وجہ سے مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۶۶ء ۔ محمد جعفر ثانی کی قیادت میں ارکان آزاد فوج (RNLP) کی تشکیل۔

۱۹۷۳ء ۔ نے ون کی قیادت میں برمی فوج اور اس کے لالے پالے غنڈوں کے مظالم، اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۳ء ۔ محمد جعفر حبیب (رحمہ اللہ) کی زیر قیادت روہنگیا فدائین محاذ (RPF) کی تشکیل اور اعلان۔

۱۹۷۵ء ۔ جنرل نے ون کی ایماء پر مسلمانوں کی وسیع پیمانے میں گرفتاریاں اور مسلمانوں کی ہجرت۔

۱۹۷۵ء ۔ ارکان ہسٹریکل سوسائٹی (AHS) کا قیام۔

۱۹۷۷ء ۔ روہنگیا مسلم طلبہ تنظیم ''رابطۃ الطلاب المسلمین الروہانجیین کا قیام۔

۱۹۷۸ء ۔ نے ون کے نام نہاد برمی قومی اسمبلی کے انتخابات۔

۱۹۷۸ء ۔ ناگامن آپریشن، برمیوں اور مگھوں کی غارت گری، مسلمانوں کی عام گرفتاریاں، قتل عام اور ہجرت۔

۱۹۷۹ء ۔ روہنگیا جمعیت علماء (مسلح) کی زیر زمین جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ روہنگیا سالیڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) کی تشکیل۔

۱۹۸۲ء ۔ مولانا عبدالقدوس مجاہد کی امارت میں حرکۃ الجہاد الاسلامی نامی تنظیم کی جدوجہد کا آغاز۔

۱۹۸۲ء ۔ نے ون قومی اسمبلی کے اور ایک نام نہاد انتخابات۔

۱۹۸۶ء ۔ ارکان روہنگیا اسلامک فرنٹ (ARIF) کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ مولانا عبدالحمید مجاہد کی زیر امارت ''روہنگیا اسلامی محاذ'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۶ء ۔ روہنگیا طلبہ تنظیم، اتحاد الطلاب المسلمین ارکان۔ برما۔ (ITM) کی بنیاد۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل نیون کی اقتدار سے ہمیشہ کے لئے چھٹی، اور سین لوین کی گدی نشینی۔

۱۹۸۸ء ۔ ڈاکٹر مونگ مونگ کی چند دنوں والی حکومت۔

۱۹۸۸ء ۔ جنرل سا مونگ کی قیادت میں اقتدار پر فوج کا دوبارہ قبضہ۔

۱۹۸۸ء ۔ مولانا محمد حنیف راغب ارکانی کی قیادت میں ''اتحاد المجاہدین'' نامی تنظیم کی تشکیل۔

۱۹۸۸ء ۔ روہنگیا لیبریشن آرگنائزیشن (RLO) کا اعلان۔

۱۹۹۰ ۔ ارکانیوں کی نمائندہ جماعت ''نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی فار ہیومن رائٹ (NDPHR) کا قیام۔

۱۹۹۰ء ۔ نام نہاد انتخابات/اقتدار پر فوج کا قبضہ، جس کا سلسلہ تان شوے سے لے کر اب تا جاری ہے۔

۱۹۹۱ء ۔ روہنگیا مسلمانوں پر مظالم اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۱ ۔ مسلمانوں کا قتل عام، وسیع پیمانے میں مسلمانوں کی گرفتاریاں، اور ان کی بڑے پیمانے پر ہجرت۔

۱۹۹۵ء ۔ روہنگیا نشنل الائنس (RNA) نامی الائنس کی تشکیل۔

۱۹۹۸ء ۔ ارکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) کی تشکیل اور اعلان۔

۲۰۱۱ء ۔ ارکان روہنگیا یونین (ARU) کی بنیاد اور اعلان۔

۲۰۱۲ء ۔ مسلمانوں کا قتل عام، ہزوروں شہادت، ہزاروں ماں بہنوں کی عصمت دری، اور لاکھوں کی ہجرت۔